فوائد التفسیر

مع

ترجمہ قرآن مجید (پارہ اول)

جسے

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد و نگرانی میں

علماء جماعت احمدیہ کی ایک جماعت نے ۱۹۱۵ء میں ترجمہ کیا اور تفسیری فوائد لکھے

صرف ٹائیٹل عبدالعظیم پروپرائیٹر احمدیہ بکڈپو قادیان نے شائع کیا

مجلد ڈیڑھ روپیہ

ہدیہ ایک روپیہ پچیس نئے پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مژدہ

اے طالبانِ صداقت! اور اے جویانِ ہدایت! مژدہ ہو کہ وہ ہدایت نامہ جو خود خدائے تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لئے نازل فرمایا تھا تمہارے تک ایک ایسی زبان میں پہنچایا جاتا ہے جسے تم سمجھ سکتے ہو۔ ہاں وہ ہدایت نامہ جو آج سے تیرہ سو سال پہلے اُس وقت جبکہ دنیا میں ظلمت اور ظلمت بحر کی طرح لہریں مار رہی تھیں اور جہالت اور غفلت عقلِ انسانی پر سایہ فگن تھیں غارِ حرا سے عربی زبان میں بلند ہوئی تھی آج اردو زبان میں ان گم گشتہ کی رہنمائی کے لئے بلند کیجاتی ہے جو بعینہٖ انہی لوگوں کی طرح جو آج سے تیرہ سو سال پہلے گذرے ہیں جویانِ حق تو ہیں لیکن انہیں حق سنانیوالا کوئی نہیں۔ ہاں اے تشنہ کامانِ آبِ روحانی جس آبِ حیات نے تیرہ سو سال پہلے مردوں کو زندہ کر دیا تھا اسی کے چھلکتے ہوئے کاسے تمہارے سامنے پیش کئے ہیں تاکہ تم بھی اپنی پیاس بجھاؤ اور حقیقی زندگی کا لطف اُٹھاؤ۔ نادان ہے وہ جو خدا سے دور رہ کر سمجھتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور بے علم ہے وہ جو علم روحانی سے بے بہرہ ہو کر خیال کرتا ہے کہ میں روشنی میں ہوں۔ زندہ وہی ہے جو آسمانی زندگی سے زندہ ہے اور اس سے بڑھ کر مردہ کوئی نہیں جس کا جسم زندگی سے خالی ہے کیونکہ لوگ اُن کو مردہ سمجھتے ہیں جو قبروں میں ہیں لیکن درحقیقت مردہ وہی ہیں جو ایک زندہ جسم میں مدفون ہیں۔ مٹی کی قبر ایسی خطرناک نہیں جیسی کہ گوشت کی۔ کیونکہ شیطان مٹی میں نہیں جاتا لیکن بہنے والے خون کی رگوں میں آسانی سے چل سکتا ہے۔ ہاں روشنی میں وہی ہے جس کا دل آسمانی نور سے منور ہے کیونکہ باہر کی روشنی کچھ فائدہ نہیں دیتی جب تک اندر نور نہ ہو اور جس کے اندر تاریکی ہے وہ عین سورج کے نیچے کھڑا ہو کر بھی اندھا ہے۔ بہت ہیں جو آنکھوں کے اندھوں پر رحم کرتے ہیں لیکن ان کے سامنے ہزاروں دل کے اندھے پھرتے ہیں لیکن اُن کو اُن پر رحم نہیں آتا۔ بہت ہیں جو کانوں کے بہروں پر رحم کرتے ہیں لیکن اُنکے سامنے لاکھوں دل کے بہرے چلتے ہیں لیکن اُنکو اُنپر رحم نہیں آتا حالانکہ درحقیقت رحم کے قابل یہی ہیں۔ پس ایسے ہی لوگوں کی ہدایت کیلئے یہ ہدایت نامہ نہایت محبت و اخلاص کے ساتھ ہم پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جو لوگ تعصب اور عناد سے خالی ہیں وہ اس پر غور کریں گے اور صاف دل اسکے مضامین کی صداقت پرکھنے کی کوشش کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے پاکیزہ مضامین سے ناواقف ہونیکی وجہ سے دیگر مذاہب کے لوگ اسے ایک بے فائدہ کتاب سمجھتے ہیں لیکن جو رائے دیکھنے کے بعد قائم کیجائے درست وہی ہوتی ہے اور بے دیکھے رائے قائم کرنا دانا کا کام نہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی کوئی شخص تعصب سے خالی ہو کر قرآن کے مضامین پر غور کریگا تو اسکے حسن کا والہ و شیدا ہوئے بغیر نہ رہیگا۔ آج تیرہ سو سال ہوتے ہیں کہ یہ کتاب نازل ہوئی تھی اور آج بھی اس میں وہی طاقت ہے جو اُسوقت تھی۔ دنیا کی کوئی کتاب زندہ نہیں مگر قرآن کریم زندہ ہے کیونکہ زندگی کی علامت پھل ہے اور قرآن کریم اپنے پھل سے کبھی خالی نہیں رہا اور جس طرح اس پر عمل کرنیوالے اُسوقت زندگی کی روح اپنے اندر محسوس کرتے تھے جب وہ نازل ہوا تھا اسی طرح آج محسوس کرتے ہیں۔ پس اے زندگی کے دلدادہ! آؤ کہ قرآن کریم کے سوا کوئی زندہ کتاب نہیں اور اسلام کے سوا کوئی زندہ مذہب نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی زندہ نبی نہیں مگر وہی جس نے اپنے جسم میں آپ کے جسم کو رکھ لیا۔ بیشک حق کو قبول کرنا آسان نہیں اور بڑی بڑی مشکلات اس کے راستہ میں ہیں اور قسم قسم کے مالی اور جانی نقصان برداشت کرکے انسان حق کو قبول کر سکتا ہے اور بہت سے کمزور دل صرف اسلئے حق کو قبول کرنے سے رک جاتے ہیں کہ اُن کو مالی طور پر کوئی نقصان ہوگا یا اُن کے رشتہ دار اُن سے ناراض ہو کر اُن کو چھوڑ دیں گے یا دوستوں کے طعنے اُن کو سننے پڑینگے لیکن ہر ایک جو عقل رکھتا ہے جانتا ہے کہ شیریں پھل محنت اور تکلیف کے بعد ہی ملتے ہیں جو محنت کر کے زمین کو پھاڑتا اور بوتا نہیں وہ دانہ کھانیکا بھی مستحق نہیں اور جو درخت پر اس لئے نہیں چڑھتا کہ اُس میں کانٹے ہیں وہ پھل بھی نہیں کھا سکتا۔ پھر دنیا کی زندگی حق کے مقابلہ میں حقیقت کیا رکھتی ہے؟ یہ زندگی کیا ہے صرف اس زندگی کے سمندر کا ایک قطرہ جو انسان کے لئے مقرر کی گئی ہے جو چیز جس کا نام موت رکھا گیا ہے درحقیقت کمرۂ امتحان کا پردہ ہے اور کون نہیں جانتا کہ زندگی وہ ہے جو نکول لاانتہا کے بعد شروع ہوتی ہے۔ پس اے صداقت کے طالبو! اس بڑی صداقت پر جو ہم آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

قرآن مجید

مع

ترجمہ اردو و فوائد تفسیریہ

حسب ارشاد و زیر نگرانی حضرت اولو العزم فضل عمر میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ ثانی حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام احمدی علماء کی ایک جماعت نے ترجمہ کیا اور تفسیری فوائد لکھے اور انجمن ترقی اسلام نے چھپوا کر شائع کیا

ضیاء الاسلام مشین پریس قادیان دار الامان

سُورَۃُ الْفَاتِحَۃِ

مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

(پڑھتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم ہے ؎۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

سب حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا ؎۲ رحمٰن ہے

الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳ اِیَّاکَ

رحیم ہے مالک ہے جزا سزا کے وقت کا ؎۳ ہم تیری ہی

نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴ اِھْدِنَا

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ؎۴ ہمیں

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ

سیدھی راہ پر چلا ؎۵ ان لوگوں کی راہ

اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ

جن پر تو نے انعامات کئے سوائے ان کے جن پر غضب

عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○

نازل کیا گیا اور سوائے گمراہوں کے ؎۶ ف ۱و۲و۳و۴

؎۱ (ا) لفظ اللہ اس ذات پاک کا نام ہے جو تمام صفات کاملہ کی جامع اور تمام نقائص اور عیوب سے منزہ ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں ذات باریتعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کے لئے نہیں بولا جاتا۔ دوسری زبانوں میں حضرت حق کے لئے جو نام مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں اور کثرت سے صیغہ جمع میں استعمال ہوتے ہیں اور علی العموم صفاتی نام ہوتے ہیں۔ مگر اللہ کا لفظ ذات باریتعالیٰ کا علم یعنے اسم ذات ہے جو واحد اور مفرد ہے اور کسی صورت میں بھی بطور جمع استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ کسی اور ہستی کے لئے اس کا اطلاق صحیح ہے +

(ب) لفظ رحمٰن بھی (باوجود صفاتی نام ہونیکے) لفظ اللہ کیطرح ذات باریٰ کے لئے مخصوص ہے جیساکہ لغت کی مشہور و معروف کتاب لسان العرب کی جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ "اِنَّ الرَّحْمٰنَ اِسْمٌ مُخْتَصٌّ لِلّٰہِ تَعَالٰی لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّسَمّٰی بِہٖ غَیْرُہٗ" یعنے رحمٰن ایک ایسا نام ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اسے کسی اور چیز کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ رحمٰن کے معنے ہیں بلا مبادلہ اور بغیر محنت کے انعام کرنیوالا۔ جملہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بلا محنت اور بلا مبادلہ محض بخشش اور فیاضی سے مرحمت فرمائے ہیں اور وہ تمام انعامات جن میں اعمال کا دخل نہیں ہے وہ سب صفت رحمانیت کے ذیل میں آتے ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ سورج۔ چاند وغیرہ۔ جس قدر کہ ضروریاتِ زندگی ہیں یہ سب اسی صفت کا ظہور ہیں اور روحانی زندگی کے واسطے جو کلام الٰہی اُترا ہے اُس کے نزول کا سبب بھی یہی صفت ہے دیکھو سورۃ الرحمٰن آیت ۱ تا ۷۔ دوسری زبانیں اس لفظ کا مرادف پیش کرنے سے قاصر ہیں +

(ج) لفظ رحیم کا صحیح مفہوم بھی عجمی زبانوں میں ایک لفظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنے ہیں اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ دینے والا

اور سچی محنتوں کو ضائع نہ کرنے والا۔ بلکہ حسب قوانین الہیہ انسانی محنتوں اور کوششوں پر ثمرات حسنہ مترتب کرنے والا +

(د) آیۂ کریمہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ اعتراض ان کی لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ سورۂ علق (۹۶) جو سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اسکی پہلی آیت اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ہے۔ اور بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اُس حکم کی تعمیل کے واسطے مقرر کی گئی ہے اس سے پہلے (اِقۡرَاۡ) محذوف ہے۔ مسلمان ہر ایک ذیشان کام کی ابتدا کرتے وقت اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ اس آیت میں ایک لطیف دُعا ہے کہ مومن ہر کام کا آغاز کرتے وقت خدا تعالیٰ سے استدعا کرتا ہے کہ اے میرے مولیٰ! جو جو سامان اس کام کے لئے ضروری ہوں وہ اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت مہیا فرما۔ اور پھر اپنی صفت رحیمیت کے ماتحت اس پر احسن نتائج مترتب کر۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے انہی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان ہر دو کی ترتیب بھی وہی ہو سکتی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب نے جو بنی نوع انسان کی سچی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے انسان کو ہدایت فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے وقت صفت رحمانیت کو زیر نظر رکھے اور پھر اس کے بعد احکام الٰہی مندرجہ قرآن پر عمل کر کے نیک نتائج کا امیدوار رہے +

ف۲ (ا) رب کے معنے ہیں پیدا کرنیوالا۔ پالنے والا۔ مناسب حال بتدریج ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کیطرف لے جانے والا۔ یعنے ہر ایک چیز کو وجود میں لا کر اسے بتدریج ترقی کی منازل میں سے گذار کر کمال تک پہنچانے والا۔ اور ہر منزل میں اسکی نگہداشت کرنیوالا۔ خدا تعالیٰ اشیاء کا صرف پیدا کنندہ نہیں بلکہ یہ خدا ہی ہے جو انھیں کمال کے اعلیٰ مقام پر پہنچاتا ہے۔ اور ہر قدم میں انکی خبرگیری کرتا ہے ایک بڑا بھاری درخت درحقیقت ایک چھوٹے بیج سے اور ایک کامل انسان خون کے چند قطروں سے ترقی یافتہ ہے +

(ب) عالمین ایک جامع لفظ ہے جس میں تمام اجرام سماویہ و ارضیہ۔ موالید ثلاثہ۔ ارواح اور مادہ سب داخل ہیں اور تمام بنی نوع انسان اور انکی اقوام اور نسلیں اس میں شامل ہیں۔ پس اسلام کا خدا خالق روح و مادہ ہے۔ رب العلمین کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام جس خدا کو پیش کرتا ہے وہ صرف رب المسلمین نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کا رب ہے اس لئے اس کا دین اور اس کے دین کے ثمرات کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم کے لئے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلا انسان جس نے کل دُنیا کو ہدایت کی طرف بُلایا وہ پیغمبرِ اسلام صلعم ہی ہے +

ف۳ مالک کا لفظ اللہ تعالیٰ اور دُنیاوی ججوں میں فرق ظاہر کرتا ہے جج ایک جج ہی ہے نہ مالک اس لئے وہ معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن خدا خالق اور مالک ہے۔ اگر وہ نیکوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ انعام دے اور بدوں کو بعض وجوہات سے معاف کر دے تو اس پر بے انصافی کا الزام نہیں آسکتا +

ف۴ لفظ عبادت کا مفہوم اسلامی اصطلاح میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ اس سے کامل محبت اور اسپر پورا بھروسہ اور اس سے کامل خوف کیا جاوے۔ اور اس کے سامنے کمال درجہ کی فروتنی اختیار کی جائے اور اس کی کامل تعظیم کی جاوے +

ف۵ ہدایت کے معنے راستہ دکھانے اور راستہ پر چلانے یعنی مقصود تک پہنچانے کے ہیں۔ اور چونکہ اسلام روحانی ترقیات کو محدود نہیں کرتا۔ بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات پانے والا انسان اصول اسلام کے مطابق ابھی اور ترقی کر سکتا ہے اس لئے اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی ایک جامع دُعا سکھائی جس سے ایک گمراہ اور ہدایت یافتہ دونوں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ گمراہ تو یہ درخواست کرتا ہے کہ مجھے سیدھا راستہ دکھائیے۔ سورۂ نحل آیت ۱۰۔ اور سورہ انعام آیت ۱۲۷ و ۱۵۴ + اور ہدایت یافتہ یہ چاہتا ہے کہ جس ہدایت کے راستہ پر چل رہا ہوں۔ اس میں مجھے اور آگے اور آگے بڑھائیے۔ بڑے سے بڑا نبی بھی اس دُعا کا محتاج ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے قرب کی راہیں غیر محدود ہیں +

اِس دُعا میں کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیا۔ کہ ہمیں وہ ملجائے بلکہ عام لفظ رکھے ہیں۔ اور ہر دینی یا دنیاوی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے یہ دُعا کار آمد ہے۔ اس دُعا کا مقابلہ کسی اور مذہب کی بیان کردہ دُعا نہیں کر سکتی +

ف۶ (ا) قرآن کریم نے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی تفسیر سورۂ نسا آیت (۷۰) میں خود فرما دی ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ منعم علیہ گروہ سے مُراد نبیین صدیقین اور شہدا و صالحین ہیں۔ ایسا ہی سورۂ مائدہ کی آیت (۲۱) میں نعمت کے ذیل میں مقام نبوت اور حصول مملکت کو بیان

فرمایا ہے۔ غرض اس دُعا کے ذریعے ہر ایک مسلمان کا فرض رکھا گیا ہے۔ کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات جنمیں نبوت بھی ہے اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ جو سب سے بڑا انعام ہے۔ کوئی اور مذہب اپنے متبعین کے لئے ایسی اعلیٰ منزل مقصود تجویز نہیں کرتا +

(ب) قرآن کریم اور احادیث کے رو سے ثابت ہے کہ مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کا کامل نمونہ یہود ہیں جو آیات کی تکذیب اور انبیاء اللہ کی مخالفت اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سخت حملے کرکے موردِ غضبِ الٰہی ہوئے +

(ج) اسی طرح آیات قرآن کریم اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ضالین کا بڑا نمونہ نصاریٰ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بیجا طور پر محبت کرکے صراطِ مستقیم سے منحرف ہوگئے اور انکی حقیقی تعلیم کو چھوڑ کر اسکی بجائے خود تراشیدہ خیالات کے پیچھے لگ گئے جس کے باعث آنحضرت صلعم پر جنکی بابت خود انکی کتب مقدسہ میں بکثرت بشارتیں اور پیشینگوئیاں موجود ہیں ایمان لانے سے محروم رہ گئے +

(د) اس چھوٹی سی سورۃ کی آخری آیت چونکہ ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہے۔ اس لئے خاص توجہ کے قابل ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فرض رکھا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اسے یہودی اور مسیحی ہونے سے بچائے لیکن مشرک ہونے سے بچنے کی دُعا نہیں سکھائی گئی۔ حالانکہ یہ سورۃ پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور مکہ میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن مشرک تھے۔ یہودیوں اور مسیحیوں سے ابھی مقابلہ پیش نہ آیا تھا۔ پس اگر یہ انسانی کلام ہوتا۔ تو اول تو صرف مشرک بننے سے بچنے کی ہی دُعا سکھائی جاتی۔ ورنہ مشرکین کا ذکر سب سے اول کیا جاتا۔ لیکن اس میں مشرکین کا ذکر بالکل نہیں۔ صرف یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے جس میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ مشرکین عرب کا مذہب بالکل نابود ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں کو ان میں شامل ہونے کا خطرہ بالکل نہ ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف ایک مسیح کی آمد کا وعدہ تھا اور اس کے انکار کی وجہ سے انکے یہودی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اور دوسری طرف مسیحیت نے غلبہ حاصل کرنا تھا۔ اس لئے صرف یہودی اور مسیحی بننے سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی۔ مکہ سے مشرکین کے بالکل نابود ہو جانے کی طرف اشارہ کرنا اور مسلمانوں کے یہودی (یعنی منکرِ مسیح) اور مسیحی ہونے کے خطرہ سے اطلاع دینا ایک زبردست پیشگوئی ہے جو صاحب بصیرت کے لئے اسلام کی صداقت روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔ وہ مسیح جسکی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے آچکا ہے اور اس کا نام **میرزا غلام احمد** (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہے۔ جو **قادیان** ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب ملک ہند میں پیدا ہوئے +

ف اس چھوٹی سی سورۃ کا نام فاتحہ ہے اور یہ عجیب امر ہے کہ مکاشفات باب ۱۰ درس ۲ میں اس سورۃ کا نام اور اسکی آیات کی تعداد بطور پیشگوئی مرقوم ہے۔ مترجم نے پیشگوئی کی اصل حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باعث عبرانی لفظ "فتوحٖ פתח" کا ترجمہ کھلی ہوئی کتاب کیا ہے۔ اس پیشگوئی میں جو گرج کی سات آوازوں کا ذکر ہے ان سے مُراد اس سورۃ کی سات آیات ہیں۔ مسیحی مصنفین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ مکاشفات کے مذکورہ بالا حوالہ میں مسیح کی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی ہے اور یہ بات بالکل درست ہے حضرت مسیح موعود نے سورۃ فاتحہ کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ آپ نے عربی اور اُردو میں اس پر تفاسیر لکھیں۔ اپنے دعاوی پر اس سورۃ میں سے دلائل پیش کئے۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں متواتر اس کا حوالہ دیا۔ اور اس سورۃ کو دعا کا بہترین نمونہ قرار دے کر اپنے پیرووٗں کو اس کے پڑھنے کی نہایت زور کے ساتھ تاکید فرمائی آپ نے اس چھوٹی سی سورۃ میں سے وہ روحانی موتی نکالے اور وہ نکاتِ معرفت ظاہر فرمائے کہ جو آپ کی آمد سے پہلے کسی کے وہم میں بھی نہ آئے تھے حتی کہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے زمانہ تک یہ سورۃ مقفل کرکے رکھی ہوئی تھی جیسا کہ مکاشفات میں لکھا ہے کہ نبی کو ایک آسمانی آواز نے کہا کہ "بادل کے ان سات رعدوں سے جو باتیں ہوئی اُسپر مُہر کر رکھ اور مت لکھ" (باب ۱۰ درس ۴) +

ف۲ یہ سورۃ قرآن کریم کا دیباچہ ہے اور علاوہ اور ناموں کے اس کا نام **ام الکتاب** بھی ہے کیونکہ اس میں قرآن کریم کی کل تعلیم کا خلاصہ درج ہے۔ اور اسکی نسبت یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ حقیقۃً **متن** قرآن ہے اور باقی تمام سورتیں اسکی تفسیر ہیں پہلی چار آیتوں میں خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر ہے۔ اور باقی تین آیات میں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کی دُعا ہے۔ اب جو شخص تمام قرآن کریم کو پڑھ جائے اور پورے غور سے کلام الٰہی کے مطالب کی چھان بین کرے تو اسپر عیاں ہو جائے گا کہ اس مقدس کتاب کے اندر انہی دونوں باتوں کی تشریح و تفسیر ہے جو سورۃ فاتحہ میں مذکور ہوئی ہیں اور انہی صفات الٰہیہ کو قرآن کریم میں کھولکر بیان کیا گیا ہے اور منعم علیہ گروہ پر جو انعامات الٰہیہ ہوئے ان کا تذکرہ ہے

اور مغضوب علیہم اور ضالین کا ذکر۔ خدا تعالیٰ کا اہل اسلام پر کس قدر احسان ہے کہ اس نے انکی ہدایت اور رُوحانی تعلیم کے لئے ایک مختصر مگر پُرمعنی سورۃ میں نہ صرف انکی پاک کتاب کا خلاصہ دیدیا ہے بلکہ اس قسم کی دُعا بھی سکھلائی ہے جو اپنا نمونہ آپ ہے ہر ایک مسلمان کو حکم ہے کہ وہ نماز کی ہر ایک رکعت میں اس سورۃ کو پڑھے۔ اور اس طرح سے کم از کم ۳۲ مرتبہ روزانہ پڑھے +

ف۳ اس سورۃ پر نظر غائر ڈالنے سے ایک اور لطیف خوبی کا پتہ چلتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اس سورۃ کی آیات میں رکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ صفات الٰہیہ اور دُعاوں کا بیان بالکل ایک دوسرے کے مقابل میں ہوا ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (یعنے سب تعریف اللہ کے لئے ہے) کے مقابلہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) ہے جس سے بتایا ہے کہ جونہی انسان معلوم کرتا ہے کہ اللہ ہی سب خوبیوں کا جامع ہے تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں پھر رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے مقابلہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو رکھا ہے کیونکہ جب انسان کو یقین ہو جائے کہ ہمارا خدا ہر ایک ذرہ ذرہ کا خالق اور محسن ہے تو وہ کہہ اُٹھتا ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اسی طرح اَلرَّحْمٰنِ کے مقابلہ میں جسکے معنے ہیں بغیر محنت اور مبادلہ کے دینے والا۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کو رکھا ہے کیونکہ جب انسان دیکھتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کے کسی عمل کے بغیر انکی تمام ضروریات کو پورا کیا ہے تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ میری سب سے بڑی ضرورت تو حضور تک پہنچنا ہے اس کے پورا کرنے کے سامان بھی پیدا کیجئے پھر اَلرَّحِیْمِ (یعنے محنت کا عمدہ بدلہ دینے والا) کے مقابلہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ رکھا۔ یعنے ایسے لوگوں کا راستہ دکھایئے جنپر آپ نے انعام کئے ہیں یعنے سیدھے راستہ پر چلاتے چلاتے مجھے اُن انعامات کا وارث کر دیجئے جو پہلے لوگوں کو ملے ہیں کیونکہ رحیمیت چاہتی ہے کہ کسی کام کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ پھر مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے مقابلہ میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کو رکھا ہے کیونکہ جب انسان کو یقین ہو کہ میرے اعمال کا حساب لیا جائے گا تو فوراً اس کے دل میں ناکامی کا خوف بھی پیدا ہو جاتا ہے پس بندہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پر غور کرکے اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کی دُعا کرتا ہے +

ف۴ اس سورۂ شریفہ کی آیات پر اگر نظر غور ڈالی جائے اور انکی ترتیب کو چشم تعمق سے ملاحظہ کیا جائے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس میں انسان کے لئے بتدریج رُوحانی منازل طے کرنے اور منزل بمنزل چل کر آخر قرب الٰہی کا شرف حاصل کرنے کی ہدایات مندرج ہیں +

کسی ذات کی فرمانبرداری یا عبادت دو ہی وجہ سے ہوتی ہے یا محبت سے یا خوف سے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اپنی دونوں قسم کی صفات کی طرف متوجہ کیا ہے بعض لوگ جنکی طبیعت میں احسان کی قدر کا مادہ زیادہ ہوتا ہے احسان کو دیکھ کر فرمانبرداری کرتے ہیں اور بعض لوگ احسانوں کی پروا بھی نہیں کرتے مگر خوف ان کو فرمانبرداری پر مجبور کر دیتا ہے لیکن عام انسان کا یہ کام ہے کہ پہلے محبت سے کام لے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر خوف دلائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سورۃ میں پہلے اپنی ان صفات کا بیان کیا ہے جنپر غور کرنے سے انسان کا دل محبت الٰہی سے پُر ہو جاتا ہے اُس کا نام اللہ ہے یعنے سب خوبیوں کا جامع اور سب نقائص سے منزہ ہے سب اشیاء کا خالق اور اُن کا رازق ہے۔ مومن و کافر سب کی ربوبیت کرتا ہے اس نے ہماری زیست کے وہ سامان جن سے ہم واقف بھی نہیں ہمارے لئے پیدا کئے ہیں اور ہم جو نیک عمل کریں ان کا بہتر سے بہتر انعام دیتا ہے جو لوگ کسی چیز کی خوبصورتی یا اسکے احسان کو دیکھ کر فرمانبرداری کرنے کے عادی ہیں وہ ان صفات کو دیکھ کر بے اختیار اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ کر اس کے آگے جھک جاتے ہیں لیکن جو لوگ محبت کے اثرات سے ناواقف ہوتے ہیں اور سخت سلوک کے عادی ہوتے ہیں وہ مالک یوم الدین کی صفت پر جب غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے اور ایک دن اس کے سامنے حاضر ہو کر اس کے سب انعامات کا حساب دینا ہوگا وہ خوف کی وجہ سے بے اختیار ہو کر اس کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ اُٹھتے ہیں۔ غرض کوئی انسان ہو خواہ محبت سے متاثر ہونے والا خواہ خوف سے ماننے والا سورۂ فاتحہ کی ان ابتدائی آیات کو پڑھ کر بے اختیار اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ اُٹھتا ہے لیکن ساتھ ہی جب وہ ایک طرف تو اپنی کمزوری کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف اس شہ خوباں کے حُسن و احسان یا اسکی عظمت و جبروت کا مطالعہ کرتا ہے تو بے اختیار ہو کر اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے

فوائد متعلقہ صفحہ ۱

غور کرو کس طرح انسانی فطرت کا اول سے آخر تک نقشہ کھینچ دیا ہے اور کس طرح تمام قسم کے متفرق خیالات کے لوگوں کا علاج اس چھوٹی سی سورۃ میں بتا دیا ہے بس جو سمجھنے والے ہیں سمجھیں اور جو سوچنے والے ہیں سوچیں کہ دنیا کا نجات دہندہ مذہب سوائے اسلام کے اور روحانی بیماریوں کا علاج سوائے قرآن کے کوئی نہیں ❖

آمین صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب سورۃ فاتحہ کو غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پر ختم کرتے تو آمین کہتے جس کے معنے اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا کے ہیں یعنے اے اللہ ہماری یہ عرض قبول فرما۔ اور باتباع ارشاد نبوی صحابہؓ کا بھی یہی عمل ثابت ہے ❖

ساتھ وایاک نستعین بھی کہہ اُٹھتا ہے یعنے میں تو حضور کا فرمانبردار ہوں اور آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں لیکن جو حق عبادت ہے وہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا اس لئے میں آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں کہ آپ اس کام میں میری مدد فرمائیں اور حق عبادت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ جب محبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے اور عظمت الٰہی اس حد تک بندہ کو متاثر کر دیتی ہے تو پھر جیسا کہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے وہ بے اختیار اِھدنا الصراط المستقیم کہہ اُٹھتا ہے یعنے مجھے سیدھا راستہ دکھائیے اور سیدھا راستہ ہمیشہ سب سے اقرب ہی ہوتا ہے پس یہ کلام محبت کے کمال کو ظاہر کرتا ہے کہ اے اللہ اب میں آپ سے دُور نہیں رہ سکتا آپ مجھے وہ سب سے نزدیک افراط و تفریط سے پاک راستہ دکھائیں جس پر چلکر میں جلد سے جلد آپ تک پہنچ جاؤں لیکن چونکہ دربار شاہی میں باریاب ہونے والے لوگ مختلف مدارج کے ہوتے ہیں بعض عام درباری اور بعض خاص الخاص لوگ۔ اس لئے عین فطرت کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے صراط الذین انعمت علیہم کی دعا سکھائی۔ یعنے اے مولیٰ سیدھا راستہ تو دکھائیں لیکن ساتھ ہی مجھ پر یہ فضل بھی کریں کہ منعم علیہ لوگوں کا راستہ دکھائیں یعنے حضور کے دربار میں میرا داخلہ عام لوگوں میں ہو کر نہ ہو بلکہ آپ کے خاص پیاروں میں میں شامل ہو جاؤں اور عاشق ہوتے ہوئے معشوق بھی بنجاؤں اور جس طرح میں آپ سے محبت کرتا ہوں جناب بھی مجھ سے محبت کرنے لگ جائیں۔ (کیونکہ منعم علیہ گروہ ہی ہے جو اللہ تعالےٰ کا محبوب گروہ ہے اور جو جماعت انعام ہی انعام کی مستحق ہوتی ہے وہی پیاری جماعت ہوتی ہے) اس طرح بندہ اس مقام محبت کو چاہتا ہے جس میں کوئی پردہ مغائرت نہ ہے

انجا کہ عجب تنگ مے ریزد
ہر پردہ کہ بود از میاں برخیزد

اب گویا انسان کمال کو پہنچ جاتا ہے اور عاشق و معشوق ایک ہو جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ایمان بین الخوف والرجا ہے اس لئے جب انسان اس روحانی لذت پر پہنچتا ہے تو اسکی تمنا ہوتی ہے کہ یہ مقام اس کو ہمیشہ حاصل رہے اور اس پر اُس کو ثبات نصیب ہو اس لئے مولیٰ کریم نے انسان کو اپنے حضور یہ عرض کرنا سکھلایا کہ آپ یہ فضل بھی کریں کہ اس ملاقات کے بعد میں آپ سے کسی طرح بھی جدا نہ ہوں اور چونکہ جدائی کے دو طریق ہوتے ہیں یا تو یہ کہ معشوق ناراض ہو کر نکال دے اور یا یہ کہ عاشق ہی عشق ترک کر کے علیحدہ ہو جائے اس لئے دونوں صورتوں کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ یعنے نہ تو ایسا ہو کہ آپ میری کسی غلطی کی وجہ سے مجھ پر ناراض ہو جائیں وَلَا الضَّالِّيْنَ اور نہ ایسا ہو کہ منزل مقصود کو پہنچکر میرے ہی دل میں آپکے سوا کسی اور شے کا عشق پیدا ہو جائے اور میں آپ کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا جاؤں ❖

یہ ایک ایسی کامل اور جامع دعا ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنے رحم سے انسان کو اپنے حضور عرض کرنیکے لئے تعلیم کی ہے جسکے مقابلہ میں کوئی اور مذہب اپنے آپکو پیش نہیں کر سکتا

اِستعاذہ۔ سورۃ النحل ۱۶۔ آیت ۹۹ میں تلاوت سے پہلے استعاذہ کا حکم ہے اس لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کے ذریعے قرآن شریف کا پڑھنے والا ہر ایک مخلوق کے شر سے جو خیر سے دور اور رحمت سے مطرود ہے خدا تعالےٰ کے حضور پناہ مانگتا ہے اور اصل مقصود اس دعا سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے پڑھنے والے کو تلاوت قرآن کرتے ہوئے ہر ایک قسم کے وساوس شیطانی سے محفوظ فرمائے اور اپنی پناہ میں لے لے ❖ **تسمیہ** یعنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح سورۃ النحل ۱۶۔ آیت ۹۹ کی تعمیل میں قرآن شریف کا پڑھنے والا تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے اسی طرح قرآن شریف کا پڑھنے والا سورۃ علق (۹۶) کی پہلی آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ کے حکم کی تعمیل میں اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے۔ اسی لئے اس ترجمے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمے کے شروع میں [illegible] (ب) لکھا گیا ہے ❖

سُورَةُ البَقَرَةِ

مَدَنِيَّة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(پڑھتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم ہے ؎۲

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى

الم ؎۳ یہی ایک کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت کرنیوالی ہے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

متقیوں کو ؎۴ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

نماز ادا کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے دیا ان کو

يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

خرچ کرتے ہیں ؎۵ اور جو کہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ

گیا اور اس پر جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اور الآخرۃ پر

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ

یقین رکھتے ہیں ؎۶ یہ لوگ اس ہدایت پر ہیں جو

؎۱ سورۃ البقرہ

(ا) جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے اور سوائے ایک یا دو آیات کے ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی ہے +

(ب) ترمذی۔ نسائی اور صحیح مسلم اور مسند احمد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ سورۃ پڑھی جاوے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ اور اسمیں کیا شک ہے کہ جس گھر کے لوگ اس کو پڑھیں گے اور ان پاک مطالب کو پیش نظر رکھینگے جو اس میں مذکور ہیں ان سے شیطان کہاں دوچار ہو سکتا ہے +

(ج) احادیث اور آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کے جو نام سورتوں کے پہلے لکھے جاتے ہیں انہی ناموں سے یہ سورتیں آنحضرت صلعم کے عہد سے موسوم اور مشہور ہیں چنانچہ صحیح حدیث میں ابو امامہ سے روایت ہے "قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلعم ... اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ الحدیث"۔ دوسری روایت نواس بن سمعان سے مسند احمد میں یہ ہے "قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلعم يُؤْتٰى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلُ عِمْرٰنَ الحدیث" صحیح بخاری اور مسلم میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے "اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَاَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ"۔ حضرت ابن عباسؓ سے نسائی میں ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں خدا کے فرشتہ کا خطاب جناب رسالت مآب کو ان کلمات سے ہے "اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتٰبِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ" اور ابو الدرداءؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ

انسان کو ٹھوکر لگے وہ اپنی غلطی کو اس آیت پر پیش کر کے درست کر سکتا ہے اور ٹھوکر سے بچ جاتا ہے کیونکہ جو معنے کہ کسی سورۃ کے وہ سمجھا ہے اگر وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مفہوم کے مطابق ہونگے تو درست ہونگے اور اگر خلاف ہونگے تو غلط ہونگے +

چوتھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت کے ابتدا میں اس بات کا عنوان ہوتی ہے کہ اب ایک نئے رنگ میں اللہ تعالےٰ کی ان صفات کی جلوہ گری ہوتی ہے +

(ب) یہ آیت قرآن شریف میں ایک سو تیرہ[۱۱۳] دفعہ آئی ہے اور دو سورتوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے اور ہر ایک سورۃ کی ابتدا کو بتاتی ہے ابوداؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے

عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ" +

اس مدعا کے ثبوت میں اور بھی بہت سی روایات صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں +

(د) سورتوں کے نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تا ان ناموں کے ساتھ ان کی نشاندہی اور شناخت ہو سکے۔ بعض سورتوں کے مختلف اعتبارات کی وجہ سے ایک سے زیادہ نام بھی منقول ہیں جیسے کہ سورۂ فاتحہ کے نام۔ فاتحۃ الکتٰب۔ ام القرآن۔ ام الکتٰب السبع المثانی۔ ہیں +

قرآن شریف کی سورتوں کے متعلق باقی بحث مقدمہ میں ہوگی +

۲

اس آیت کو یہ ایک عجیب خصوصیت حاصل ہے کہ قرآن کریم کی کل سورتوں کی ابتدا اسی آیت سے ہوتی ہے۔ اور کوئی سورت نہیں جسکی ابتدا اس آیت سے نہ ہوئی ہو۔ اس آیت کے ہر سورت کے ابتدا میں رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے پڑھنے سے دُعا کی طرف توجہ ہوتی ہے اور وہ اس عظیم الشان مضمون کے شروع کرنے سے پہلے جو اس سورت میں مذکور ہوتا ہے اپنی نیت کو خالص کرتا ہے اور اپنے علم اور فہم پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالےٰ کے حضور عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کے لئے اور آپ ہی کی مدد سے میں اس سورت کو شروع کرتا ہوں۔ آپ ہی اس کے سمجھنے میں میری رہنمائی فرمایئے +

دوسری حکمت ہر سورت کے ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے رکھنے کی آنحضرت صلعم کے اس قول "کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ فِیْهِ بِاسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ[عله]۔ یعنے ہر مہتم بالشان کام جسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع نہ کیا جاوے وہ بے برکت اور خالی از خیر اور ناتمام رہتا ہے" سے معلوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی ہر سورت چونکہ مہتم بالشان امور پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے ہر سورت کے ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رکھی گئی ہے تاکہ ہر سورت کا پڑھنا پڑھنے والے کے لئے سودمند ثابت ہو اور جو خیر و برکت ہر سورت میں رکھی گئی ہے وہ اس کو ملے

تیسرے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تمام سورتوں کے ابتدا میں بطور ایک کنجی کے لگائی گئی ہے کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ (۱) ہر کام اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور اسی کے نام کی برکت سے پورا ہوتا ہے اور (۲) خدا تعالیٰ تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے منزہ ہے +

(۳) رحمٰن اور رحیم ہے +

اب جو شخص اس خلاصہ کو ہر سورت کے ابتدا میں پڑھ لیتا ہے وہ کسی آیت یا آیات کو ان کے اصل معانی سے پھیر کر غلط طور پر تاویل کرنے سے بچ جاتا ہے کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اس سورت یا اس سورت کے بعض حصہ کا مفہوم (جہاں انسان اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس کے مضمون کے سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مطابق ہونا چاہیئے نہ کہ مخالف۔ پس جہاں کہیں بھی تفصیلات میں

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يُنَزَّلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۳ الٓمّٓ

الف	قائم مقام	اَنَا	کا
لام	"	اَللّٰهُ	کا
میم	"	اَعْلَمُ	کا

(۱) ان تینوں لفظوں کے مجموعہ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ کے معنے ہیں۔ میں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ یہ معنے حضرت مسیح موعودؑ نے

عله ایک روایت میں آیا ہے کُلُّ اَمْرٍ لَا یُبْدَءُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَهُوَ اَجْذَمُ +

گئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہیں +

(ب) حروف مقطعات قرآن شریف کا جزو ہیں اور خدا کا کلام۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں :-

"مَنْ قَرَءَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِہَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ وَلٰکِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ"

حروف مقطعات چونکہ کئی سورتوں کے ابتدا میں آئے ہیں اس لئے مفصل بحث ان پر مقدمہ میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

ک (۱) یہاں ذٰلِکَ کے معنے ہٰذا کے ہیں تاج العروس میں زجاج امام لغت کا یہی قول منقول ہے کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ میں ذٰلِکَ کے معنے ہٰذا ہیں۔ ذٰلِکَ۔ اشارہ بعید کے لئے اور کبھی دوسرے معانی کے علاوہ رتبہ اور درجہ کی بلندی کے اظہار کے لئے بھی آتا ہے اس جگہ قرآن کریم کی علو شان اور اسکی رفعت وعظمت اور بزرگی کے بتانے کے لئے ہٰذا کی بجائے ذٰلِکَ لایا گیا ہے۔ یامر صاحب (عیسائی) نے ذٰلِکَ کی یہ تشریح کی ہے کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آسمان پر سے جبرئیل فرشتہ نے آنحضرت صلعم کو اُمّ الکتاب دکھائی تھی اس لئے ذٰلِکَ کہا ہے لیکن یہ تشریح سراسر باطل ہے کیونکہ (۱) مسلمانوں کا ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے جیسا کہ یامر صاحب نے بیان کیا ہے (۲) ذٰلِکَ بمعنے ہٰذا[1] قرآن شریف میں بکثرت استعمال ہوا ہے (۳) اگر اس آیت میں ذٰلِکَ الْکِتٰبُ کہا ہے تو سورۃ الانعام [6]

آیت ۱۵۶ میں ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَكٌ بھی آیا ہے +

(ب) (۱) اَلْکِتٰبُ

عربی زبان میں زَیْدُنِ الرَّجُلُ اور زَیْدُنِ الْعَادِلُ" کے معنے ہیں کہ زید ہی ایک ایسا شخص ہے جو اپنے مردانہ خصائل کی وجہ سے مرد کہلا سکتا ہے۔ اور زید ہی ایک ایسا شخص ہے جو اپنے کمال عدل کی وجہ سے عادل کہلا سکتا ہے۔ عربی کے اسی محاورہ کے موافق " ذٰلِکَ الْکِتٰبُ " کے معنے ہیں یہی[2] ایک کتاب ہے جسکو بوجہ اسکے کامل اور جامع جمیع ہدایات ہونے کے کتاب کہہ سکتے ہیں اور دوسری کتابیں اس کے مقابلہ میں ایسی ناقص ہیں کہ کتاب کہلانے کی بھی مستحق نہیں ہیں +

(۲) الکتٰبُ۔ میں اَلْ عہد حضوری اور عہد ذہنی کے بھی معنے دیتا ہے۔ اَلْ۔ عہد حضوری ہو تو الکتٰبُ[3] سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور عہد ذہنی کی صورت میں الکتٰبُ کے اَلْ کے معنے وہ موعود[4] کتاب جس کا پہلے انبیا کی معرفت وعدہ دیا گیا تھا۔ جس طرح ایک رسول کا وعدہ تھا جس کا کہ نام ہی وہ نبی مشہور ہوگیا تھا اسی طرح ایک کتاب کا وعدہ تھا +

(ج) (۱) لَا رَیْبَ فِیْہِ کے یہ معنی صحیح نہیں ہیں کہ "کسی کو شک ہی نہیں" کیونکہ اس معنے کی سند نہ قرآن سے ملتی ہے اور نہ زبان عربی سے۔ قرآن مجید نے کئی چیزوں کی نسبت لَا رَیْبَ فِیْہِ یا لَا رَیْبَ فِیْہَا فرمایا ہے اور باوجود اس کے خود ہی بتایا ہے کہ بعض لوگوں کو ان باتوں میں شک ہے اگر لَا رَیْبَ فِیْہَا یا لَا رَیْبَ فِیْہِ سے قرآن مجید کا یہ منشا ہوتا ہے کہ کسی کو شک نہیں تو قرآن مجید لاریب فیہا کے ساتھ ہی لوگوں کے شکوک کا کیوں ذکر فرماتا۔ مثلاً قیامت کی نسبت سورۃ المومن [40] آیت ۶۰ میں فرمایا ہے اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْہَا مگر باوجود اس کے ساتھ ہی فرمایا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ اسی طرح الجاثیۃ [45] آیت ۲۷ میں فرمایا لَا رَیْبَ فِیْہِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور الجاثیۃ [45] آیت ۳۳ میں کفار کے خطاب میں فرمایا۔ قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ غرضکہ لاریب فیہ کے یہ معنے

عـ۱ تصدیق کے لئے دیکھو قرآن کی آیات ذیل :- البقرة [2] آیت ۶۹ و ۲۳۳ + یوسف [12] آیت ۱۰۳ + مریم [19] آیت ۳۵ + السجدہ [32] آیت ۷ + ذٰلِکَ اور ہٰذا کا ایک ہی معنے میں آنا اس طرح بھی ثابت ہوتا ہے کہ آل عمران [3] آیت ۵۹ ذٰلِکَ نَتْلُوْہُ عَلَیْکَ میں ذٰلِکَ سے جس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسی کی طرف اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (آل عمران [3] آیت ۶۲) میں ہٰذا سے اشارہ کیا گیا ہے + عـ۲ ترجمہ ہوگا۔ یہی ایک (کامل) کتاب ہے۔ اس (کے کامل کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں عـ۳ ترجمہ ہوگا۔ یہ کتاب جو ہے اس میں کوئی شک نہیں + عـ۴ ترجمہ ہوگا۔ یہ وہ موعود کتاب ہے۔ اس (کے موعود کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں + **ف** ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ کے ان ہر سہ معانی میں شک نہ ہونے سے یہ مطلب ہے کہ ان باتوں کا صدق دلائل اور براہین سے واضح ہے +

فوائد متعلقہ صفحہ ۲

قرآن مجید کی دوسری آیات کے خلاف ہیں۔ اس معنی کو قرآن کریم کی وہ کثیر التعداد آیات بھی رد کرتی ہیں جنمیں صاف صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ منکر شک میں پڑے ہیں یا ان کو شک ہے۔ دیکھو ہود ۱۱ آیت ۱۸ حٰم السجدہ ۴۱ آیت ۴۶۔ الشوریٰ ۴۲ آیت ۱۵ نمل ۲۷ آیت ۶۷۔ یونس ۱۰ آیت ۹۳۔ الحج ۲۲ آیت ۶۔ البقرہ ۲ آیت ۲۴۔ النساء ۴ آیت ۸۳ حٰم ۳۸ آیت ۹۔ الدخان ۴۴ آیت ۱۰۔ السبا ۳۴ آیت ۲۲ و ۵۵ ۞

(۲) لَارَیْبَ فِیْہِ۔ اس طرز کا کلام بائبل میں بھی پایا جاتا ہے ۞

امثال ۸/۸ میرے منہ کی ساری باتیں صداقت سے ہیں۔ ان میں کچھ ٹیڑھا ترچھا نہیں ۞

یسعیاہ ۴۵/۱۹ میں خداوند سچ کہتا ہوں اور راستی کی باتیں فرماتا ہوں ۞

تمطاؤس (۱) ۴/۹ یہ بات سچ اور کمال قبولیت کے لائق ہے ۞

طیطس ۳/۸ یہ بات سچ ہے ۞

مکاشفات ۲۱/۵ و ۲۲/۶ یہ باتیں سچ اور برحق ہیں ایسے طرز کلام کی اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ کسی نئی صداقت کا پیش کرنے والا جب تک نہایت زور دار الفاظ سے کام نہ لے جن سے ثابت ہو کہ بیان کرنے والے کے دل میں اپنے بیان کی نسبت کوئی شک و شبہ نہیں ہے تب تک عام طور پر لوگ اسکی آواز کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے بلکہ اس کو ہنسی اور کھیل خیال کرتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ نے جب گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو ان کی قوم نے اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا۔ کہا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے جب ابطال شرک کا ذکر کیا تو لوگوں نے اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ کہہ دیا ۞

(د) (۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

ہُدًی بروزن تقًی مصدر ہے بمعنے ہادٍ (ہدایت کرنے والی) مُتَّقِیْن۔ جمع متقی کی ہے جو اسم فاعل ہے اسکی ماضی اِتَّقٰی اور مصدر اِتِّقَاءٌ۔ جو وِقایہ سے نکلا ہے ۞

وِقَایَہ کے معنے لغت عرب میں مُضر اور ایذا رساں چیزوں سے کسی چیز کو بچانے اور حفاظت کرنے کے ہیں۔ اور متقی لغت میں بچنے والے کو کہتے ہیں۔ خداوند کریم نے متقی کی اپنی کتاب میں بہت جگہ تفسیر فرمائی ہے اور شرع میں متقی کے وہی معنی ہیں جو کتاب اللہ کی اس قسم کی آیات کریمہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہاں اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ سے هُمْ يُوْقِنُوْنَ تک کی دو آیتوں میں متقی کی تعریف کی ہے ۞

(۲) ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْن میں بتایا ہے کہ انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جاوے اور مدارج تقویٰ میں کتنا ہی اوپر چلا جاوے پھر بھی اس کتاب میں اس کی آیندہ ترقی کے لئے سامان موجود ہے۔ اور یہ کتاب اس کو ہدایت کرتی ہے جیسے کہ سورہ محمد ۴۷ آیت ۱۸ میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔ یہ کتاب ایک محدود ترقی پر پہنچا کر انسانی فطرت کی غیر محدود قابلیت اور غیر متناہی طلب کا خون نہیں کرتی بلکہ ہر ایک مرتبہ کمال کے بعد دوسرے مرتبہ کمال کی طرف رہبری کرتی ہے اور کوئی درجہ کمال نہیں کہ جسکی طرف یہ کتاب رہنمائی نہ کرتی ہو۔ بے شمار مدارج میں سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس سے بھی آگے لیجاتی ہے جیسے کہ فرمایا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ سورۃ العنکبوت ۲۹ آیت ۷۰ ۞ اور سورۃ التحریم ۶۶ آیت ۹ میں فرمایا۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو سوائے قرآن کے کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی اور یہ بات اسلام کے فطرتی مذہب ہونے کا بھی ایک ثبوت ہے ۞

(۳) ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْن کے یہ معنے نہیں کہ غیر متقیوں کی ہدایت کے لئے کوئی اور کتاب چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کریم تمام ہدایات کا جامع ہے سورۃ البینہ ۹۸ آیت ۴ میں قرآن کی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ اور بے شمار آیات میں قرآن کریم کا تمام دنیا اور سب لوگوں کے لئے رہنما ہونا بیان کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى۔ آل عمران ۳ آیت ۱۳۹ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى۔ البقرہ ۲ آیت ۱۸۶ ۞ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۹ ۞ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ الکہف ۱۸ آیت ۵۵ ۞ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ الروم ۳۰ آیت ۶۰ ۞ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا۔ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۴۱ ۞

دوسرے تقویٰ کی تمام راہیں بھی قرآن کریم نے ہی بیان کیں ہیں جیسے کہ فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ طٰهٰ ۲۰ آیت ۱۱۹ +

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ البقرہ ۲ آیت ۲۱ +

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ آل عمران ۳ آیت ۱۳۹ +

تیسرے تمام وہ امور جن سے انسان متقی بنتا ہے قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں +

۵ (۱) اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے متقیوں کی صفات کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس فقرہ کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا ایمان دکھانے کا نہیں ہوتا جیسے کہ منافقوں کا حال ہے کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ ۲ آیت ۱۴) بلکہ غیب میں بھی ان کا ایمان ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں کے سامنے۔ دوسرے یہ کہ ایمان لاتے ہیں ان چیزوں پر جو غائب ہیں۔ اور اس معنی کی رو سے اَلْغَيْب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اب حواس ظاہری اور باطنی کے ادراک سے باہر ہیں اور اسلام کے رو سے ان پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے اور دلائل کے رو سے خواہ وہ اس وقت موجود ہیں یا آئندہ ہونے والی ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ملائکہ کا وجود۔ نبیوں اور رسولوں کی نبوت و رسالت خدا کی کتابیں۔ وعد اور وعید۔ مابعد الموت کے حالات حشر و نشر۔ حساب کتاب۔ جنت اور دوزخ وغیرہ۔ تفصیل کی بجائے ایک لفظ غیب رکھ دیا گیا ہے +

(۲) يُؤْمِنُوْنَ۔ لفظ ایمان سے فعل مضارع ہے۔ اور ایمان کے معنوں کی دو جزو ہیں۔ ایک یقین اور دوم تسلیم۔ جن میں تسلیم ہو اور یقین نہ ہو وہ منافق کہلاتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ ۲ آیت ۹ میں فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ اور جن میں یقین ہو اور تسلیم نہ ہو ان کو کافر بلکہ عنادی کافر کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ النمل ۲۷ آیت ۱۵ میں فرمایا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ +

(۳) يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ اندھا دھند مان لیتے ہیں۔ یہ معنے نہ زبانِ عرب کے رو سے درست ہیں اور نہ قرآن کریم ہی ان معنوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ بے دلیل ماننے والوں کو قرآن نے بار بار الزام دیا ہے جیسے کہ سورۃ النجم ۵۳ آیت ۲۳ میں فرمایا۔ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ۔ بلکہ قرآن مجید جا بجا ان لوگوں کو بھی ملامت کرتا ہے جو تدبر فی القرآن نہیں کرتے اور عقلمندوں کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ وہ اس کتاب پاک کا غور و فکر سے مطالعہ کریں۔ قرآن مجید کی نسبت جس نے دین کے ہر ایک مسئلہ کو رنگ برنگ کے براہین قاطعہ سے ثابت کیا ہے یہ گمان کرنا۔ کہ اس نے عیسائیوں کے تثلیث فی التوحید یا ابنیت مسیح جیسے کسی خلاف عقل یا غیر معقول مسئلہ کی تلقین کی ہے جیسا کہ پادری ویری صاحب نے اپنی تفسیر قرآن میں لکھا ہے بالکل صحیح نہیں ہے قرآن کریم جو عباد الرحمٰن کی تعریف کرتے ہوئے بھی فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۔ سورۃ الفرقان ۲۵ آیت ۷۴ + اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کسی بات کے اندھا دھند مان لینے کا حکم کرتا ہے نہایت ظلم ہے +

(ب) يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ کے معنے ہیں۔ (۱) نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں فرمایا اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ سورۃ المومنون ۲۳ آیت ۳ + وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ سورۃ المعارج ۷۰ آیت ۳۵ (۲) نماز پر مداومت کرتے ہیں۔ فرمایا اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ سورۃ المعارج ۷۰ آیت ۲۴ + (۳) ہشیاری اور چستی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے برخلاف منافقوں کے حق میں فرمایا وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى۔ اور فرمایا وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ اور فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ دیکھو سورۃ التوبہ ۹ آیت ۵۵

نہیں ہے اس لئے قرآن مجید کی دوسری آیات کو جن میں الدار الآخرۃ آیا ہے مدنظر رکھ کر یہاں عام طور پر الآخرۃ سے الدار الآخرۃ مراد لیجاتی ہے لیکن اگر ماقبل کو دیکھا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ میں اُس وحی کا ذکر کیا گیا ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ اور مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ میں اس وحی کا ذکر کیا گیا ہے جو دیگر گذشتہ انبیاء پر نازل ہوئی اور الآخرۃ میں اس وحی کا ذکر ہے جو پیچھے نازل ہونے والی ہے۔ گویا یہاں تین وحیوں کا ذکر ہے جن پر متقی ایمان لاتا ہے ایک وہ وحی جو رسول صلعم پر نازل ہوئی اور ایک وہ وحی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور ایک وہ وحی جو پیچھے[ع۱] اُترنے والی ہے اور یہ وہ وحی ہے جو سورۃ الجمعہ ع۶۲ آیت ۳ و ۴۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ میں موعود ہے۔ اس آیت میں رسول کریم صلعم کے دو بعث بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک تو وہ بعث جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور ایک دوسرا بعث جو آخری زمانہ میں ہونا مقدر تھا۔ لیکن اس دوسرے بعث سے یہ مراد نہیں ہے کہ خود رسول اللہ صلعم ہی دوبارہ تشریف لائینگے یا یہ کہ آپ کی رُوح کسی اور جسم میں حلول کرکے اس دُنیا میں آویگی۔ بلکہ آپکے دوبارہ بعث سے آپکے اتباع میں سے

اور سورۃ النساء ع۲۰ آیت ۱۴۳ + اور سورۃ الماعون ع۱۰۷ آیت ۵ - ۶ +

خلاصہ ان سب معانی کا یہ ہے کہ متقی وہ ہیں جو نمازوں کو بلاناغہ پڑھتے ہیں اور اس کے ادا کرنے میں سُستی اور غفلت سے کام نہیں لیتے اور اسکی کل شرائط کو پُورا کرتے ہیں +

(ج) متقیوں کی تیسری صفت یہ بیان کی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے اُن کو دیا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں کسی خاص چیز کی تعیین نہیں کی کہ فلاں چیز خرچ کرتے ہیں مال و دولت۔ علم و عقل۔ جو نعمت بھی اللہ تعالےٰ نے دی ہے سب اس میں داخل ہے +

رَزَقْنٰهُمْ۔ میں بتایا کہ جائز اور حلال خرچ کرتے ہیں جو اللہ نے اُن کو بخشا ہے کوئی ناجائز چیز خرچ نہیں کرتے +

ع۶ (۱) مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ۔ سے وہ محرف اور مبتدل کتابیں مراد نہیں ہیں جو اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں بلکہ اس سے خدا کی وہ سچی اور پاک وحی مُراد ہے جو کہ پہلے انبیاء پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی ہے جسکی بابت تمام مسلمانوں کو حکم ہے قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

سورۃ البقرہ ع۲ آیت ۱۳۷۔ اور اس آیت میں کسی وحی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ سب وحیوں پر ایمان لانے کا حکم ہے جو رسول صلعم سے پہلے نازل ہوئی ہیں ایسی آیات کی موجودگی میں مسیحی مصنفین کا از خود یہ سمجھ لینا کہ اس سے صرف بائبل مُراد ہے درست نہیں ہے اور اسی طرح مسیحی مصنفوں کا یہ نتیجہ کہ ایمان بِمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ سے مسلمانوں کو بائبل پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے صحیح نہیں کیونکہ اوّل تو بائبل کی اس جگہ تخصیص نہیں اور قرآن فرماتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ سورہ فاطر ع۳۵ آیت ۲۵ + وَلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ سورۃ الرعد ع۱۳ آیت ۸ +

دوسرے قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ تمام کتب قیمہ اس میں آگئی ہیں اور فرماتا ہے فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ سورۃ البینہ ع۹۸ آیت ۴ + اور فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ۔ سورۃ المائدہ ع۵ آیت ۴۹ +

تیسرے قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ تمام قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں قرآن کریم کے سوا کسی پہلی کتاب کی پیروی اور اتباع کی اجازت دی گئی ہو +

(۲) بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ پیچھے آنے والی پر یقین رکھتے ہیں لیکن چونکہ الآخرہ صفت ہے جس کا موصوف اس جگہ مذکور

[ع۱] پیچھے آنے والی وحی و رسالت پر ایمان لانے کا ذکر بطور قاعدہ کلیہ کے اس آیت میں ہوا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط
سورہ آل عمران ع۳ آیت ۸۲

رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
جو ان کے رب کی طرف سے ہے - اور یہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں ے۱ یقیناً جو لوگ
كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ
کافر ہوئے درانحالیکہ تیرا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا یکساں ہے
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط
ایمان نہیں لائیں گے ے۲ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے
وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ع
اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ے۳
ع ۱ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے حالانکہ
وقف لازم مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ م يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ
وہ بالکل ایمان نہیں لائے ہے۴ (گویا) دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور انہیں
اٰمَنُوْا ج وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ط
جو ایمان لائے اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں محسوس کرتے ے۵
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ج وَلَهُمْ
ان کے دلوں میں بیماری تھی پھر اللہ نے بڑھا دی ان کی بیماری اور ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۵ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
دردناک عذاب ہوگا ان کے ہمیشہ جھوٹ بولنے کے سبب ے۶ اور جب انھیں کہا جاتا ہے

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۲

کسی شخص کا کھڑا ہونا مراد ہے جو آپ کی فرمانبرداری اور محبت میں فنا ہو کر صاحب وحی ہوگا چنانچہ احادیث اور قرآن شریف کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ وہ صاحب وحی شخص مسیح موعود اور مہدی معہود ہے جس کی وحی پر یقین لانا ویسا ہی ضروری ہے جیسا دوسری وحیوں پر۔ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم ہے کہ جب وہ موعود آئے تو اس کو قبول کریں۔ مگر جیسی کہ سنت اللہ ہے کہ لوگ فوراً کسی صداقت کو قبول نہیں کرتے۔ جب وہ شخص آیا تو بہتوں نے اسکی مخالفت کی مگر رفتہ رفتہ اسکا سلسلہ بالکل اسی طرح جس طرح مسیح ناصری کا سلسلہ پھیلا تھا۔ تمام دنیا میں پھیل رہا ہے اس شخص کا نام جیسے کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہے +

متعلقہ صفحہ ۲، ۳

لے (ا) اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ - یہ فقرہ اسی قسم کا ہے - جیساکہ سورۃ الحج ع۲۲ آیت ۶۸ میں آنحضرت صلعم کے حق میں فرمایا ہے - اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ - اور ہُدًی میں جو تنوین ہے تعظیم کے لئے ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت سے بڑھ کر کوئی ہدایت نہیں ہے جیساکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے - قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى - سورۃ الانعام ع۶ آیت ۷۲ +

(ب) اَلْمُفْلِحُوْنَ - مُفْلِح کی جمع ہے اور مُفْلِح - فلاح سے بنا ہے - اور فلاح کہتے ہیں مُراد پانے کو - خواہ دنیوی ہو یا اُخروی - مُفْلِح مُراد پانے والا - المفلحون - اپنے مطالب میں کامیاب ہونے والے مقصود یہ کہ ان لوگوں کی زندگی کا جو مدعا ہو

عسے يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کا عربی زبان میں جو مفہوم ہے ۱۳ مگر اُردو میں لفظ (گویا) کے بغیر ادا نہیں ہوتا تھا +

اور فرمایا۔ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ (الروم ۳۰ آیت ۴۵) ÷

(۵) قرآن کریم نے کھول کر بتا دیا ہے کہ یہ مُہر اور پردہ انسان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے جیسے فرمایا بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء ۴ آیت ۱۵۶) اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المنافقون ۶۳ آیت ۳) ÷ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس ۱۰ آیت ۷۵) يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن ۴۰ آیت ۳۶۔ بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (التطفیف ۸۳ آیت ۱۵۔ ہاں انسان کے اعمال کا یہ نتیجہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے ان آیات میں ختم اور طبع کی نسبت جناب الٰہی کی طرف کی گئی ہے ÷

ہے آخر پورا ہو رہتا ہے اور اُن کی کوششیں ضائع نہیں ہوتیں۔ بلکہ ضرور ان کے نیک نتیجے نکلتے ہیں جیسے کہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۲۹ میں فرمایا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ÷

ف پہلے اس گروہ کا ذکر کیا جن کو یہ کتاب ترقی کے اعلیٰ مدارج تک لے جاتی ہے اب ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہوتا ہے جو باوجود اس عظیم الشان ہدایت کے موجود ہونے کے ایمان تک سے محروم ہیں اور نبی کا انذار بھی ان کو فائدہ نہیں دیتا ÷

ف۲ ۔اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ سے وہ کافر مراد ہیں جن پر اُن کی اپنی بُری کرتوتوں کی وجہ سے ضلالت اور گمراہی ثابت ہو چکی ہے اور انہوں نے اپنی بدعملیوں کی وجہ سے اپنے لئے کوئی طریقہ ایمان اور ہدایت پانیکا باقی نہیں چھوڑا۔ اور اب انکی ایسی حالت ہے کہ انپر انذار اور عدم انذار برابر ہے (دیکھو یونس ۱۰ آیت ۳۳ الاعراف ۷ آیت ۱۳۰ النحل ۱۶ آیت ۳ یٰس ۳۶ آیت ۱۱ اور ایسے ہی لوگوں کی نسبت ہود ۱۱ آیت ۳۶ میں فرمایا ہے۔ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ ورنہ دوسرے کافر ہر نبی کے زمانہ میں ایمان لاتے رہے ہیں اور اب بھی ایمان لاتے ہیں کافروں ہی سے نکل نکل کر مومنوں کی جماعت بنتی ہے اگر کافر مومن نہ بنتے ہوں تو تمام انبیاء کی بعثت عبث ٹھہرتی ہے اور قرآن کریم کی تو غرض ہی کافروں کو مومن بنانا ہے اور کروڑوں انسان ہیں جن کو قرآن نے کفر کے گڑھوں سے نکالا ہے ÷

ف۳ (۱) خَتَمَ اللّٰهُ۔ الآیۃ۔ قرآن کریم کے رُو سے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ بعض لوگوں کے دلوں اور کانوں پر مُہریں کر دیتا ہے تاکہ ایمان نہ لا سکیں ÷

(۱) اس لئے کہ اس طرح خدا تعالیٰ پر ظلم کا الزام آتا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اللہ جلشانہ کی ذات پاک سے ہر قسم کے ظلم کی نفی کی گئی ہے جیسے کہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ (النساء ۴ آیت ۴۱) اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یونس ۱۰ آیت ۴۵)

(۲) اللہ تعالےٰ بندوں کے لئے کفر کو ناپسند کرتا ہے جیسے کہ فرمایا۔ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔ (الزمر ۳۹ آیت ۸) اور فرمایا وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (الحجرات ۴۹ آیت ۹)

(۳) اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا۔ جیسے کہ فرمایا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف ۱۸ آیت ۳۰) بلکہ قرآن کریم نے جبر کی نفی کرتے ہوئے بیسیوں جگہ بتایا ہے کہ اگر خدا کی طرف سے جبر ہوتا تو ایمان پر ہوتا نہ کہ کفر پر جیسے کہ فرمایا فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الانعام ۶ آیت ۱۵۰) ÷

(۴) ایمان لانا اور کفر اختیار کرنا بندوں کا فعل ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی مومن ہے تو کوئی کافر جیسے کہ فرمایا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۴ (البقرہ ۲ آیت ۲۵۴)

ف قلوب اور سمع اور ابصار کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہدایت کے بڑے ذریعے یہی تین ہیں۔ جنسے انسان حق کو معلوم کرتا ہے **ف** سورۃ الجاثیہ ۴۵ آیت ۲۴۔ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً سے ثابت ہے کہ غِشَاوَةٌ کا تعلق صرف اَبْصَارِهِمْ سے ہے ÷

۱ مُہر اور پردہ کوئی جسمانی چیز یں نہیں ہیں کافروں نے خود کہا ہے۔ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ حٰم السجدہ ۴۱ آیت ۶۔ بلکہ اس سے مراد ہے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ الاعراف ۷ آیت ۱۸۰ ÷ ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ٥ دیکھو الحج ۲۲ آیت ۴۷ ÷ ۲ طَبَعَ کے معنے بھی مُہر کرنے کے ہیں ÷ ۳ رَیْن اور طبع کے ایک ہی معنے ہیں ÷

(ب) عَذَابٌ - ان لوگوں نے چونکہ نہ حق کو سمجھا اور نہ سُنا - اور نہ آنکھوں سے کام لیا - اس لئے اس دُکھ میں مبتلا ہونگے جیسے دوزخیوں کی نسبت آیا ہے - قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ - الملک ۶۷ آیت ۱۱ +

۸ (ا) وَمِنَ النَّاسِ - یہ گروہ آنحضرت صلعم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد مدینہ اور مدینہ کے گردونواح میں پیدا ہوگیا تھا - اس گروہ کا نام قرآن کریم نے منافقین بتایا ہے جیساکہ سورۃ التوبہ ۹ آیت ۱۰۲ میں فرمایا ہے - وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ - کہ تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں - اور خود مدینے کے رہنے والوں میں سے بھی - مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ جو نفاق پر اڑے ہیں +

اس خطرناک گروہ کے حالات پر قرآن کریم کی کئی سورتوں میں روشنی ڈالی گئی ہے حتٰی کہ ایک سورۃ کا نام ہی المنٰفقون رکھا گیا ہے +

(ب) اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ - اس سے منافقوں کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ صرف اللہ اور یوم آخرت پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور اسلام کی دوسری باتوں کو نہیں مانتے ہیں بلکہ ان کا یہ مطلب تھا کہ اللہ سے لیکر جو ایمان کا شروع ہے آخرت تک (جو ایمانیات کی آخری بات ہے) جتنی باتیں ماننے کی ہیں ہم ان سب کو مانتے ہیں اور اللہ اور قیامت[1] پر ایمان لانا مسلم بھی جبھی ہو سکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ دوسرے ایمانیات پر ایمان لایا جاوے جیسے کہ فرمایا - وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ - الانعام ۶ آیت ۹۳ +

(ج) وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ - ان لوگوں کو قرآن کریم نے باوجود ان کے دعوٰے ایمان کے مومن قرار نہیں دیا - کیونکہ دراصل انکے دلوں میں ایمان نہیں تھا صرف زبان سے ظاہر کرتے تھے کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں جیساکہ سورۃ آل عمران ۳ آیت ۱۶۸ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ - کہ منافق زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں - اور ایمان تو وہ چیز ہے جس کا دل اور زبان اور جوارح سب سے تعلق ہے - اسی واسطے سورۃ الحجرات ۴۹ آیت ۱۵ میں فرمایا ہے - قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ - دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے - کہہ دو - کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ظاہر میں مان لیا اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا - اور فرمایا وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ - کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ کفر کے ساتھ آئے اور اسی کے ساتھ چلے گئے اور فرمایا - اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - کہ مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کچھ شک نہ کیا - اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے مجاہدہ کیا اور ان منافقوں کا تو یہ حال تھا کہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں - دیکھو سورۃ المائدہ ۵ آیت ۴۲ +

۹ (ا) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ - یہ بات ظاہر ہے کہ دھوکا میں کامیاب کوئی شخص جبھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے فریق کو فریب دینے والے فریق کے دھوکا سے ناواقفی اور بے خبری ہو - اور آیات ذیل سے اچھی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ کائنات اور انسان کے ہر ایک حال سے بخوبی واقف ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ - کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دلی خیالات تک سے واقف ہیں اور ہم اسکی شہ رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں (ق ۵۰ آیت ۱۷) اور فرمایا ہے - اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ - کہ اللہ تعالےٰ سینوں تک کی باتوں سے واقف ہے (الانفال ۸ آیت ۴۴) اور فرمایا ہے عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ - کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور ذرہ بھر آسمانوں اور زمین کی چیزوں میں سے اس سے پوشیدہ نہیں

[1] قیامت کو الیوم الآخر اس واسطے کہتے ہیں کہ دُنیا کے آخر میں ہے اور اس کے بعد کوئی اور یوم نہیں ہے ۱۲

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۔ کہ منافق لوگ دوزخ کے نیچے کے درجے میں ہونگے اور تم ان کا کسی کو مددگار بھی نہ پاؤ گے +

(ج) يَشْعُرُوْنَ شعور سے بنا ہے اور اسی سے مَشَاعِر۔ حواس کو کہتے ہیں مَا يَشْعُرُوْنَ کے معنے ہیں کہ محسوس نہیں کرتے +

ع۲ (۱) بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ میں مَا مصدریہ ہے جو اپنے ابعد کے فعل کو بمعنے مصدر بنا دیتا ہے۔ پس بجائے اسکے کہ یہ ترجمہ کیا جاوے کہ "بسبب اس کے کہ جھوٹ بولتے تھے" یہ ترجمہ کرنا بہتر ہے جو ہم نے کیا ہے +

(۲) بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ صرف وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کا سبب نہیں ہے بلکہ زَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا کا بھی سبب ہے۔ یعنے جھوٹ بولنا۔

ہے اور ذرہ سے چھوٹی اور ذرہ سے بڑی جتنی چیزیں بھی ہیں سب اس کو معلوم ہیں۔ (السبا ۳۴ آیت ۳) اور فرمایا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے خدا کو سب معلوم ہے کسی جگہ تین شخصوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ انکیں چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ۔ مگر وہ جہاں ہوں خدا ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پھر جو جو کام یہ کرتے ہیں قیامت کے دن ایک ایک ان کو بتائے گا۔ بیشک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ المجادلہ ۵۸ آیت ۸ + اور فرمایا يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔ المومن ۴۰ آیت ۲۰۔ قرآن کی ایسی تعلیم کی موجودگی میں کسی کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کا خدا دھوکا میں آجاتا ہے یا اسپر کسی شخص کا داؤ اور فریب چل جاتا ہے ایک صریح ظلم ہے اس قسم کا اعتقاد کہ ہمارے بہت سے عملوں سے خدا بھی واقف نہیں اس کو تو خدا نے ایک مشرکانہ اعتقاد قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ حٰمٓ السجدہ ۴۱ آیت ۲۳ و ۲۴ ۔ میں اللہ تعالیٰ

مشرکوں کے خطاب میں فرماتا ہے وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ کہ تم کو یہ خیال تھا کہ تمہارے بہت سے عملوں سے خدا بھی بے خبر ہے اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو ہلاک کر دیا ہے اور تم خسارہ پانے والوں میں ہوگئے اور سورہ ہود ۱۱ آیت ۶۔ میں ایک اور قوم کی نسبت فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔ تاکہ خدا سے پردہ کریں دیکھو جسوقت یہ کپڑوں میں لپٹ کر پڑتے ہیں تب بھی خدا انکی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے بیشک وہ تو دلوں تک کے بھید کا جاننے والا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اظہارِ ایمان کی حقیقت بتائی ہے کہ وہ اپنے خیال میں اس فعل سے گویا خدا اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو +

(ب) وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ یعنے نہیں دھوکا دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ کیونکہ انکی کرتوت کا سارا وبال دنیا اور آخرت میں انہی پر پڑتا ہے جیسے کہ سورۃ النساء ۴ آیت ۱۴۴ میں فرمایا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

دردناک عذاب ہونے اور بیماری کے بڑھانے دونوں کا سبب ہے ۔ اس آیت میں بیماری کا بڑھانا اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے

ع۱ لسان العرب میں جو لغت عرب کی کتاب ہے۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کے متعلق لکھا ہے "مَعْنَاهُ اَنَّهُمْ يُقَدِّرُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ کہ منافق اپنے دل میں خیال کرتے ہیں کہ گویا خدا کو دھوکا دیتے ہیں" جس سے ظاہر ہے کہ یہاں منافقوں کے خیال کا بیان ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجھ کو دھوکا دیتے ہیں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال ۸ آیت ۶۳ ۔ میں نبی کریم صلعم کو بطور تسلی فرماتا ہے۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ کہ اگر یہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو خدا تمھیں کفایت کرے گا" جس کا صاف منشا یہ ہے کہ خدا کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ تیسرے يُخٰدِعُوْنَ ۔ خِدَاع اور مُخَادَعَة (باب مُفَاعَلَة) سے بنا ہے جس کی ماضی خَادَعَ ہے اور اقرب الموارد اور ابوالبقا الحسینی الکفوی کی کتاب الکلیات میں لکھا ہے کہ خادع اسوقت بولتے ہیں کہ جب مخادع اپنے فعل خداع میں کامیاب نہ ہو۔ اصل عبارت یہ ہے :- "يُقَالُ خَادَعَ اِذَا لَمْ يَبْلُغْ مُرَادَهٗ وَخَدَعَ اِذَا بَلَغَ مُرَادَهٗ" يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کے متعلق باقی بحث سورۃ النساء ۴ آیت ۱۴۲ تک ملاحظہ کیجئے +

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ ۱۱

مت فساد کرو زمین میں کہتے ہیں ہم صرف اصلاح کرنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ ۱۲

دیکھنا! یقیناً یہی مفسد ہیں لیکن نہیں محسوس کرتے ۲ف

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ

اور جب انھیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے کہ لوگ ایمان لائے ہیں کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ

جیسے کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ دیکھنا! یقیناً یہی بیوقوف ہیں لیکن

لَّا يَعْلَمُوْنَ ○ ۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ

نہیں جانتے ۳ف اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا

ہیں۔ اور جب الگ جا کر ملتے ہیں اپنے شیطانوں سے کہتے ہیں یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو

نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ

صرف ٹھٹھا کرنیوالے ہیں ۴ف اللہ ٹھٹھے کی سزا دے رہا ہے انھیں اور

يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ ۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

مہلت دے رہا ہے انھیں ان کی سرکشی میں وہ بھٹک رہے ہیں ۵ف یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

خریدی ہے گمراہی ہدایت کے بدلہ میں پس نہیں نفع مند ہوئی انکی تجارت

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۳

کہ یہ اسی کے احکام اور قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے اور لوگوں کے اعمال پر نیک و بد نتائج بھی وہی مرتب فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کو کسی کی بیماری کے بڑھانے کے لئے نازل نہیں فرمایا۔ بلکہ لوگوں کی بیماریاں دُور کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۸۳) یہ مرض جس کا اس آیت میں ذکر ہے قوتِ فیصلہ کا نہ ہونا بزدلی اور نفاق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (توبہ ۹ آیت ۷۷) یعنی اللہ نے انکی وعدہ خلافی اور جھوٹ کا یہ انجام دکھایا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا + (۲) اللہ تعالیٰ کے مرض بڑھا دینے سے ایک یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جوں جوں مسلمانوں کو ترقی دیتا اور انکی طاقت بڑھاتا گیا۔ منافقوں کو بخلاف اپنے دلی عقیدے کے انکے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے لئے اور زیادہ نفاق سے کام لینا پڑا۔ حالانکہ دراصل اسلام کی شوکت ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۔ (آل عمران ۳ آیت ۱۲۰) اگر تمھیں کوئی آرام پہنچتا ہے تو ان (منافقوں) کو تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے شریعت اسلام آہستہ آہستہ نازل ہوئی۔ پس جوں جوں احکام اور مسائل بڑھتے تھے منافقوں کا نفاق بڑھتا جاتا تھا اور انکی جلن اور گھبراہٹ اور بزدلی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ (سورہ محمد ۴۷ آیت ۲۱) یعنی جب کوئی محکم سورۃ نازل ہو جسمیں لڑائی کا ذکر ہو تو تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کہ کسی پر موت کی غشی طاری ہو + ف کفار کے لئے عَذَابٌ عَظِيْمٌ فرمایا اور منافقوں کے لئے عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یہ اس لئے کہ کافر اپنا جوش اور غصہ ظاہر کر کے کچھ اپنے دل کا بخار نکال لیتے تھے لیکن منافقوں کو جھوٹ بولکر چھپانا پڑتا تھا اس لئے انکا یہ نفاق انکے لئے جلن اور دکھ کا موجب ہوتا پس ان کا عذاب۔ عذاب الیم تھا +

(فوائد متعلقہ صفحہ ہذا دیکھو اگلا صفحہ)

"ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا آیۃ ۹ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ۔ (سورہ منافقون ۶۳ آیت ۹) یعنی یہ منافق ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جو لوگ رہتے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اِدھر اُدھر پراگندہ ہو جائیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ کو لوٹے تو زیادہ معزز انسان (عبداللہ بن اُبی بن سلول) ذلیل انسان (خاکش بدہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہاں سے نکال دے گا۔ چنانچہ صحیح احادیث اور معتبر تاریخوں سے ثابت ہے کہ جنگ بنی مصطلق میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا اس پر ایک دوسرے کے دوست اکٹھے ہو گئے۔ عبداللہ بن اُبی نے اس موقعہ کو غنیمت دیکھ کر انصار کو جوش دلانے کے لئے کہا کہ یہ لوگ اِدھر اُدھر کے آکر مدینہ میں اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہم لوگوں کا (جنھوں نے ان کو جگہ دی ہے) مقابلہ کرتے ہیں۔ مدینہ چلکر ان کے اخراج کا بندوبست کرتے ہیں +

غرض ان طریقوں سے منافق لوگ مسلمانوں اور انکے دشمنوں اور نیز خود مسلمانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتے رہتے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو بہانے بناتے۔ کہ نہیں ہماری نیت نیک تھی بجائے فساد ڈلوانے کے ہم تو چاہتے تھے کہ کسی طرح اصلاح ہو جائے اور آپس کے جھگڑے دُور ہوں۔ باقی رہیں ایسی ایسی باتیں سو یہ تو ہم مصلحتہً کہہ لیتے ہیں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہی لوگ مفسد ہیں۔ ان

ل لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ۔ کن کا قول ہے؟ خدا تعالے نے قِیْلَ بصیغۂ مجہول فرمایا۔ تو ہمیں انکے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ کہنے والے کون ہیں۔ کفار بھی ہو سکتے ہیں اور مسلمان بھی البتہ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ میں ھُمْ کا تکرار (جو وہی کے معنے دیتا ہے) بتاتا ہے کہ کہنے والے ایسے ہیں جو خود مفسد نہیں۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ منافقوں کے مختلف فسادوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے جن میں سے سب سے بڑا فساد جس سے یہاں بالخصوص روکا گیا ہے وہ کفار سے میل ملاپ اور انکے ساتھ دلی محبت کے تعلقات ہیں +

ف اَلْاَرْضِ۔ عربی زبان ام الالسنہ اور لسانِ فطرت ہے چنانچہ یہی اَرْض کا لفظ ان بہت سے مسائل طبعیات کو واضح کرتا ہے جنپر عقلائے زمانہ نہایت غور و فکر کے بعد پہنچے ہیں +

ارض کے معنے حرکت اور چکر کھانے کے ہیں زمین چونکہ چکر کھاتی ہے اس لئے اس مناسبت سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو اسی عربی زبان سے خاص ہے +

ط (ا) اَلَآ۔ حرف تنبیہ ہے جو مخاطب کو آیندہ کلام کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرنے کے لئے آتا ہے منافقین کا طرزِ عمل یعنی دونو طرف میل وملاپ بعض کوتہ بینوں کو دھوکہ میں ڈالنے والا تھا۔ کیونکہ وہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کہکر اپنا عندیہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم دونو فریق میں صلح و آشتی قائم کرکے امن قائم اور فساد دور کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس دھوکہ پر آگاہ کرنے کے لئے یہاں حرف اَلَآ لایا گیا +

(ب) وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۔ منافق ایک طرف اسلام کا دعوٰی کرتے۔ اور دوسری طرف مشرکین اور یہود سے ملکر ان کی تائید کرتے اور انھیں جنگ پر اکساتے بلکہ اس بات کے موقعے تلاش کرتے رہتے کہ مسلمانوں میں آپس میں پھوٹ ڈلوا دیں۔ ان دونو امروں میں سے امر اوّل کا بیان سورہ حشر میں ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ۔ (سورہ حشر ۵۹ آیت ۱۲) یعنی کیا تم منافقوں کیطرف نہیں دیکھتے کہ یہ اپنے بھائیوں کو جو اہل کتاب میں سے ہیں اور اسلام کے منکر ہیں کہتے ہیں اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی مدینہ چھوڑ کر چلے جائینگے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں ماننے کے۔ اور اگر تم سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو ہم ضرور ضرور تمہاری مدد کرینگے۔ اللہ تعالٰی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹ کہتے ہیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ منافق خفیہ خفیہ جاکر یہود کو اُکساتے اور اپنی مدد کا یقین دلاکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے بھڑکاتے۔ اسی طرح مشرکین کو بھی اُکساتے رہتے تھے +

اور امر دوم کا بیان سورہ منافقون میں ہے۔ ۳۰

ع۱ (نساء ۴ آیت ۱۴۰) (منافقون ۶۳ آیت ۸) (حشر ۵۹ آیت ۱۲) (احزاب ۳۳ آیت ۱۴ و ۱۹) (توبہ ۹ آیت ۳۲) (توبہ ۹ آیت ۷۹) (آل عمران ۳ آیت ۱۵۵) (منافقون ۶۳ آیت ۹) (توبہ ۹ آیت ۶۲) (نساء ۴ آیت ۸۲ و ۱۰۹) (مجادلہ ۵۸ آیت ۹) (توبہ ۹ آیت ۵۹) (آل عمران ۳ آیت ۱۶۱) (نساء ۴ آیت ۸۲) (احزاب ۳۳ آیت ۶۱) (نساء ۴ آیت ۷۹) (منافقون ۶۳ آیت ۴) (نساء ۴ آیت ۱۴۱ و توبہ ۹ آیت ۴۲) (توبہ ۹ آیت ۶۵)

کے طرزِ عمل سے جو فساد پڑ رہا ہے وہ ظاہر ہے مگر یہ محسوس نہیں کرتے +

۳ (ا) اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ - یہ نہیں بتایا کس نے کہا - قِیْلَ لَهُمْ سے دونو باتیں نکل سکتی ہیں - یہ بھی کہ کفار نے منافقوں سے کہا کہ تم یا ہمارے ساتھ ملو یا دوسرے مسلمانوں کی طرح مسلمان ہو جاؤ - اور یہ بھی کہ مسلمانوں نے منافقوں سے کہا کہ جس طرح دوسرے لوگ مسلمان ہوتے ہیں تم بھی ویسے بنو - اس نفاق کا کیا فائدہ - كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ - اٰمِنُوْا کے ساتھ لانے سے یہ فائدہ ہے کہ جو صورتِ ایمان اللہ کے نزدیک مقبول ہے اس کی تعیین ہو جائے +

(ب) اَلسُّفَهَآءُ - سفیہ کی جمع ہے - جس کے معنے ہیں کم عقل، ضعیف الرائے - جو اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکے - جیسا کہ فرمایا - وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا - (سورۂ نساء ۴ آیت ۶) یعنی تم اپنے اموال کو جو اللہ نے تمہارے لئے سامانِ معاش بنائے ہیں انکے سپرد نہ کرو جو اپنے مالوں کی حفاظت نہ کر سکیں اور اسراف کرنے والے ثابت ہوں چنانچہ لغت کی کتابوں میں یہ محاورہ مذکور ہے :-
سَفِهْتُ الشَّرَابَ اِذَا اَكْثَرْتُ مِنْهُ وَلَمْ تُرْوِ - (لسان العرب جلد ۸ - تاج العروس جلد ۹) یعنی شراب کے استعمال میں اسراف سے کام لیا اور سیر نہ ہوا - منافق جو مسلمانوں کو سفہاء قرار دیتے تو اسکی یہ وجہ ہے کہ وہ کہتے کہ ہم لوگ تو کفار کے ساتھ تعلق رکھ کر ان کی دست برد سے اپنے اموال محفوظ کر لیتے ہیں - مگر یہ دوسرے مسلمان اپنی کم عقلی کی وجہ سے ان سے ملتے جلتے نہیں - انکے ساتھ دوستی نہیں پیدا کرتے اور اس طرح اپنے اموال کو خطرے میں ڈالتے ہیں - کیونکہ کفار جانی دشمن ہونے کی وجہ سے انھیں لوٹ لینگے - پھر یہ کہ مسلمان دینی کاموں میں روپیہ خرچ کر کے اسراف کرتے ہیں - اپنی اہم سے اہم ضرورتوں کا خیال نہیں کرتے - اور ایسے کام میں روپیہ لگاتے ہیں جسمیں کامیابی یقینی نہیں - چنانچہ ایک قول منافقوں کا سورۂ انفال میں مذکور ہے -

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ (جب کہتے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) (سورہ ۸ آیت ۵۰) +

(ج) اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ - اَلَا حرفِ تنبیہ لا کر اللہ تعالےٰ نے منافقوں کے اس خیال کا ابطال فرمایا کہ اہلِ اسلام کا طریق ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے اور بتایا کہ مسلمان اپنے مالوں اور جانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے ضائع نہیں کر رہے کیونکہ انجام کار مظفر و منصور ہونگے - ہاں منافقوں کے جان و مال تباہ ہونگے اس لئے دراصل وہی بیوقوف اور مسرف ہیں چنانچہ فرماتا ہے - فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ (سورۂ مائدہ ۵ آیت ۵۳) یعنی وہ وقت آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح یا کوئی اور امر اپنی طرف سے لائے گا تب اسوقت یہ لوگ ان باتوں پر جو اپنے دلوں میں چھپاتے تھے نادم ہونگے ایک اور مقام پر فرمایا وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی ...... الدُّنْیَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (توبہ ۹ آیت ۸۶) اِن منافقوں کے اموال و اولاد کو بڑی بات نہ سمجھ - اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ دنیا میں انھیں عذاب دے اور کفر پر ہی ان کی جانیں نکالے - اسی آیت کے ساتھ ذکر ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں ہم تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ ایک بزدل تابِ مقابلہ نہ رکھنے والی قوم ہے -

(د) وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ - فساد کا ادراک حواس ظاہری کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے اس ذکر کے بعد لَا یَشْعُرُوْنَ فرمایا - لیکن سفاہت کا ادراک حواس باطنہ سے تعلق رکھتا ہے اسلئے اس کے بعد لَا یَعْلَمُوْنَ فرمایا - مطلب یہ ہے کہ سفیہ تو دراصل منافق ہی ہیں مگر وہ اپنی سفاہت کو سمجھتے نہیں +

۴ (ا) شَیٰطِیْنِهِمْ - شَیٰطِیْن جمع ہے شیطان کی جو یا تو شَطَن سے نکلا ہے جس کے معنے دُور ہونے یا دُور کرنے کے ہیں پس شیطان کے معنے ہوئے خدا سے دُور ہونے یا دُور کرنے والا +
یا بقول بعض اہلِ لغت شَیَطَ سے نکلا ہے - جس کے معنے احتراق (جلنا) اور ہلاکت ہیں - پس شیطان کے معنے ہوئے - جلنے والا ہلاک ہونے والا +
شیطان - جھگڑالو اور سرکش کو بھی کہتے ہیں - قاموس میں لکھا ہے وَالشَّیْطَانُ مَعْرُوْفٌ وَكُلُّ عَاتٍ مُتَمَرِّدٍ مِّنْ اِنْسٍ اَوْ جِنٍّ اَوْ دَآبَّةٍ -

۴ اسکی اور مثالیں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں مثلاً فرمایا۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (سورۂ شوریٰ ۴۲ آیت ۴۰) بُرائی کی سزا اُسی کی مانند بُرائی ہے + پھر فرمایا فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (بقرہ ۲ آیت ۱۹۵) جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسیقدر زیادتی کر سکتے ہو حالانکہ یہ بات صاف ہے کہ جو سزا اسی قدر دی گئی ہو وہ فی الحقیقت زیادتی نہیں ہو سکتی۔ پس اس آیت میں اعتداء (زیادتی) کے معنے بدلہ کے ہیں جیسا کہ سیئہ کے عوض میں اتنی سیئہ درحقیقت بُرائی نہیں۔ بلکہ اس بُرائی کا بدلہ ہے +

حماسہ میں ابو الہول طوی کا یہ شعر ہے۔

یعنی ایک شیطان تو مشہور ہے ہی۔ ہر ایک حد سے بڑھنے والے سرکش کو بھی شیطان کہتے ہیں۔ خواہ انسان ہو یا جن یا چارپایہ +

پس اس جگہ شیاطین سے مراد کفار اور منافقین کے سردار اور سرغنے ہیں جو کبر و نخوت کے باعث خدا تعالےٰ کے دین سے دُور اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے سے نفور رہتے تھے۔ اور دوسرے زیر اثر لوگوں کو بھی صراط مستقیم کی طرف نہیں آنے دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ کفار کہیں گے رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔ (احزاب ۳۳ آیت ۶۸) کہ اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور بڑوں کے کہنے پر چلے جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو منافقوں کو اکسانے والے تھے اور مسلمانوں کی ترقیوں کو دیکھ کر جلتے۔ اور حق سے دُور تھے۔ مسلمانوں سے جھگڑتے رہتے اور ان کاموں میں مشغول تھے۔ جو ان کی ہلاکت کا باعث تھے۔ شیطان سے یہاں ابلیس مراد لینا صحیح نہیں اور نہ یہ یہود و مسیحیوں کے رؤسا کو گالی دی گئی ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلٰثَةُ رَكْبٌ۔ یعنی سفر کی مصیبتوں کی صورت میں اکیلا سفر کرنے والا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔ دو کا بھی یہی حال ہے۔ تین ہوں تو مشکلات سے بچ سکتے ہیں۔ مسیحی معترضین متی باب ۲۳ آیت ۳۳ و مرقس باب ۸ آیت ۳۳ ملاحظہ کریں۔ جہاں مسیح نے اپنے مخالفوں کو سانپ اور اپنے ایک حواری کو شیطان کہا ہے +

(ب) اِنَّا مَعَكُمْ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تمہارے مددگار۔ اور معاون ہیں +

(ج) مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ بصیغہ اسم فاعل جو دوام اور ہمیشگی کا فائدہ دیتا ہے۔ منافق یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ کہ ہم مسلمانوں سے جب کبھی بھی ملتے ہیں تو استہزا کے طور پر ہی ملتے ہیں +

۵ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی جُرم بیان کیا جائے تو اُس جرم کی سزا پر بھی وہی لفظ استعمال کر لیتے ہیں پس چونکہ کفار نے کہا تھا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اس لئے اس کے جواب میں فرمایا۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ جس کے معنے بموجب قواعد زبانِ عرب یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ٹھٹھے کی سزا ان کو دے رہا ہے۔ ورنہ یہ معنے کرنے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے یا کرے گا۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ سے انکی قوم نے کہا۔ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (کیا آپ ہم سے ٹھٹھا کرتے ہیں) تو انھوں نے جواب دیا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ (بقرہ ۲ آیت ۶۷) خدا مجھے جاہل بننے سے بچائے۔ پس ٹھٹھا جب جہالت کی علامت ہے تو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کے وہی معنے درست ہونگے جو بموجب قواعد زبانِ عربی اللہ کی شان کے شایاں ہوں۔ جو معنے ہم نے کئے ہیں ۴

فَنَكَّبَ عَنْهُمْ دَرْءَ الْاَعَادِيْ ۔ وَدَاوَوْا بِالْجُنُوْنِ مِنَ الْجُنُوْنِ ۔ یعنی اس شخص نے ان لوگوں سے دشمنوں کے حملہ کو ہٹایا۔ اور اس قوم نے جنون کا علاج جنون سے کیا۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قوم بھی پاگل ہو گئی۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ دشمن نے جب انکی شوکت کو دیکھتے ہوئے جنون سے ان پر حملہ کیا۔ تو انھوں نے بھی اسے خوب سزا دی +

اسی طرح سبعہ معلقہ میں عمرو بن کلثوم مسیحی شاعر کا یہ شعر ہے۔ ؎ اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا ۔ فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا ۔ یعنی خبردار کوئی شخص ہماری طاقتوں کو خفیف سمجھ کر ہم پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ ورنہ ہم جاہلوں سے بڑھ کر جہالت دکھائینگے یعنی ان کی جہالت کی انھیں سزا دیں گے +

پس اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ۔ کے یہی معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے ٹھٹھے کی سزا دے رہا ہے اور دے گا +

(ب) وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ
یَمُدُّ۔ مَدٌّ سے نکلا ہے جس کے معنے مہلت دینے کے ہیں۔ (دیکھو تاج العروس جلد ثانی۔ و قاموس جلد اوّل)

صاحب تفسیر روح المعانی۔ زجاج اور ابن کیسان نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ سورہ انعام آیت ۱۱۲ میں فرمایا۔ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۔ جس سے مہلت دینے کے معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ پس اس آیت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ باوجود ان کی شرارتوں کے خداتعالے ان کو مہلت دیتا ہے کہ وہ سنبھل جائیں مگر وہ طغیان میں بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ معنے نہیں کہ اللہ تعالے کفار کو طغیان میں زیادہ کرتا ہے۔ اس بات کو سورہ فاطر ۳۵ آیت ۳۸ میں خوب حل کر دیا ہے۔ کہ مہلت گمراہ کرنے کے لئے نہیں دی جاتی۔ بلکہ اس لئے کہ جو چاہیں اس عرصہ میں توبہ کر لیں۔ جیسا کہ فرمایا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ یعنی کیا ہم نے تم کو اسقدر عمر نہ دی تھی کہ جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ لیتا ہے۔ اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے مگر تم نے نہ ڈھیل سے فائدہ اٹھایا نہ نذیر سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مہلت جو کفار کو ملتی ہے تو گمراہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہدایت پانے کیلئے ✦

(ج) یَعْمَهُوْنَ۔ عَمَهٌ سے نکلا ہے جو رستے میں علامات اور نشانات نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ اور اس کے تین معنے مستعمل ہیں۔ (۱) متحیّر و حیران ہونا (۲) رشد سے اندھا ہونا۔ (۳) سر نیچے کر لینا۔ اور جو آگے سے آ رہا ہو اسے نہ دیکھنا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ منافقین جن شرارتوں میں پڑے ہوئے ہیں بلا سوچے سمجھے انہی میں بڑھتے جاتے ہیں ✦

۱۵ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى
قاموس میں لکھا ہے كُلُّ مَنْ تَرَكَ شَيْئًا وَتَمَسَّكَ بِغَيْرِهٖ فَقَدِ اشْتَرَاهُ (یعنی جب کوئی شخص ایک چیز کو چھوڑ کر کوئی اور چیز اختیار کرے تو اس پر بھی اشتراء کا لفظ بولا جاتا ہے) اس آیت میں اشترا انہی معنوں میں آیا ہے۔ ہر ایک انسان کو اللہ تعالے نے کچھ قوتیں دی ہیں جن کے ذریعے سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس پاک فطرت کو جو خدا نے بخشی ہے خراب کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ انسان کی نسبت فرماتا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (سورۃ التین ۹۵ آیت ۵ تا ۷) یعنی ہر انسان کو ہم نے بہتر سے بہتر بناوٹ پر پیدا کیا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ قوٰی دیئے ہیں۔ ہاں پھر اسکی بداعمالیوں کی وجہ سے ہم اسے نیچے گرا دیتے ہیں لیکن جو لوگ اپنی فطرت کے مطابق صحیح عقائد کے قائل اور نیک اعمال کرتے رہتے ہیں وہ نیچے نہیں گرائے جاتے بلکہ غیر متناہی اجر پاتے ہیں ✦

پس اس جگہ ہدایت سے وہ طاقتیں مراد ہیں جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں اور اشترا سے مراد ہے کہ شریر لوگ ان پاک قوتوں کو ضائع کر کے بدیوں کو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس سے نہ تو دنیاوی فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دینی ✦

(ب) فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ
چونکہ کفار نے ایک چیز چھوڑی اور ایک چیز لی اس لئے اس کا نام تجارت رکھا۔ ہدایت چھوڑ کر ہدایت تو مل ہی نہیں سکتی تھی۔ دنیوی نفع بھی نہ ملا۔ دُہرا نقصان اٹھایا۔ یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ سچے دین کی اتباع سے نفع حاصل ہوتا ہے پس جس دین میں فیوض و برکات نہ ہوں وہ باطل ہے ✦

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۞ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ

اور نہ تھے درست راہ کو اختیار کرنیوالے ؎ انکی حالت اس شخص کی حالت کی طرح ہے جس نے

نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَ

آگ جلائی۔ پس جب اس نے روشنی کی اس کے اِرد گرد لے گیا اللہ ان کا نور اور

تَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۞ ۱۸ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ

چھوڑا ان کو اندھیروں میں نہیں دیکھتے ؎ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ

لَا يَرْجِعُونَ ۞ ۱۹ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ

نہیں لوٹتے ؎ یا جیسے بارش ہو بادل سے اس میں اندھیرے اور گرج

وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ

اور بجلی ہو کرتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث

حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۞ ۲۰ يَكَادُ

موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنیوالا ہے کافروں کا ؎

الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا

بجلی اچک لینے کو ہے اُن کی آنکھیں۔ جب کبھی ان پر چمکتی ہے چل پڑتے ہیں

فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ

اس میں اور جب کبھی اندھیرا کرتی ہے انپر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا ضرور لے جاتا

بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ ۲۱

ان کے کان اور ان کی آنکھیں یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ؎

؎ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا۔

(ا) مثل کے معنے حالت اور بیان کے ہیں (ب) نار سے مراد نار حرب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ (مائدہ ع۵ آیت ۶۵) جب کبھی لڑائی کی آگ اُنھوں نے بھڑکائی۔ اللہ نے اسے بجھا دیا۔

اس آیت میں منافقوں کی حالت کو ایک مثال دے کر واضح کیا ہے یعنی آگ تو اس شخص نے اس لئے جلائی تھی کہ بعض مصائب سے بچ جاؤنگا اور روشنی میں اپنے مقام اور اپنی حالت کو اچھی طرح دیکھ لونگا۔ لیکن جب وہ آگ جل گئی۔ اور وہ وقت آ گیا جسکی نسبت اس کا خیال تھا کہ اس سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ تو کوئی ایسے سامان اللہ تعالےٰ نے پیدا کر دیئے کہ یہ اندھا ہو گیا جسکی وجہ سے اسکی حالت پہلے سے بھی خراب ہو گئی +

ع ۲

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ منافقوں کی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ وہ بہت سے کام اس لئے کرتے ہیں کہ ان سے کچھ فائدہ اُٹھائیں لیکن عین وقت پر ایسے مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نفاق کا بھانڈا پھوٹ کر پہلے سے بھی زیادہ دُکھ میں پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں ایک تاریخی واقعہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے لوگ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنانے لگے تھے۔ جب حضور تشریف لائے تو وہ بات رہ گئی۔ اسپر اس شخص کو سخت طیش آیا۔ لیکن چونکہ اکثر حصہ قوم کا مسلمان ہو گیا تھا۔ اگر مقابلہ کرتا تو سب وجاہت خاک میں ملجاتی۔ پس اپنی وجاہت کو قائم رکھنے کے لئے اپنے خاص دوستوں سمیت ظاہر میں مسلمان ہو گیا۔ اور کفار سے ساز باز رکھی کہ مسلمانوں پر حملہ کریں۔ غرض یہ تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ

شہید ہو جائیں اور میں بادشاہ بنجاؤں۔ اس آیت میں اس شخص کی اس کارروائی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لڑائی کی آگ بھڑکاتا ہے +

(ب) ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ ان کا نور لے گیا۔ یعنی جنگ تو اس شخص نے اس لئے کروایا تھا کہ مسلمان تباہ ہونگے اور میں کچھ حاصل کرونگا۔ لیکن جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کے چھپے ہوئے حالات پر روشنی پڑ گئی (یعنی اس کے اور اس کے ساتھیوں کے حالات روشنی میں آگئے اور معلوم ہو گیا کہ یہ کفار کے ساتھ ساز باز رکھتے ہیں) تو بجائے نفع کے اس کو نقصان ہوا۔ اور جو ظاہر میں مسلمان کہلا کر اُسکی اور اس کے ساتھیوں کی عزت تھی وہ بھی جاتی رہی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دشمن کے مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے تو پہلے تو عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے ساتھ گیا لیکن عین میدانِ جنگ سے اپنے تین سو ساتھی لے کر واپس لوٹ گیا۔ اس کارروائی سے بعض دوسرے مسلمانوں کو بھی ابتلا آنے لگا تھا۔ مگر اللہ نے بچا لیا۔ وہ سمجھا کہ اب مسلمان تھوڑے ہیں تباہ ہو جائیں گے لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے متبعین میدانِ جنگ سے صحیح سلامت لوٹ آئے۔ تو اس کا اور اس کے ساتھیوں کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اور اسلامی جُبّہ جو ظاہر میں انھوں نے پہنا ہوا تھا اُتر گیا اور نور جاتا رہا۔ اب اس نے بادشاہ کیا بننا تھا۔ بوجہ معقول عذر نہ بننے کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ چنانچہ فرماتا ہے +

(ج) وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔ یعنی پہلے سے بھی زیادہ خطرناک مقامات میں مبتلا ہو گئے اور جو تدبیر انھوں نے اپنے فائدہ کے لئے کی تھی اس سے وہ بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ بلکہ اور زیادہ مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ جن کے ہوتے ہوئے منافقوں کو اپنی پوزیشن قائم رکھنی مشکل ہو گئی۔ اور اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر بھٹکنے لگے +

(۲) ظُلُمٰتٍ سے مراد ناکامی۔ نامرادی۔ ذلت و رسوائی اور وہ مشکلات اور شدائد ہیں جو اس جنگ کے نتیجہ کے رنگ میں ان کے حصے میں آئے +

(۳) لَا يُبْصِرُوْنَ۔ عربی زبان میں نظر کے معنے کسی چیز کی جانب دیکھنے کے ہیں خواہ وہ چیز دکھائی دے یا نہ دے۔ لیکن ابصار کا لفظ اس موقع پر بولا جاتا ہے۔ جبکہ وہ چیز دکھائی بھی دے۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ ان کا نفاق ایسے طور پر کھل گیا کہ اب انہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی جس پر چلکر پھر وہ اپنی حیثیت قائم کر سکیں۔ اور ان شدائد سے رہائی پائیں۔ جو ان کا نفاق ظاہر ہو جانے سے ان پر آئے +

ه صُمٌّ۔ اصم کی جمع ہے جس کے معنے ہیں بہرا۔ یعنی اتنی مدت مسلمانوں میں رہے قرآن شریف کو نہ سن سکے +

۳ (ب) بُكْمٌ۔ ابکم کی جمع۔ معنے گونگے۔ یعنی جو اعتراض دل میں تھے ان کو ظاہر کر کے ان کا ازالہ نہ کرایا۔ اور نہ حق کو بیان کیا +

(ج) عُمْيٌ۔ اعمٰی کی جمع۔ معنے اندھے یعنی مسلمانوں کی نصرت اور تائید الٰہی کے نظارے دیکھ کر فائدہ نہ اٹھایا +

(د) فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ پس ایسے شخص کیونکر حق کی طرف پھر سکتے ہیں۔ جو حق کے مقابلہ کی وجہ سے اپنی سب قوتوں کو ضائع کر چکے ہیں۔ ہلاکت کے رستے پر چل رہے ہیں پکارنے والوں کی آواز نہیں سنتے اور خود پوچھتے نہیں۔ اور نہ ہی دیکھتے ہیں کہ کدھر جا رہے ہیں +

ف اَلَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا۔ میں اَلَّذِىْ واحد ہے۔ مَا حَوْلَهٗ کی ضمیر بھی واحد ہے مگر آگے جمع کی ضمیر آتی ہے مثلاً بِنُوْرِهِمْ۔ تَرَكَهُمْ اسکی کیا وجہ ؟

ایک جواب تو یہ ہے کہ اَلَّذِىْ اسم موصول ہے جو فرد واحد کے لئے بھی آتا ہے۔ اور زیادہ کے لئے بھی۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر ۳۹ آیت ۳۴) جو سچ لایا اور جس کسی نے اسکی تصدیق کی۔ یہی لوگ متقی ہیں۔ وَخُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا (سورہ توبہ ۹ آیت ۷۰) اور تم بھی انہی کی طرح لغو بحث میں پڑے جو بیہودہ بحث میں پڑے تھے + یہاں اَلَّذِىْ واحد کا۔ اور خَاضُوْا جمع کا صیغہ ہے۔ علامہ سیوطی اپنی کتاب ہمع الہوامع میں لکھتے ہیں۔ اَلَّذِىْ كَمَنْ يَكُوْنُ لِلْوَاحِدِ وَالْمُثَنّٰى وَالْجَمْعِ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ وَعَلَيْهِ الْاَخْفَشُ۔ قال ے اُولٰٓئِكَ اَشْيَاخِى الَّذِىْ تَعْرِفُوْنَهُمْ یعنی الذی۔ مَنْ کی طرح واحد۔ تثنیہ اور جمع کے لئے آتا ہے امام اخفش کا بھی یہی مذہب ہے

چھایا ہوا ہو اور زور کا مینہ برس رہا ہو ✤

(ج) مِنَ السَّمَآءِ

سماء کے معنے ہیں۔ آسمان بادل۔ بارش ہر اونچی اور بلند چیز۔ لسان العرب جلد ۱۹ میں لکھا ہے اَلسَّمَآءُ فِی اللُّغَةِ یُقَالُ لِکُلِّ مَا ارْتَفَعَ وَعَلَا۔ صَیِّب کے بعد اَلسَّمَآء کی قید بڑھا کر بارش کے وسیع اور بادل کے تمام آفاق کو گھیرے ہوئے ہونیکی طرف اشارہ فرمایا ہے اس میں قرآن کریم کی عظمت شان عموم دعوت اور کمال معرفت کو بتایا ہے ✤

(د) ظُلُمٰتٌ

تاج العروس جلد تامن میں لکھا ہے وَالْعَرَبُ تَقُوْلُ لِلْیَوْمِ الَّذِیْ تَلْقٰی فِیْهِ الشِّدَّةَ یَوْمٌ مُظْلِمٌ۔ یعنی اہل عرب شدت و تکلیف کے دن کو ظلمت والا دن کہتے ہیں یہاں مراد وہ مشکلات ہیں جو اسلام لانے کے وقت لوگوں کو پیش آئے۔ مثلاً رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کی مخالفت۔ طرح طرح کے ابتلاء (جن کا اشارہ سورۃ عنکبوت ع۲۹ آیت ۳ میں ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ)۔ اور لڑائیاں جن کی وجہ سے اسلام کے میدان میں آگے بڑھنا منافقین کے لئے مشکل ہو گیا ✤

(ھ) رَعْدٌ۔ لغوی معنے بادلوں کا گرجنا۔ گرجنے کی آواز۔ اس مثال میں زبردست احکام۔ تباہی کی خبروں۔ وعید کی پیشگوئیوں اور احکام جنگ کو رعد یعنی کڑک سے تشبیہ دی گئی ہے ✤

(و) بَرْقٌ۔ چمکنی بجلی کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد لڑائی کے نظارے ہیں یا کھلی کھلی علمی باتیں صداقت کے نشانات یا مال غنیمت و اسلامی فتوحات ✤

جسکی شہادت میں اُس نے (یہ مذکورہ بالا شعر) پیش کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آگ جلانیوالا دراصل ایک تھا جو سب کا سردار تھا۔ مگر جب لڑائی اکی تحریک سے چھڑ گئی تو اُسکے ساتھ دوسرے لوگوں کا بھی جو اسکے اتباع تھے نفاق ظاہر ہو گیا

۴۔ اَوْ کے معنے "یا" اور نیز" اور" بھی ہوتے ہیں۔ یہاں جو بھی معنے لئے جائیں صحیح ہیں۔ مگر "یا" کے معنے لینے کی صورت میں یہ مراد نہیں۔ کہ ان دونو مثالوں میں سے کوئی ایک مثال منافقین پر صادق آتی ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ بعض منافقین پر پہلی مثال صادق آتی ہے اور بعض پر دوسری۔ غرض اَوْ کا لفظ یہاں پر منافقین دو قسموں پر تقسیم کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے کہ دیوان حماسہ میں جعفر بن علبہ حارثی کا یہ شعر ہے۔ ؎ فَقَالُوْا لَنَا ثِنْتَانِ لَا بُدَّ مِنْهُمَا صُدُوْرُ رِمَاحٍ اُشْرِعَتْ اَوْ سَلَاسِلُ۔ یعنی دشمنوں نے ہم سے کہا کہ دو چیزیں ہیں جو دو تو تمہیں قبول کرنی پڑینگی یا تو نیزوں کے بھالے یا زنجیریں یعنی تم میں سے بعض کو نیزوں کا شکار اور بعض کو قیدی بننا پڑے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ نیزے چلائے تو قید نہ کریں گے اور اگر نیزے نہ چلائے تو قید کرینگے ✤

اور اگر اَوْ بمعنے اور لیا جائے تو اور بھی مناسب ہے۔ اس طرح پر یہ مطلب ہو گا کہ ان منافقوں کی وہ مثال بھی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ اور یہ بھی جواَب بیان کی جاتی ہے یعنی ایک گروہ تو پہلی مثال کا مصداق ہے اور دوسرا دوسری کا۔ یہ مطلب نہیں کہ جس جماعت پر پہلی مثال چسپاں کر سکتے ہیں اسی پر دوسری بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان دونو مثالوں میں فرق ظاہر ہے ✤

(۱) پہلی مثال میں منافق آگ جلاتا ہے۔ دوسری مثال میں اسکی کوئی کارروائی مذکور نہیں ✤

(۲) پہلی مثال میں یہ ذکر ہے کہ روشنی کے ہوتے ہوئے اسکی بینائی جاتی رہی۔ دوسری مثال میں یہ مذکور ہے کہ جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں ✤

(۳) پہلی مثال میں تو بتایا گیا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں اور دوسری مثال میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا۔ تو انکی شنوائی اور بینائی کی طاقتوں کو زائل کر دیتا۔ پس یہ دو تو مثالیں منافقین کے دو مختلف گروہوں کی نسبت ہیں اور اَوْ کا ترجمہ اَور درست ہے۔ شعرائے عرب کے کلام میں اسکی مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک شاعر کہتا ہے ✤

لَقَدْ زَعَمَتْ لَیْلٰی بِاَنِّیْ فَاجِرٌ۔ لِنَفْسِیْ تُقَاهَا اَوْ عَلَیْهَا فُجُوْرُهَا۔ لیلیٰ کہتی ہے کہ میں بدچلن ہوں۔ لیکن اسے خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر میں نیک چلن ہوں تو اس کا فائدہ میرے لئے اَور اگر بدکار ہوں تو اس کا نقصان بھی مجھے ہی پہنچے گا ✤

(ب) صَیِّبٍ۔ بھاری مینہ جو مفید ہو۔ وحی کے نزول کو بارش سے تشبیہ دی اور کنایۃً منافقین کو ان لوگوں سے تشبیہ دی ہے جن پر بادل

(س) يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ صاعقہ اس بجلی کو کہتے ہیں جو گرتی ہے۔ یہاں مراد وہ احکام ہیں جن کے سبب رشتہ داروں سے الگ ہونا پڑتا ہے یا جہاد کرنا پڑتا ہے۔ منافق ان احکام سے موت کے ڈر سے بچنا چاہتے ہیں۔ مگر بچ نہیں سکتے یا تو دنیا میں سزا پائینگے یا آخرت میں ÷

(ح) وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ - یہ خوف کرتے ہیں کہ کافر غالب آئینگے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ کافروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ یعنی اُن کو تباہ کرنے والا۔

ھ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ قریب ہے کہ مسلمانوں کی ترقی ان منافقوں کو زیادہ بے ایمان کردے۔

یا یہ کہ اسلام کی صداقت کے ایسے کھلے کھلے نشان ظاہر ہو رہے ہیں کہ ان کی آنکھیں چُندھیائی جا رہی ہیں۔

(ب) كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ ..... قَامُوْا - جب امن کے دن ہوتے ہیں تو منافق مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے کاموں میں شریک۔ اور جب ابتلاؤں اور مشکلوں کا وقت آتا ہے تو پھر الگ ہو جاتے ہیں۔ اضاء کے ساتھ کلّما اور اظلم کے ساتھ اذا رکھ کر یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ دمبدم ترقی دے رہا ہے۔ ایسا وقت کم آتا ہے کہ جب کفار اور منافقین کی نظروں میں اس کی صداقت کا کوئی نشان نہ گذرتا ہو۔

(ج) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ یعنے اُن کی ان حرکات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تھوڑا بہت ایمان جو اُن کے دل میں ہے وہ بھی جاتا رہیگا۔ اور یہ حق سے بالکل دُور ہو جائینگے ÷

(د) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - یعنی اگر اب بھی اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کرینگے اور اسی راہ پر چلتے رہینگے جس پر چلتے رہے ہیں تو آخر خدا تعالیٰ کی قدرت کا ہاتھ دیکھینگے۔

ف منافقوں کی اس مثال سے بتایا کہ جیسے بارش جیسی مفید اور بابرکت چیز سے سخت تاریکی اور گرج کے باعث بزدل کسان کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح یہ لوگ اسلام سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اسلام ایک رحمت الٰہی ہے۔ مگر اسکے ساتھ بہت سی مشکلات اور آزمائشیں ہیں۔ جو ہر سچے مذہب کے ساتھ ابتدا میں ہوتی ہیں ان سے ڈر کر اپنی حالت اس بزدل کی طرح بنا لینا جو بادل کی تاریکی میں ذرا روشنی ہو تو دو قدم چل پڑتا ہے۔ ورنہ ٹھہر جاتا ہے۔ اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ قریب ہے کہ ایسی حرکات سے ان کا رہا سہا ایمان ضائع ہو کر صرف خود غرضی باقی رہ جائے۔ اور حق کی شنوائی اور بینائی بالکل نہ رہے۔

ترتیب و ربط آیت نمبر ۹ میں بتایا گیا ہے اسلام دل کی پاکیزگی اور اعمال کی صلاحیت کو چاہتا ہے۔ چونکہ یہ تاب مقابلہ اور قوت فیصلہ نہ رکھنے والے اس سے خالی ہیں۔ اس لئے یہ بھی بزمرہ کفار ہیں آیت نمبر ۱۰ میں بتایا کہ منافق کبھی سکھ نہیں پاتا۔ نمبر ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ میں منافقوں کا حال بتایا کہ وہ فساد پھیلاتے ہیں جب روکا جائے۔ تو بہانہ بناتے ہیں۔ آیت نمبر ۱۶ میں بتایا کہ دینی معاملہ میں نفاق سے کام لینے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ آیت ۱۸ و ۱۹ میں ایمانی منافقوں اور ۲۰ و ۲۱ میں اعمالی منافقوں کا حال بتایا۔ اور یہ کہ اُن کا انجام کیا ہوگا۔ یہاں تک قرآن مجید کا دعوے اور اس کے نزول کی غرض اور اس کے دنیا پر پیش کئے جانے کے وقت تین گروہوں (مومن - کافر - منافق) کے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا انجام بتایا ہے ÷

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تمھیں اور انھیں جو

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝٢١ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچو لہ جس نے بنایا تمہارے لئے

الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ص وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اُتارا بادل سے

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج فَلَا

پانی پھر نکالے اسکے ساتھ کئی پھل تمھیں رزق دینے کے لئے پس مت

تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٢٢ وَاِنْ كُنْتُمْ

بناؤ اللہ کے ند (شریک) حالانکہ تم جانتے ہو لہ اور اگر تم ہو

فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

کسی شک میں اس سے جو ہم نے اُتارا ہے اپنے بندہ پر تو لاؤ کوئی سورۃ

مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اس جیسی اور بولاؤ اپنے شہداء کو اللہ کے ورے اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝٢٣ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

سچے ہو سہ پس اگر تم نے نہ کیا اور ہرگز نہیں کروگے تو بچاؤ کرو

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج

اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں

لہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ عبادت کمال تذلل کا نام ہے - اس آیت کریمہ میں نہ صرف عبادت کا حکم دیا گیا ہے بلکہ چار دلیلیں بھی بیان کی گئی ہیں - کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کیوں کی جائے۔ اول وجہ لفظ ربّ میں بیان کی گئی - یعنے جو پہلے پیدا کرتا ہے۔ پھر ہر موقعہ کے مناسب ربوبیت کرتے کرتے اشیاء کو اُن کے کمال تک پہنچاتا ہے - اور یہ طبعی بات ہے کہ ہر محسن کی قدر اور اطاعت کی جاتی ہے - دوسری وجہ لفظ کُمْ میں بیان کی گئی - یعنی وہ اللہ تعالیٰ صرف محسن ہی نہیں بلکہ تمہارا بھی محسن ہے - تیسری وجہ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں بیان کی گئی - یعنے وہ صرف زمانہ حال میں ہی پرورش نہیں کرتا - تمہارا خالق بھی ہے - اور تمہاری ابتداء سے تم پر احسان کرتا چلا آیا ہے - چوتھی وجہ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ میں بیان فرمائی ہے - یعنی وہ تمہارا ہی محسن نہیں بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کا بھی ہے - اور کسی کے آگے تذلل اختیار کرنے کی یہی تین چار وجہیں ہوسکتی ہیں -

(ب) لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ لَعَلَّ کے معنے تاکہ ہیں عبادت کی غرض بیان فرمائی کہ عبادت میں میرا کوئی فائدہ نہیں - بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے - کیونکہ اس کے نتیجہ میں تم ہر ایک نقصان دہ چیز سے بچو گے - خواہ وہ جسم کے متعلق ہو یا اخلاق کے متعلق یا روحانیات کے متعلق غرض تمام احکام شریعت انسان کے فائدہ کے لئے ہیں ۔ سہ وَالسَّمَآءَ بِنَآءً سماء یعنے بلندی کو چھت بنانے سے یہ مراد ہے کہ بلندی کو حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے - حفاظت کے لئے چھت کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ چھت بھی

بہت سی تکالیف سے حفاظت کا ذریعہ ہوتی ہے اور یہ ایک محاورہ ہے۔ اس (بلندی کو حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے) سے یہ مطلب ہے کہ انسان کی زندگی کے قیام کے لئے جن اشیاء کی ضرورت ہے۔ وہ بلندی سے تعلق رکھتی ہیں۔ پانی بھی بلندی سے برستا ہے۔ ہوا بھی اوپر ہے اسی طرح سورج چاند وغیرہ ہیں۔ اور انہیں اشیاء سے وہ سب چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان زندہ رہتا ہے۔ روحانیات میں بھی انسان اوپر ہی کا محتاج ہے مِنَ السَّمَآءِ مَآءً سماء عربی میں سحاب یعنے بادل کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اس معنے میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا۔ (سورہ انعام ع۱ آیت ۶) پھر فرمایا يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (سورہ نوح ع۱ آیت ۱۲)

ف۱ سماء کا لفظ دوبارہ لایا گیا ہے۔ ضمیر استعمال نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سماء کے پہلے معنے مراد نہیں۔

(ب) اَخْرَجَ نکالا۔ پیدا کیا (مفردات راغب)

(ج) فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ خدا تعالےٰ تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اِسلئے نہ خدا کو ضرورت ہے کہ ند پکڑے اور نہ تمہیں ضرورت ہے کہ ند بناؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

ایک موقعہ پر ایک صحابی نے کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ یعنے جیسے اللہ تعالےٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ نے فوراً اُسے روکا۔ اور فرمایا اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا۔ کیا تو نے مجھے خدا کا شریک بنا لیا ہے۔ اور فرمایا اس طرح کہو مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یعنے جیسا خدائے واحد چاہے۔ اس حدیث سے ند کے معنے صاف ہو جاتے ہیں۔

(د) وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو کہ ند بنانے کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ کہ اسکا نتیجہ بُرا ہے۔

ف۲ اس آیت کریمہ میں رب کی تشریح فرمائی ہے۔ اَلَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کہہ کر تو انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا کہہ کر ایسی چیزوں کا ذکر فرمایا جنکا انسان اپنی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے محتاج ہے۔

ف۳ رَيْب کے معنے ہیں شک بدگمانی۔ کراہت۔ جسے اعتراض اور ناپسندیدگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(ب) عَلٰى عَبْدِنَا اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام رفیع اور نیز اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مہبط وحی الٰہی وہی شخص ہو سکتا ہے جو حقیقی معنوں میں خدا کا بندہ اور اُسکا سچا پرستار ہو۔

(ج) بِسُوْرَةٍ سورۃ کے معنے ٹکڑا یعنی قرآن کریم کا وہ حصہ جو مقررہ نشان کے ذریعہ الگ کیا گیا ہے (۲) سورہ کے معنے بلندی کے بھی ہیں۔ ان معنوں کی رُو سے قرآن مجید کے حصص اس لیئے سورۃ کہلاتے ہیں کہ وہ باعتبار اپنے اعلےٰ پایہ کے خاص خاص مضامین کی بلندیاں ہیں۔

(د) مِنْ مِّثْلِهٖ قرآن کریم نے تیرہ سو سال سے یہ دعوٰے پیش کیا ہوا ہے لیکن آجتک کوئی انسان اسکا مقابلہ نہیں کر سکا اور قرآن کریم کی مثل نہیں لا سکا۔ اس جگہ اللہ تعالےٰ نے مثل کی کوئی تعیین نہیں فرمائی۔ کہ مثل کس بات کی لانی ہے۔ ایک مذہبی کتاب میں جسقدر خوبیاں ضروری ہیں۔ ان میں سے کسی میں اِس کی مثل لے آئیں لیکن نہ اب تک کوئی قرآن کریم کی مثل لا سکا اور نہ لا سکتا ہے۔ (۱) شریعت کو لے لو تو وہ قرآن کریم نے ایسی بے مثل پیش کی ہے کہ کوئی دنیا کی شریعت اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی شریعت اگر افراط کی طرف چلی گئی ہے۔ تو کوئی تفریط کی طرف لیکن اسلام نے قرآن کریم میں وہ تعلیم پیش کی ہے۔ جو وسطی طریق ہے۔ جو ہر حال میں کام آ سکتا ہے۔

ع۱ قرآن کریم نے اپنے متعلق جو فضیلتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں دیکھو ۱۔ بقرہ ع۲ آیت ع۳۔ ۲۔ (بنی اسرائیل ع۱۵ آیت ۱۰) ۳۔ (شوریٰ ع۲۲ آیت ۱۸) ۴۔ (بینہ ع۹۸ آیت ۴) ۵ (طارق ع۸۶ آیت ۱۴) ۶ (نحل ع۱۶ آیت ۹۰) ۷ (قمر ع۵۴ آیت ۶) ۸ (عنکبوت ع۲۹ آیت ۵۲) ۹۔ (تکویر ع۸۱ آیت ۲۴) ۱۰ (واقعہ ع۵۶ آیت ۷۸ - ۷۹) ۱۱ (اعراف ع۷ آیت ۵۳) ۱۲۔ (القلم ع۶۸ آیت ۵۲)۔

ہوتے ہیں۔ پس اسکے یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ اپنے گواہوں کو بھی بلوا لو۔ گواہ اظہار صداقت کے لئے ہوتے ہیں اور کفار کی صداقت اہل کتاب دیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں جیسا کہ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (النسآء ع۸ آیت ۵۲) یعنی اہل کتاب کو دیکھو کہ بیفائدہ باتوں کے پیچھے پڑتے ہیں فالوں پر یقین لاتے ہیں اور شیطان کی تحریکوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کافر مسلمانوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں پس فرمایا کہ اے مشرکو قرآن کے مقابلہ کے لئے تم ہی نہ آؤ بلکہ اپنے ساتھ اہل کتاب کو بھی شامل کر لو۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کر سکو گے۔ یا عام ہے کہ اس فیصلہ کے لئے گواہ بھی تمہارے ہی ہوں گے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ ان معبودوں میں کچھ طاقت ہے۔

۵ وَلَنْ تَفْعَلُوْا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے معبودوں اور بتوں میں یہ طاقت نہیں۔ اس لئے تم ایسا نہیں کرو گے۔ کفار یہی کہینگے کہ ہمارے معبود تو کلام نہیں کرتے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں مباحثہ کے وقت انہیں شرمندگی کے ساتھ یہ کہنا پڑا۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ (الانبیاء ع۵ آیت ۶۶) تو جانتا ہے کہ یہ بت کلام نہیں کرتے +

(۲) معرفت پیدا کرنے کے سامان کو دیکھو تو قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کو اس رنگ سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ ہر مذاق کے انسان کا دل محبت الٰہی سے پُر ہو جاتا ہے۔

(۳) معقولیت کو لو تو ایک بات بھی ایسی نہیں کہی جس کی دلیل نہ دی ہو۔ بلکہ ہر دعوے کے ساتھ دلیل پیش کی ہے۔

(۴) امراض روحانی کے علاج کو دیکھو تو انسانی دماغ ممکن سے ممکن جو شکوک پیدا کر سکتا ہے ان سب کا جواب دیا ہے۔

(۵) پھر اس کے ساتھ اختصار کو لو تو باوجود سب خوبیوں کے جمع کرنے کے نہایت مختصر کتاب ہے۔

(۶) اور باوجود اختصار کے وہ تفصیل کی ہے کہ اس سے زیادہ تفصیل ناممکن ہے۔

(۷) زبان کو لو تو ایسی شیریں اور اعلےٰ ہے کہ آجتک کوئی انسان اسکا مقابلہ نہیں کر سکا پھر اسکے

(۸) اثرات کو لو تو انسانی زندگی پر جسقدر اس کتاب نے اثر کیا ہے کسی اور کتاب نے نہیں کیا آجتک اسے پھل لگ رہے ہیں اور زندگی کے اعلےٰ مقاصد کو پورا کر رہی ہے۔

(۹) اس کی تعلیم کی مضبوطی اور استحکام کو لو تو آج کہ تیرہ سو سال اسپر گذر چکے ہیں۔ اور علوم وفنون نہایت ترقی کر چکے ہیں اس کے ایک نقطہ اور شوشہ کو کوئی علم رد نہیں کر سکا۔ گو دوسری کتب علوم جدیدہ کے سامنے اس طرح بہ گئی ہیں جسطرح سیلاب کے سامنے تنکہ۔ غرض کوئی خوبی لے لو قرآن کریم اس میں بے نظیر ہے۔ اور آج تک کوئی انسان اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہو سکا اور نہ آئندہ ہو سکیگا +

(۸) وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ شہید کے معنے ہیں اَلَّذِیْ لَا یَغِیْبُ عَنْ عِلْمِهٖ شَیْءٌ یعنے وہ جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو۔ شُهَدَآءَكُمْ سے مراد ہے جن کو تم ایسا سمجھتے ہو کہ کوئی چیز اُن کے علم سے مخفی نہیں۔ یعنی تمہارے معبود۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اس تعلیم توحید میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے تو تم بھی اپنے معبودان باطلہ کو پکارو کہ وہ بھی تم پر الہام کریں۔ اور اپنے معبود ہونے کا اعلان کریں۔ جس طرح یہ خدا تعالےٰ کے ایک ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ شہید کے معنے معاون کے بھی ہیں۔ پس اس آیت کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر اس کتاب کے الہامی ہونے میں تم لوگوں کو شک ہے اور تم اسے انسان کی بناوٹ قرار دیتے ہو تو اسکی مثل کوئی کتاب تو پیش کرو۔ بلکہ بڑی کتاب کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی کتاب کا کوئی باب ہی اس کے کسی باب کے مقابل میں پیش کر دو۔ جو اس کی کسی خوبی میں اس کی برابری کر سکتا ہو اور اس کام کے لئے اپنے معاونوں اور دوستوں کو بھی بلالو۔ نیز شہید کے معنے گواہ کے بھی

أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے لہ اور بشارت دے ان کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا

کہ ان کے لئے جنات ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں جب کبھی انھیں ملیگا

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

ان سے کوئی پھل کہینگے یہ وہی ہے جو ہمیں دیا گیا

مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

پہلے اور اسے لایا جائے گا انکے پاس ملتا جلتا ہوا۔ اور انکے لئے ان میں ازواج ہونگے

مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۶ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ

پاک کئے ہوئے اور وہ ان میں رہ پڑنے والے ہیں لہ یقیناً اللہ نہیں رکتا کہ

يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

بیان کرے کوئی مثال مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر پس جو لوگ

اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایمان لائے سو وہ جانتے ہیں کہ یہی حق ہے ان کے رب سے اور جنھوں نے

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ

انکار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس مثال سے گمراہ کرتا ہے اسکے ساتھ

كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ

بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اسکے ساتھ بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا اسکے ساتھ مگر فاسقوں کو

وقف لا

ف۔ پہلے عقلی طور پر شرک اور بت پرستی کی تردید فرمائی پھر ان پر ان کے معبودوں کا عجز ثابت کر دیا اور ان کو بتایا کہ جن کو تم پیش کرتے ہو ان کا دعوے ہی نہیں دنیا میں کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جسکا نازل کرنے والا کوئی بت قرار دیا گیا ہو۔ (۲) اور اہل کتاب پر بھی یہ حجت ہے کیونکہ مثل نہ لاسکنے سے ثابت ہوگا کہ یہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کا کلام ہے (ب) فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچو۔ دنیا میں جب عذاب آئیگا تو تمہارے بت بھی توڑے جائینگے اور آخرت میں بھی آگ میں ڈالے جائینگے۔ تا ان کو دیکھ کر تم زیادہ دکھ پاؤ۔ کہ ان کی وجہ سے تم پر یہ عذاب آرہا ہے۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء ۲۱ آیت ۹۹) پس حجارہ سے مراد بت ہیں جو عموماً پتھروں کے بنائے جاتے ہیں (۲) ایک معنے وقودہا الناس والحجارۃ کے یہ بھی ہیں کہ جہنم کی آگ کے بھڑکایا جانے کا ذریعہ اور سبب آدمیوں پتھروں کا تعلق ہونی ہے یعنی

لہ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ یعنے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کے حکم کا انکار کرنے والے اس سزا کے مستحق ہوں گے۔ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ کے یہ معنے نہیں کہ پہلے سے وہ آگ تیار اور صدیوں سے بھڑکائی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب اسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تو وہ تو ابھی وہاں گئے نہیں۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ بُرے عقائد اور بُرے اعمال کے آگ بن جانے کا طریقہ اس نے مقرر کر دیا ہے۔

ف (۱) اسجگہ مخالفین اسلام کو سات بار غیرت دلائی ہے اول فَاْتُوْا میں یہ کہا کہ وہ اکیلا ہے۔ تم سب اکٹھے ہوکر مثل لاؤ۔

دوم بِسُوْرَةٍ ہے یعنے ایک ٹکڑا ہی لاؤ ساری کتاب نہیں۔ سوم مِّنْ مِّثْلِهٖ ہے کہ کسی خاص بات میں مثل نہیں۔ چہارم وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ ہے یعنے اپنے مددگار اور معبود بھی بلالو۔ پنجم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہے ششم فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا ہے ہفتم وَلَنْ تَفْعَلُوْا ہے (ب) یہ دلیل اور تحدی قرآن کریم میں اور مقامات پر بھی ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۰ آیت ۸۹) ۲ (ھود ۱۱ آیت ۱۴) ۳ (یونس ۱۰ آیت ۳۹)

۵۲ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اس آیت کریمہ میں انسان کی دو نیکیوں یعنے ایمان اور عمل صالح کے مقابلہ میں دو انعام بتائے ہیں۔ یعنے باغات اور نہریں اور یہ دونوں انعام دونوں نیکیوں کے بالکل مطابق ہیں۔ کیونکہ ایمان اور عمل کا وہی تعلق ہے جو باغ اور نہر کا۔ اور جسطرح باغ کی سرسبزی کا باعث نہر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایمان کی تازگی اعمال سے ہوتی ہے۔ اگر کسی ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ ایمان کمزور ہوتے ہوتے بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمانی کلمہ کی نسبت فرمایا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراھیم ۱۴ آیت ۲۵) پس اس آیت کریمہ میں انسان کو بتایا ہے کہ اگلے جہان کے انعامات اس جہان کی نیکیوں کے تمثلات ہی ہیں۔ اس مسئلہ کو کہ عالم آخرت کے انعامات اس دنیا کے اعمال کے تمثلات ہیں۔ اگر مفصل دیکھنا ہو تو حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب تقریر جلسہ اعظم مذاہب کو دیکھا جائے جو ان بیش بہا خزانوں سے ہے جنہیں مہدیؑ نے لٹانا تھا۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان خزانوں کی قدر نہ کی (۲) مومنوں کے لئے جن جنتوں کا اس جگہ ذکر ہے وہ اس دنیا میں بھی ان کو حاصل ہونگے۔ اور اگلے جہان میں بھی ملینگے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کے انعامات مابعد الموت وعدوں کے لئے ایک ثبوت کے طور پر ہیں۔

(ب) وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا جنات میں جو پھل ملینگے وہ آپس میں متشابہ ہوں گے۔ یعنے خوبی و عمدگی و لطافت میں ایک دوسرے کے نظیر ہوں گے۔ یا یہ کہ (۲) دنیا میں روحانی طور پر جو لذتیں انسان حاصل کرتا ہے بہشت کی نعمتیں چونکہ انہی کے تمثلات ہوں گی۔ اس لئے جب وہ جنت میں ان نعمتوں کو حاصل کریں گے تو ان کو وہ لذات یاد آئینگی۔ جو دنیا میں روحانی طور پر ان کو حاصل تھیں۔ اور وہ کہینگے۔ هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (۳) اور ایک جنت صحابہ کو اس دنیا میں بھی ملا۔ احادیث میں دجلہ اور نیل کو جنت کی نہریں کہا گیا ہے۔ اور مسلمانوں نے ان ممالک کو فتح کیا اور ان کو عرب کی فتح کے بعد ان باغوں اور نہروں والے ممالک میں پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ جب وہ ایک ملک فتح کرتے تو اپنی شکر گذار طبیعت کی وجہ سے اللہ تعالٰے کے پہلے احسانات کو بھی یاد کرتے اور کہتے کہ

.. ..
.. ..
.. .. اللہ تعالٰے

کے فضل سے ایسی ہی بہت سی فتوحات ہم کو پہلے بھی مل چکی ہیں۔

(ج) لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ بعض لوگ ازواج کا ذکر پڑھ کر اسلامی جنت پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ ان کی نادانی ہے۔ انسان کے اندر جو طاقتیں خدا تعالٰی نے رکھی ہیں اگر وہ بری ہیں تو اس دنیا میں بھی بری سمجھنی چاہئیں۔ اگر اس دنیا میں ان طاقتوں کو برا نہیں کہا جا سکتا تو آخرت میں ان کو کیوں برا سمجھا جاتا ہے۔ جو طاقتیں روح میں رکھی ہیں ضرور ہے کہ وہ دوسرے عالم میں بھی انسان کے ساتھ رہیں۔ روح بلا جسم کوئی لذت اور راحت حاصل نہیں کر سکتی۔ ان کے لئے ذرائع ہیں جو لوگ محض ایک روحانی بہشت تجویز کرتے ہیں وہ تمام قوائے کو لغو قرار دیتے ہیں۔ دوسرے معنوں کے لحاظ سے (جو کہ بطن کے طور پر ہیں) اور اخروی جنت کے ثبوت کے لئے ہیں۔ تا کہ ان کے دنیا میں حاصل ہونے سے اخروی جنتوں کا دنیا میں ہی ثبوت مل جائے)۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ فتوحات کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے پاک بیویاں ہونگی یعنے جیسا کہ عام طور سے قاعدہ ہے کہ دولت کے ساتھ عیش و عشرت اور بدکاری بھی آجاتی ہے صحابہ کے گھر اس کے خلاف بدکاری سے پاک ہوں گے اور ان کی بیویاں نیک ہونگی۔

(د) وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ اخروی جنت کی کی نسبت تو فرمایا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود ۱۹ آیت) یعنے یہ نعمت کاٹی نہ جائیگی۔ یعنے کبھی کوئی جنت سے نکالا نہ جائیگا۔ اور اگر فتوحات مراد لو تب بھی کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اول تو خلود کے معنے ہمیشہ رہنے کے نہیں دوم جنت کا وعدہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے لئے تھا جبتک مسلمان ایسے رہے ان پر کوئی غالب نہ آسکا جب انہوں نے دین کو چھوڑ دیا تو ان جنتوں سے نکال دیئے گئے کیونکہ وعدہ مومنوں کے لئے تھا۔

۵۳ بَعُوْضَةً۔ بعوضہ کو تقلیل کے بیان کرنے کے لئے لاتے ہیں۔ جن الفاظ میں اس جگہ جنت کا بیان کیا گیا ہے وہ درحقیقت ان انعامات کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کو ملنے تھے۔ ایک بعوضہ کی طرح ہے یعنے نہایت قلیل اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جنت کی نہایت قلیل کیفیت جو اصل کے مقابل مچھر کے برابر ہے بیان کرنے سے رُکتے نہیں (کیونکہ کوئی زبان ان انعامات کو بیان نہیں کر سکتی) جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ دوسرے معنوں کے لحاظ سے اسکا یہ مطلب ہے کہ ہم مسلمانوں کو جو فتوحات ہونے والی ہیں ان کا ذکر مختصر الفاظ میں کرنے سے نہیں رُکتے (کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ پیشگوئیوں میں ایک حد تک اخفا بھی مدنظر رکھا جاتا ہے

تاکہ شریر و نیک میں فرق ہو)۔

(ب) فَوْقَ۔ کمی میں فوق یا زیادتی میں فوق

(ج) يَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ مومن یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے درست ہے یا یہ کہ انہیں ایمان ہے کہ جو پیشگوئی فتوحات کی کی گئی ہے اپنے وقت پر پوری ہو جائیگی۔ اور منشاء الٰہی ظاہر ہو جائیگا

(د) مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا۔ منکر یہ پیشگوئی سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مبہم باتیں ہیں۔ جنت کی تعیین نہیں کی گئی کہ کہاں ہے اور اسکی کیا کیفیت ہے۔ اور یہ نہیں بتلایا گیا کہ کب ملیگا تمہاری زندگی میں ملیگا یا تمہاری اولاد کو۔

(ہ) وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد توڑا اور رسول سے قطع تعلق کر لیا تو خدا تعالیٰ نے بھی قطع تعلق کر لیا فاسق کا لفظ قرآن مجید میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے (۱) کافر جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے (ا) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا (سجدہ ع ۲ آیت ۱۹)۔

(ب) اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ (سجدہ ع ۲ آیت ۲۰)

(۲) بدکار جیسے فرمایا (ا) فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ (البقرہ ع ۲۵ آیت ۱۹۸)

(ب) وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۵ م

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ (البقرہ ع ۳۹ آیت ۲۸۳)

(۳) خلاف کے منکر جیسے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ...... وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور ع ۷ آیت ۵۶) اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا خلافت کے منکر اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کا دوسرا نام خوارج ہے۔ اہل کتاب کو بھی فاسق کہا گیا ہے کیونکہ انکی کتاب میں اُن سے عہد لیا گیا تھا جس سے انہوں نے خروج کیا فسق کے لفظی معنے خروج کے ہیں لسان العرب میں ہے اَلْفُسُوْقُ الْخُرُوْجُ عَنِ الدِّيْنِ یعنے فسوق دین سے خروج کرنے کا نام ہے اَلْفِسْقُ الْعِصْيَانُ وَالتَّرْكُ لِاَمْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْخُرُوْجُ عَنْ طَرِيْقِ الْحَقِّ۔ یعنے

فسق نافرمانی اور خدا تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے اور سچے راستے سے خروج کرنے کا نام ہے۔ اور لکھا ہے وَتُسَمَّى الْفَارَةُ فُوَيْسِقَةً لِخُرُوْجِهَا لِاَجْلِ الْمَضَرَّةِ۔ یعنے چوہے کو فویسقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ضرر پہنچانے کے لئے خروج کرتا ہے اور عربی میں کہتے ہیں فَسَقَ اِبْلِيْسُ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ یعنے ابلیس نے اپنے رب کے حکم سے خروج کیا۔ اس آیت کریمہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو بے وجہ گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ جبقدر انسان فسق کرتا ہے گمراہی میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ فسق کی تشریح یہ کی کہ عہد الٰہی کو توڑنا جن سے تعلق کا حکم ہے ان سے قطع تعلق کرنا۔ فساد کرنا (اوپر کے تینوں معنے ان تینوں معنوں سے ہی نکلتے ہیں) اور فسق کی تشریح فرمائی کہ فاسق وہ ہوتے ہیں جو عہد کو توڑتے جن سے اللہ تعالیٰ نے تعلق رکھنے کا حکم دیا ہے ان سے قطع تعلق کرتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں فساد سب سے آخری درجہ ہے اور ان فعلوں کا نتیجہ ضلالت دوسری جگہ فرمایا ہے كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (المؤمن ع ۴ آیت ۳۵) پس اضلال بدی کا نتیجہ ہے اور چونکہ تمام افعال کے

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ
جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد اس کو پختہ کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ
اسے جسکی بابت حکم دیا ہے اللہ نے کہ جوڑا جائے اور فساد کرتے ہیں زمین میں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٢٧ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ
یہی لوگ خسارہ اٹھانیوالے ہیں لہ کس طرح تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم تھے

اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
بے جان پس اس نے زندہ کیا تمہیں پھر وہ مار دیگا تمہیں پھر جلائے گا تمہیں پھر اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ۝٢٨ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ
تم لوٹائے جاؤگے ٹہ وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ
پھر متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف تو اس نے درست کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر ایک

شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝٢٩ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ ع ٣ ٩
چیز کو خوب جاننے والا ہے ٹہ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے یقیناً میں بنانیوالا ہوں

فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ
زمین میں ایک خلیفہ انھوں نے کہا کیا تو بنائے گا اس میں جو فساد کرے گا

فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ
اس میں اور گرائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۷

نتائج اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے گمراہ کرنے کا فعل خدا کی طرف منسوب کیا گیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ خدا گمراہ کرتا ہے ؛

فوائد متعلقہ صفحہ ہذا

لہ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ۔ عہد اللہ کے نقض کا تعلق انسان کی ذات سے ہے قطع کا تعلق خاص سوسائٹی سے ہے اور فساد علیحدگی کے بعد دوسروں کو دکھ دینے کا نام ہے اور ان سب فعلوں کا نتیجہ خسارہ ہے۔ دنیوی رنگ میں جو شخص اپنے عہد کو توڑتا ہے لوگ اسپر اعتبار نہیں کرتے اس لئے وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کے لوگوں کے ساتھ جب وہ تعلق رکھیگا تو کامیاب ہوگا۔ اور جب ان سے تعلق توڑیگا۔ اور اُن کو چھوڑ دیگا تو اسے خسارہ ہوگا۔ اور جب وہ قطع تعلق کے بعد لوگوں کو دکھ دیگا اور فساد کریگا تو واجب القتل یا واجب الحبس ٹھہر کر خسارہ اُٹھائیگا۔ دینی رنگ میں بھی تینوں صورتوں میں خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ جو عہد کو پورا نہیں کریگا وہ فیض الٰہی سے محروم رہیگا۔ اسی طرح جب صلحاء اولیاء اور انبیاء سے تعلق توڑیگا یا جماعت سے علیحدہ ہوگا تو انعامات اور فواید سے محروم ہو جائیگا۔ اور جب مفسد بن کر دوسروں کو گمراہ کریگا تو خود ہدایت نہیں پائیگا۔ اَللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (اَلْبَقَرَة ۲۵ آیت ۲۰۶) نیز خدا کے ساتھ عہد ایمان اور احکام الٰہی کی اطاعت وغیرہ کا ہوتا ہے۔ ان کے نقض سے فیوضات الٰہیہ بند ہو جاتے ہیں۔ مگر ابھی امید ہوتی ہے کہ صادقین کی صحبت اور وعظ اور ان کے تعلق کے اثر سے پھر اصلاح ہو جائے اور فیوضات الٰہیہ پانے کے قابل بن جائے۔ تو جب ان سے بھی قطع تعلق کر لیتا ہے تو پھر یہ ذریعہ بھی

باقی نہیں رہتا لیکن ابھی یہ امید باقی ہے کہ عام لوگوں کی دعائیں لینے سے کبھی پھر فیض پانے کے قابل بن جائے۔ لیکن جب وہ زمین میں عام فساد کرتا ہے تو دعا کے بجائے بددعا ہی لیتا ہے اور یہ امید بھی نہیں رہتی تب اس کے حق میں قطعی اضلال ہوتا ہے۔

(ب) مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ۔ (۱) صلۂ رحمی (۲) صادقوں کا ساتھ دینا۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۳) اور اللہ تعالےٰ کی اور رسل اور اولی الامر کی اطاعت شامل ہے۔

۵ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ۔ کُفْرٌ بِالشَّيْءِ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک یہ کہ کسی شے کے وجود سے انکار کر دینا۔ دوم اس کے احکام یا اسکی طاقتوں کا انکار کر دینا۔ اس جگہ اس آیت کے معنے ہیں تم کس طرح اللہ تعالےٰ کی صفات اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہو۔ یعنی بعض صفات الٰہیہ کا رد کر دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کلام کا انکار کرتے ہو۔

(ب) اَمْوَاتًا۔ میت بے جان چیز کو کہتے ہیں (۱) انسان پہلے نطفہ کی حالت میں تھا۔ اور اس سے پہلے عناصر میں جو بے جان ہیں۔ اَلْمَوْتُ ضِدُّ الْحَيَاةِ (تاج العروس جلد اول)

(۲) فَاَحْيَاكُمْ۔ یعنے عدم سے وجود میں لایا۔

(۳) ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ یعنی تمہاری جانیں قبض کریگا۔ جس سے تمہاری اِس زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔

(۴) ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے

(۵) ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ سے حشر پایا جاتا ہے اس میں فرقہ چکڑالوی کا رد ہے جو قبر میں بہشتی زندگی اور عذاب کا منکر ہے۔ دوسری جگہ قبر کے عذاب اور حشر کے عذاب کی علیحدہ علیحدہ تصریح آچکی ہے۔ قوم فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المؤمن ع۵ آیت ۴۶) جس سے ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے بھی بدکاروں کو عذاب ملتا ہے اور وہی عذاب قبر ہے۔

ف اس آیت سے مسئلہ ارتقا کی صحیح کیفیت معلوم ہوتی ہے جسکو انگریزی میں ایوولیوشن کہتے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اس جہان کی طرح اگلے جہان میں بھی ارتقاء ہوگا اور نیک و بد انسان کے احساسات ترقی کرتے رہینگے۔ اور ایک حالت سے ترقی کرکے دوسری حالت پیدا ہوگی

۹ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ یعنے جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا گیا ہے وہ سب انسان کے نفع کے لئے ہے۔ ایک دوسری آیت میں بتایا ہے کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (جاثیہ ع۲ آیت ۱۴) یعنے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کی عادت رکھتے ہیں بہت سی علامتیں اور نشانات ہیں۔ یعنے وہ اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ کر بہت سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض کہ اس آیت میں مومن انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز لغو نہیں۔ بلکہ اس کی ادنےٰ سے ادنےٰ شے بھی مفید ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسے انسان کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اس پر غور کرے تو بہت سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری آیت کو ملا کر معلوم ہوتا ہے کہ صرف زمین ہی کی اشیاء نہیں۔ بلکہ زمین کے علاوہ دوسرے کرہ بھی انسان کیلئے بہت سے نفعوں کے موجب ہیں اور انسان ان سے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

(ب) سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ سماء کے معنے لغت میں لکھے ہیں سَمَاءُ كُلِّ شَيْءٍ اَعْلَاهُ یا یہ کہ كُلُّ مَا عَلَاكَ یعنے ہر چیز کا اوپر کا حصہ یا یہ کہ ہر شے جو تیرے اوپر ہو پس سبع سمٰوٰت کے معنے ہوں گے سات بلندیاں۔ ان بلندیوں کا چونکہ قرآن کریم نے ذکر نہیں کیا اس لئے ان کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی بلندیاں مراد ہو سکتی ہیں۔ اور دونوں معنے درست اور ٹھیک ہیں۔ اگر مادیات کو لیا جائے تب بھی اس آیت کے وہ دونوں معنے جو بلحاظ قواعد زبان عرب ثابت ہیں درست ہیں۔ اور اگر روحانیات کو لیا جائے تب بھی بالکل حق اور راست ہیں۔ پہلے معنوں کے لحاظ سے قرآن آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ بلندیوں میں سے سات کو اللہ تعالےٰ نے ضرورت کے مطابق

سزا پائینگے۔ نمبر ۲۶ میں بتایا کہ جس طرح جسمانی سلطنت کے فرمانبردار انعام پاتے ہیں اسی طرح اس شہنشاہ ارض و سما کے فرمانبردار انعام پائینگے نمبر ۲۷ میں ایسے انعامات کی تفصیلات نہ دینے کو حکمت پر مبنی فرمایا۔ نمبر ۲۸ میں بتایا کہ انبیاء پر سختی سے حملہ کرنے والے گستاخ سے پیش آنے والے وہی ہیں جو زمین میں فساد کرنے والے لوگ ہیں نمبر ۲۹ و ۳۰ میں ان دو اعتراضوں کا جو معترضین کلام اللہ پر کیا کرتے ہیں کہ (۱) عظمت الٰہی نزول کلام الٰہی کے منافی ہے۔ (۲) انسان کو کسی شریعت کی ضرورت نہیں یہ جواب دیا ہے کہ اگر عظمت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ بندوں سے ہمکلام نہ ہو تو پھر انسان کو پیدا ہی کیوں کرتا۔ جب اُسے اللہ نے افعال کا ذمہ دار اور جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا تو ضرور تھا کہ اس کی نجات کی تدبیر بھی کرے اور دوسرے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ تمام اشیاء انسان کے آرام اور اس کے عمل کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے بنائی ہیں۔ اب اس کے اعمال کو محدود کرنے اور اسے نفع رساں طریق پر چلانے کے لئے ضرور قواعد بھی اسی ذات بابرکات کی طرف سے مقرر ہونے چاہئیں ۔

بنایا یعنے ایسا کہ انسان اس سے بلا تکلف فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ پہلے جملہ میں بھی اسی بات کا اظہار ہے کہ دنیا میں جو اشیاء ہم نے پیدا کی ہیں۔ سب انسان کے نفع کے لئے ہیں۔ پس اس فقرہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ زمین کی اشیاء کو انسان کے لئے مفید بنا کر خدا تعالیٰ نے فضا میں سے سات ستاروں کو ایسا بنایا جو انسان کی ضرورت کے مطابق تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سات ستارے ایسے ہیں کہ جو ننگی نظر سے انسان کو نظر آتے ہیں۔ اور جن سے انسان ابتداء عالم سے فائدہ اُٹھاتا چلا آیا ہے۔ گو دوسرے کرے بھی انسان کے نفع کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بیان فرمایا ہے۔ مگر یہ سات خاص طور پر نفع رساں ہیں۔ کیونکہ بلا کسی دوربین کے نظر آتے ہیں اس لئے ہر راہرو اور مسافر ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح روحانیات میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قرب کی راہوں کو بے شمار قرار دیتے ہوئے ابتدائی ترقی کے مدارج سات ہی بیان کئے ہیں پس عالم روحانی کی بھی قریبی بلندیاں سات ہی ہیں۔ (۲) دوسرے معنوں کے لحاظ سے یعنے اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو اچھی طرح بنایا۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ زمین پر جو فضا ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے سات حصوں میں تقسیم کیا ہے

اور یہ معنے بھی بالکل درست ہیں۔ کیونکہ علم ہیئت ابھی ترقی کر رہا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی کس قدر نئے انکشافات ہونگے۔ اور نئے نئے ستاروں اور ان کے نئے نظاموں کا حال معلوم ہوگا۔ اسی طرح روحانی ترقیات کو دیکھیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بڑی تقسیم بھی سات حصوں میں ہی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں جنت کے سات درجے بتلائے ہیں۔ پس ایکے مطابق ضرور ہے کہ روحانی ترقیوں کی بڑی بڑی تقسیمیں بھی سات ہی ہوں۔ غرض دونوں معنوں کے مطابق جسمانی اور روحانی بلندیوں کی حالت اس میں بتائی گئی ہے۔ اور انسان کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ترتیب و ربط

آیت ۲۲ و ۲۳ میں اس طرف متوجہ کیا کہ جب خدا کے احکامات کے انکار کی سزا سخت ہے اور منافقت کی راہ بھی خطرناک ہے۔ تو خیر و برکت اسی تعلیم پر چلنے میں ہے جو قرآن شریف لایا۔ آیت نمبر ۲۴ میں اس تعلیم کے حق ہونے کی دلیل دی جو یہ ہے کہ جیسے خدا تعالیٰ کے اور افعال بے نظیر ہیں ایسے ہی اسکا یہ کلام ایسا ہے کہ تم اپنی مجموعی قوت اور اپنے معبودوں کی مدد سے بھی اس کی نظیر نہیں لا سکتے۔ آیت نمبر ۲۵ میں دوسری دلیل ہے کہ جیسے شاہی فرمان نہ ماننے والے سزا پاتے ہیں ویسے ہی اس کلام کے منکر

نُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ

ہم تقدیس کرتے ہیں تیرے لئے۔ فرمایا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ؎۱ اور سکھائے

ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

آدم کو نام سب پھر پیش کیا ان کو فرشتوں کے سامنے پس فرمایا

أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ۝۳۱ قَالُوا۟

بتاؤ مجھ کو ان کے نام اگر ہو تم سچے ؎۲ انھوں نے کہا

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ

تو پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں سوائے اسکے جو تو نے ہمیں علم دیا۔ یقیناً تو ہی بہت جاننے والا

الْحَكِيمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم

حکمت والا ہے ؎۳ فرمایا اے آدم بتا انھیں ان کے نام پس جب اس نے بتلائے انھیں

بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ

ان کے نام فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا یقیناً میں جانتا ہوں غیب آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝۳۳

اور زمین کا اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ؎۴

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کے لئے پس انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ۝۳۴ وَقُلْنَا يٰٓـَٔادَمُ

اس نے انکار اور تکبر کیا۔ اور وہ تھا کافروں میں سے ؎۵ اور ہم نے کہا اے آدم

؎۱ خلیفۃً۔ اس کے معنے ہیں وہ جو کسی کے پیچھے آئے یا جس کے پیچھے کوئی اور آئے۔ اور خلیفہ اسے بھی کہتے ہیں جو بادشاہ کے احکام اور اس کے قوانین کو جاری کرے۔ پس آدم کی نسبت خلیفہ کا لفظ استعمال کر کے اللہ تعالےٰ نے تین اُمور پر روشنی ڈالی ہے اول یہ کہ مخلوق کی ابتدا آدم سے نہیں ہے بلکہ آدم خود کسی پہلی مخلوق کا قائم مقام تھا جو اسکے بعد آیا تھا۔ دوسرے یہ بتایا ہے کہ آدم کی نسل بھی آگے چلیگی اور دنیا میں پھیل جائیگی۔ اس کا سلسلہ ختم نہ ہوگا تیسرے یہ کہ وہ نیک اور برگزیدہ ہوگا اور اللہ تعالےٰ کی بھیجی ہوئی شریعت پر لوگوں کو چلائیگا۔ (ب) أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اطلاع دی تو چونکہ منظم کی اسی جگہ پر ضرورت ہوتی ہے جہاں فساد کا خوف ہو اور ایسے لوگ بھی ہوں جو حدود اللہ کو توڑنے والے اور احکام کی نافرمانی کرنیوالے ہوں انھوں نے (اعتراض نہیں کیا بلکہ) سوال کیا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی ہمیں سمجھائی جائے جیسے ایک شاگرد اُستاد سے سوال کرتا ہے ❖

(ج) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ اور ہم آپکی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اور ہر ایک عیب سے آپکو پاک سمجھتے ہیں اس قول میں انہوں نے خود تشریح کردی کہ ہم اعتراض نہیں کرتے۔ کیونکہ معترض تو دوسرے کی غلطی ظاہر کرتا ہے۔ اور ہم تو آپ کو غلطی سے پاک سمجھتے ہیں پس ہمارا سوال اپنے علم کی زیادتی کے لئے ہے نہ اعتراض کے طور پر ❖

(د) إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں ایک ایسی حکمت ہے جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ میں ہی اس سے واقف ہوں ❖

فوائد متعلقہ صفحہ ہذا۔ ؎۲ وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ اسجگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ نام کس چیز کے سکھائے لیکن قرآن کریم پر اگر ہم غور کریں تو ایک اسماء ایسے معلوم ہوتے ہیں جن سے مومن انسان کو واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ان کی واقفیت کے بغیر انسان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ بھی کہ انسان خود وہ اسماء نہیں بنا سکتا بلکہ اللہ تعالےٰ ہی سکھائے تو سکھائے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا

ہونے کا ہے۔ اس لئے اس آیت میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے مُراد صفات الٰہیہ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے۔ کہ آدم کے اندر ہم نے ارادہ اور تصرف اور وہ استعدادیں پیدا کیں۔ جن سے وہ سب صفات الٰہیہ کو سمجھنے اور ان کا مظہر بننے کے قابل ہوجائے اور پھر اُسے صفات الٰہیہ کا علم عطا فرمایا۔ کیونکہ جب تک کسی بات کو سمجھنے کی استعداد نہ ہو۔ اس کا سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔

(ب) ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔ اس کے بعد ملائکہ کے سامنے آدم کو اور اسکی نسل کو پیش کیا۔ اور ان سے پُوچھا کہ اگر تمہارا یہ خیال درست تھا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے سے ایک ایسی مخلوق بھی ضرور پیدا کی جائے گی جس کا انتظام اسکے سپرد ہوگا۔ اور جو اس قابلیت کی ہوگی کہ نیکی کے ساتھ بدی بھی کرینگے تو بتاؤ کہ کیا تم صفات الٰہیہ کے کامل مظہر بن سکتے ہو۔ اور تمہارے ذریعہ سے میری تمام صفات کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اور کیا تم ان صفات کو بیان کر سکتے ہو جو آدم اور اسکی اولاد میں رکھی گئی ہیں۔ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ انسان کا پیدا کرنا بھی نہایت ضروری تھا ٭

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ اعراف ۲۳ آیت ۱۸۱) یعنے اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت پاک صفات ہیں پس تم ان صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی صفات اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں وہ لوگ اپنے اعمال کا بدلہ بہت جلد دیئے جائینگے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم کا لفظ صفات الٰہیہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مومن کو واقف ہونا چاہیئے۔ اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگنی چاہئیں یعنی جس قسم کی دُعا ہو اس کے مطابق صفت الٰہیہ سے اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ مثلاً رحم مانگنا ہو تو یا رحیم کہکر پکارو بخشش چاہتی ہو تو یا غفار کہکر۔ پاکیزگی اور نیکی کی دُعا کرنی ہو تو یا سبوح یا قدوس یا حمید کہہ کر دعا مانگو۔ اسی طرح اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے پاس سے اسماء الٰہیہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ جو لوگ اپنی عقل سے بلا خدا تعالےٰ کے فرمانے کے خدا تعالیٰ کی بعض صفات بنا لیتے ہیں۔ ان پر عذاب کا وعدہ دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے اسماء الٰہیہ نہیں بنا سکتے۔ اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک ایسے اسماء بھی ہیں جو انسان کے لئے جاننے ضرور ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہی وہ اسماء سکھاتا ہے دوسرے کا حق نہیں کہ اپنی عقل سے انہیں تجویز کرے۔ پس بالکل قرین قیاس ہے کہ اس جگہ آدم کو اسماء سکھانے سے مُراد یہی ہے کہ آدم کو کل صفات الٰہیہ کا علم دیا اور جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان اور ملائکہ کا بڑا فرق بھی قرآن کریم کے بتائے ہوئے اُصول کے مطابق یہی ہے کہ انسان کل صفات الٰہیہ کا مظہر ہے۔ اور ملائکہ صرف بعض صفات کے مظہر ہیں تو اس خیال کی تقویت اور بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ملائکہ ان اسماء سے واقف نہ تھے۔ اور ایسے اسماء جن کا کامل علم ملائکہ کو نہیں اور انسان کو ہے وہ صفات الٰہیہ ہی ہیں۔ کیونکہ ملائکہ کی نسبت قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ جو ان کو کہا جاتا ہے وہ کرتے ہیں۔ پس ملائکہ ارادہ اور تصرف کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ جس طرح دنیا کے دوسرے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف وسائل رکھے ہیں مثلاً آواز کے پہنچانے کے لئے ہوا اور آنکھ کی طاقت بینائی کو کارآمد بنانے کے لئے بیرونی روشنی۔ اسی طرح بعض باریک مطالب کے پورا کرنے کے لئے ملائکہ بھی ایک واسطے کے طور پر ہیں نہ کہ اپنے ارادہ اور تصرف سے آزادانہ کام کرنے والی کوئی مخلوق۔ لیکن انسان میں ارادہ اور تصرف پایا جاتا ہے پس انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو کل صفات الٰہیہ کا مظہر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔ یعنے اللہ تعالےٰ کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو یعنے تمہارے اعمال صفات الٰہیہ کا نقشہ ہوں۔ جس طرح اللہ تعالےٰ رحم کرتا ہے تم بھی رحم کرو جس طرح وہ بخشتا ہے تم بھی بخشو۔ جس طرح وہ پردہ پوشی کرتا ہے تم بھی پردہ پوشی کرو۔ جس طرح وہ کمزوروں کی حفاظت کرتا ہے تم بھی کرو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ انسان کے اندر ایسی طاقتیں رکھی گئی ہیں جن سے وہ صفات الٰہیہ کو اپنے نفس میں جاری کر سکتا ہے پس قرآن کریم و حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم اور ملائکہ میں بہت بڑا فرق صفات الٰہیہ کے مظہر ہ[...]

۵۳ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ چونکہ فرشتوں کی پیدائش ہی ایسی تھی کہ وہ سب صفات الٰہیہ کا مظہر نہیں بن سکتے تھے انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم تو جو کچھ آپنے ہمیں سکھایا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے۔ اور اس قول کے ساتھ انہوں نے اقرار کیا کہ وہ تمام صفات کے مظہر نہیں ہو سکتے ٭

۵۴ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے کہا کہ وہ ان سب صفات کا اظہار کرے جو انسانوں کے اندر رکھی گئی ہیں اور فرشتوں کو بتائے کہ اس کی طاقتیں کیسی وسیع ہیں۔ چنانچہ آدم نے کل صفات کا مظہر ہو کر بتا دیا کہ اللہ تعالےٰ کی شان اور جلال کے ظاہر کرنے کے

لئے ایک ایسی مخلوق بھی ہونی چاہیئے تھی۔ جو اللہ تعالےٰ سے ارادہ اور تصرف کی طاقت پکر اپنی طاقتوں کو اپنے ارادہ کے ماتحت لگائے۔ اور ہدایت یا گناہ کی راہ کو بلا جبر قبول کرے ۞

(ب) وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو تمہاری قوتیں ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں انکو میں جانتا ہوں یعنے سب سے اعلیٰ مخلوق تم ہو۔ تم بھی وہ کام نہیں کر سکتے تھے جو انسان کرے گا کیونکہ وہ مظہر صفات الٰہیہ ہو گا۔ بعض دفعہ ایک مفہوم کی شابہت کی وجہ سے ایک لفظ کو استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اس جگہ بھی "جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو" سے یہ مراد نہیں کہ تم بیان کرتے اور دل میں پوشیدہ رکھتے ہو۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ "جو تمہاری ظاہر قوتیں ہیں اور جو پوشیدہ ہیں" ۞

ف۔ آدم کے اس واقعہ میں فرشتوں اور اللہ تعالےٰ اور پھر آدم کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لئے کوئی ضروری نہیں۔ کہ بالکل اسی طرح واقع ہوا ہو۔ بلکہ بعض دفعہ واقعات سے جو نتیجہ نکلتا ہے اُسے قول کے رنگ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ وہ اشیاء جو بولنے سے معذور ہیں ان کی نسبت بھی ایسے لفظ بول دیتے ہیں کہ فلاں چیز نے یوں کہا۔ اور اس کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ اس میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ۔ قالت له العينان سمعاً و طاعةً۔ یعنے اس کی دونوں آنکھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کی بات سُنی۔ اور اس کی اطاعت کرینگی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ نہ آنکھیں بات سمجھتی ہیں اور نہ جواب دیتی ہیں۔ لیکن چونکہ انسان کے دل میں جوش گریہ پیدا ہوتے ہی وہ رو پڑتی ہیں۔ اس لئے شاعر نے کہدیا کہ انھوں نے بات سُنکر جواب بھی دیا کہ ہم آپ کی بات ماننے کے لئے تیار ہیں اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بموجب قواعد عرب آدم کے واقعہ میں جو مکالمہ بیان کیا گیا ہے یہ حالات کا نقشہ ہی ہو ۞

۵ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ آدم کو سجدہ کرو۔ کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز و درست نہیں قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (سورۃ حٰم سجدہ ۴۱۔ آیت ۳۸) یعنی .. .. سجدہ کرو نہ چاند کو نہ سورج کو بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کو جو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دینا تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ سو اس جگہ حرف لؔ کے معنے ہیں کے لئے یا واسطے۔ اور اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جنے آدم کو پیدا کیا تو اس اظہار جلال و قدرت کی وجہ سے سجدہ کرو۔ کس کو کرو یہ قرآن کریم نے کھولکر بتا دیا ہے کہ سجدہ صرف اللہ تعالےٰ کے ہی لئے ہے۔

ف۔ سجدہ کے معنے عربی میں اطاعت اور فرمانبرداری کے بھی ہوتے ہیں۔ ان معنوں کے رو سے آدم ہی کو سجدہ کرنے کا حکم ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو یعنے اصلاح کا وہ کام جو آدم دنیا میں کرے گا۔ اس میں اس کی مدد کرو اور اسکی قبولیت لوگوں میں پھیلاؤ۔ چنانچہ اس لحاظ سے کل انبیاء اور مُرسلین کی فرمانبرداری کا ملائکہ کو حکم ہوتا ہے۔ اور وہ ان کے کام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اور سعادتمند روحوں کو ان کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں ۞

(ب) اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا۔ کیونکہ ملائکہ کی نسبت اللہ تعالےٰ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ (سورۃ تحریم ۶۶ آیت ۷) وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف نہیں کرتے۔ اور جو کچھ انہیں کہا جائے وہی کرتے ہیں پس ابلیس ملائکہ میں شامل نہ تھا اس اعتراض کا جواب کہ اگر ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا تو سجدہ کا حکم تو ملائکہ کو ہوا تھا اس پر کیوں ناراضگی ہوئی یہ ہے کہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (سورۃ اعراف ۷ آیت ۱۳) یعنے جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو تونے سجدہ کیوں نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اگر علیحدہ حکم نہ بھی ہو۔ تب بھی ملائکہ کو حکم دینے میں باقی سب کو حکم آجاتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ کو جو حکم دیا جاتا ہے۔ وہ اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگوں میں اُسے جاری کریں۔ پس ملائکہ کو حکم دینا سب مخلوق کو حکم دینا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرتا ہے۔ وہ ضرور دکھ پاتا ہے ۞

اُسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ وَكُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَيۡثُ

رہ تو اور تیری بیوی باغ میں اور دونو کھاؤ اس میں سے بافراغت

شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ

جہاں سے چاہو اور مت پاس جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے

الظّٰلِمِيۡنَ ۝٣٦ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا

ظالموں میں سے ۵۱ پس پھسلایا انہیں شیطان نے اس سے پس نکال دیا انہیں

مِمَّا كَانَا فِيۡهِ ۖ وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ

اس میں سے جیس وہ تھے اور ہم نے کہا نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو

وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۝٣٧ فَتَلَقّٰٓى

اور تمہارے لئے زمین میں قرارگاہ اور سامان ہے ایک وقت تک ۵۲ پس پائے

اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات تب وہ مہربان ہوا اسپر یقیناً وہی بڑا

التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝٣٨ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ

مہربان رحیم ہے ۵۳ ہمنے کہا نکل جاؤ یہاں سے سب

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ

پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو کوئی پیروی کریگا میری ہدایت کی

فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝٣٩

سو نہ خوف ہوگا ان کو اور نہ وہ غم کھائیں گے ۵۴

۵۱ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ

ہرایک باغ اور درخت والے علاقہ کو جنت کہتے ہیں اسی وجہ سے مابعدالموت جس مکان میں مؤمنوں کو رکھا جائے گا۔ اس کا نام بھی جنت ہے کیونکہ وہاں بھی انسان کے روحانی اور جسمانی ہرقسم کے آرام کے سامان مُہیّا کئے جائینگے اور وہ مقام ہرایک قسم کی تپش سے درختوں کے سایہ اور رحمت آلٰہی کے ظل کے ساتھ محفوظ ہوگا۔ اسجگہ جنت سے مُراد وہ مقام نہیں جو مرنے کے بعد ملتا ہے کیونکہ اس کے متعلق خود قرآن کریم نے سورہ حجر کی آیت ۴۹ میں آدم کے ہی قصہ میں بتایا ہے کہ وہاں سے کوئی شخص داخل ہونے کے بعد نکالا نہیں جاتا۔ لیکن اس جنت سے حضرت آدم کو نکلنا پڑا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آدم کو اسی دنیا کے کسی سرسبز مقام میں رکھا گیا تھا۔ اس رکوع کی پہلی آیت اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم کو اسی زمین پر رکھا گیا تھا۔ تازہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ عدن جہاں بائبل کے بیان کے مطابق آدم کو رکھا گیا تھا۔ بابل کے پاس واقع تھا۔ اور اس کے کچھ کچھ نشان مل گئے ہیں ٭

(ب) هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ شجرہ کی تعیین چونکہ اللہ تعالٰے نے نہیں کی۔ اس لئے ہم کسی خاص شجرہ کی تعیین تو نہیں کر سکتے۔ لیکن بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم کا درخت تھا کیونکہ اس کے کھانے سے انسان کو نیک و بد کا علم حاصل ہوگیا مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کے کھانے سے آدم اور اس کی بیوی ننگے ہوگئے۔ اور یہی بات درست ہے کیونکہ انسان کو تو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ علم سیکھے۔ علم سے محروم کرنا تو اس کی پیدائش کی غرض کے خلاف تھا خود کتاب پیدائش سے ظاہر ہے کہ دنیا کے جانوروں اور دیگر اشیاء کے نام آدم نے خود رکھے۔ پس آدم کو علم سے محروم رکھنا ہرگز منشاء آلٰہی نہ تھا تا اُسے معرفت کے درخت سے روکا جاتا بلکہ جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے وہ ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے آدم نے ایک کمزوری کا اظہار کیا

اس اختلاف کو چھوڑ کر اساًبات میں بائبل اور قرآن کریم متفق معلوم ہوتے ہیں کہ وہ درخت حقیقی درخت نہ تھا بلکہ درخت سے مراد کوئی اور شے ہے کیونکہ معرفت کا درخت یا وہ درخت جس کو کھا کر انسان کی کمزوری ظاہر ہو کوئی موجود نہیں پس درخت سے مراد ضرور کوئی اور شے ہے۔ اور چونکہ لغت عرب میں شجر لڑائی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں بیان ہے کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (سورہ نساء ع ۹ آیت ۶۶) یعنے تیرے رب ہی کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ بنینگے۔ جب تک کہ تجھے اپنے ہر ایک جھگڑے میں حکم نہ بنائیں۔ اس آیت میں شجر لڑائی کے معنے میں آیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں دو اور شجروں کا بھی ذکر ہے۔ ایک شجرہ طیبہ اور دوسرا شجرہ خبیثہ۔ پاک باتوں اور پاک شریعت کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور گندی باتوں اور ناپاک خیالات کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے۔ قرآن کریم کی ان دونوں تشریحوں کے مطابق اس آیت کے یہ معنے ہونگے کہ آدم کو آپس میں لڑائی جھگڑے سے منع کیا۔ دوسرے یہ کہ جو باتیں ان سے اس کو روکا کیونکہ گو اس جگہ یہ نہیں بتایا گیا کہ شجرہ طیبہ سے روکا یا شجرہ خبیثہ سے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ شجرہ خبیثہ سے ہی روکتا ہے۔ اس لئے اس شجرہ سے مراد ناپسند باتیں اور مکروہ خیالات ہی ہو سکتے ہیں ۔

(ج) فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ۔ ظلم (جس سے ظالم اسم فاعل کا صیغہ ہے) کے تین معنے ہیں ۔

(۱)۔ وضع الشئ فی غیر محلہ۔ یعنے جس موقع پر کوئی بات کرنی چاہیئے وہاں نہ کرنا (۲) استنقاص الحق یعنی کسی کا حق کم کر دینا۔ جور یعنے تعدی۔ اسجگہ چونکہ پہلے ایک حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے توڑنے پر ظلم کا لفظ بولا گیا ہے اس لئے پہلے معنے ہی چسپاں ہوں گے۔ اور اس جملہ کا یہ مطلب ہو گا کہ شجرہ کے قریب جانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم اس جماعت میں شامل کئے جاؤ گے۔ جس کے کام موقع و محل پر نہیں ہوتے۔ اور جو کام نہ کرنے مناسب ہوں ان کو کر لیتے ہیں۔ اور جو کام کرنے مناسب ہوں ان کو ترک کر دیتے ہیں ۔

۵۲ مِمَّا كَانَا فِيهِ۔ یعنے آدم کو ایک ہلاک ہونے والی ہستی نے اس مقام سے ہٹا دیا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے انکو کھڑا کیا تھا۔ اور ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ جنمیں کہ وہ تھے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آدم کو دکھ دینے والی ہستی کا نام اس آیت میں شیطان رکھا گیا ہے۔ اور ابلیس کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے۔ اور یہ بات اسی مقام سے مختص نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں انکار سجدہ اور تکبر کا ذکر آیا ہے وہاں ابلیس کا ذکر ہے اور جہاں کہیں آدم کو شجرہ کے کھانے کی ترغیب دینے والے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس کا نام شیطان رکھا ہے۔ ابلیس نہیں رکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شیطان کوئی اور شے ہے۔ اور ابلیس کوئی اور۔ اس فرق کی وجہ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابلیس تو اس خاص خبیث روح کا نام ہے جو شریروں اور بدکاروں کو جب وہ اپنی بدی میں ترقی کر جائیں۔ بدی کے خیالات کی تحریک کرتی ہے۔ جس طرح ملائکہ نیکی کی تحریک کرنیوالے ہیں۔ لیکن شیطان ہر ہلاک ہونے والی اور حق سے دور شے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ ابلیس ہو خواہ کوئی انسان ہو خواہ کوئی موذی جانور ہو آدم کو شجرہ کے قریب جانے کی تحریک کرنے والی ہستی کا نام ابلیس کی بجائے شیطان رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ کوئی اور ہستی تھی۔ ابلیس نہ تھا۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (سورۃ حجر ع۳ آیت ۴۳) یعنے میرے بندوں پر تجھے کبھی غلبہ نہ ہو گا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ابلیس کو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور نیک بندوں پر کوئی تصرف نہیں پس آدم کو دکھ میں ڈالنے والا ابلیس نہ تھا۔ بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کا صفاتی نام اللہ تعالیٰ نے شیطان رکھا ہے۔ اس نے آدم کو کوئی ایسا دھوکا دیا کہ جس کی وجہ سے آدم نے سادگی سے کوئی ایسا کام کیا جس سے وہ دکھ میں پڑ گیا۔ اور اس کی باامن زندگی خطرات میں پڑ گئی۔ اور وہ آرام جاتا رہا جو اُسے پہلے حاصل تھا ۔

(ب) اِهْبِطُوا۔ ہبط کے معنے عربی زبان میں کسی جگہ ۔ ۔ ۔ اُترنے کے ہیں۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس جنت میں وہ رہتے تھے۔ اس سے نکلنے کے بعد ان کو کسی اور مقام میں اُترنے کا حکم ہوا۔ لیکن ہمیشہ اس لفظ کے یہی معنے نہیں ہوتے بلکہ کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہتے ہیں ہبط الرجل من بلد الی بلد۔ وہ آدمی ایک شہر سے دوسرے شہر میں گیا۔ ہبط فلانٌ ارض کذا۔ فلاں شخص فلاں ملک میں گیا۔ اور جب کوئی آدمی بازار میں آئے تو کہتے ہیں۔ ہبط السوق۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔ وقال المفضل ھو الخروج من البلد والدخول فیھا من الاضداد یعنی ہبوط کے معنے شہر سے نکلنے کے اور شہر میں داخل ہونے کے بھی ہیں سورہ اعراف آیت ۱۴ میں شیطان کے لئے پہلے فَاهْبِطْ فرمایا ہے۔ اور پھر اسی ہبوط کو فَاخْرُجْ کہکر خروج کے لفظ سے بیان فرمایا ہے ۔ (۲) اہبطوا جمع کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت تک حضرت آدم اور حوا کی نسل ہو گئی تھی ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
اور جو انکار کرینگے اور جھٹلائیں گے ہمارے نشانوں کو وہ آگ والے ہوں گے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؏ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
وہ اس میں رہا کرینگے ۳۹ اے اسرائیل کے بیٹو یاد کرو میری نعمت

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ
جو ببخشی تم پر کی اور پورا کرو میرا عہد میں پورا کردوں گا تمہارا عہد

اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا
مجھ سے ہی ڈرو ۴۰ اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا ہے پورا کرنے

لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا
والا اس کا جو تمہارے ساتھ ہے اور مت ہو پہلے منکر اس کے اور مت خریدو میرے

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا
نشانوں کے بجائے تھوڑا مول اور مجھ سے ہی ڈرو ۴۱ اور مت پردہ ڈالو

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
حق پر باطل کا اور مت چھپاؤ حق کو جبکہ تم جانتے ہو ۴۲

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ
اور نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں

الرّٰكِعِيْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
کے ساتھ رکوع کرو ۴۳ کیا تم لوگوں سے کہتے ہو نیکی کو اور بھلاتے ہو

ع

۳۶ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۱) اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص آسمان پر نہیں جا سکتا۔ پس قرآن کریم ان لوگوں کو غلطی پر بتاتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر قرار گزین ہیں (۲) یہ کہ آدم کو نصیحت کی کہ دیکھو دنیا میں دن گذارنے ہیں سنبھل کر رہنا (۳) مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یعنی یونہی بیکار نہ رہنا بلکہ آخرت کیلئے سامان کرتے رہنا

۳۷ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت آدم کو شیطان نے دھوکہ دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انکو انکی غلطی سے آگاہ کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورہ اعراف ۲ آیت ۲۴) یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو ہماری غلطی کو معاف نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائینگے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہی دعا انہوں نے سیکھی تھی۔

ف اس آیت میں ایک لطیف بات بتائی گئی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کی جاذب زیادہ تر وہی دعائیں ہوتی ہیں جو وہ خود سکھلاتا ہے۔ بہت سے انسان اپنی طرف سے دعائیں بناتے ہیں لیکن وہ ایسی ناقص اور لغو ہوتی ہیں کہ بعض اوقات وہ دعاؤں کی بجائے بددعاؤں کا مفہوم ادا کرتی ہیں۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے الفاظ میں دعا مانگے ہی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا مضبوط تعلق پیدا کرے کہ جب وہ کسی مصیبت یا مشکل میں گرفتار ہو تو آدم اور دوسرے بزرگوں کی طرح اللہ تعالیٰ خود ہی اُسے وہ دعا سکھلا دے جسکے مانگنے سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو حاصل کر سکے۔

۳۸ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى۔ اس آیت میں وعدہ کیا ہے کہ آدم کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہینگے جو لوگوں کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلاتے رہینگے اور ایسے لوگ جو ہدایت کو مان لینگے وہ اسی دنیا میں جنت میں آ جائینگے یعنے انکے دلوں میں ایسی ایمانی قوت پیدا ہو جائیگی کہ ہر حالت میں انکے دل مطمئن رہینگے۔ اور خوف یعنی آئندہ کا ڈر اور حزن یعنے پچھلے نقصانات پر افسوس اور آئندہ نقصانات کا خطرہ ان کو غمگین نہ کر سکیگا بلکہ ان کا دل جنت کا قائم مقام ہو جائیگا اور بابعد الموت اللہ کے وارث ہونگے۔

(ب) وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ خلود کے معنے ہیں ایک لمبا عرصہ رہنا۔ دیکھو کلیات ابی البقا وَفِي الْأَصْلِ الثَّبَاتُ الْمَدِيْدُ دَامَ أَمْ لَمْ يَدُمْ یعنے خلود کے اصل معنے ایک لمبا عرصہ تک رہنے کے ہیں خواہ ہمیشہ رہیں یا نہ رہیں۔ یہ معنے نہیں کہ وہ ہمیشہ رہینگے۔ اسلام دائمی عذاب کا قائل نہیں۔ بلکہ وہ دوزخ کو ایک شفاخانہ کی طرح قرار دیتا ہے۔ جسمیں لوگ صرف اصلاح کے لئے داخل کئے جائینگے۔ اسلام کا خدا غیظ اور کینہ کے طور پر انتقام نہیں لیتا۔ بلکہ وہ سزا کی یہ وجہ بیان فرماتا ہے۔ کہ انسان کی اصلاح ہو جائے۔ جب یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔ تو عذاب ٹل جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اس میں کوئی بھی دوزخی نہ رہیگا اور نسیم اسکے دروازے ہلائیگی۔

(ف) گو یہ واقعہ کسی پچھلے زمانہ میں انسانی نسل کے کسی خاص جد کے ساتھ بھی گذرا ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کے بیان فرمانے میں ایک ایسا رنگ اختیار کیا ہے۔ جس سے ہر ایک مسلمان نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتوں کا ذکر بطور قصہ کے نہیں کیا۔ بلکہ ایسے الفاظ میں ان کو ظاہر کیا ہے۔ جنہیں ہر انسان اپنے پر چسپاں کر سکے مثلاً یہ کہ اسماء کی نسبت نہیں بتایا کہ وہ کیا تھے نہ شجرہ کی نسبت بیان کیا کہ وہ کونسا تھا۔ پھر جہاں آدم کو بہکانے والے کا ذکر ہے وہاں ابلیس کی جگہ شیطان کا لفظ رکھدیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے لیئے نصیحت اور فائدہ کا موجب ہو اور ایسا نہ ہو کہ وہ ایک قصے کے طور پر اسے پڑھیں۔ ہر ایک انسان جو پیدا ہوتا ہے وہ آدم ہے۔ ملائکہ کو جو دنیا کے روحانی نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لئے ایک واسطہ کے طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔ انہیں اسکی مدد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ملائکہ جن اشیاء کے نگران ہیں وہ سب انسان کی مدد کرتی اور اسکی زندگی کو بآرام بنانے میں کارآمد ہوتی ہیں۔ لیکن بعض شریر لوگ دوسرے بھائیوں کا سکھ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ شیطان بنکر ان کو اس روحانی جنت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو ہر ایک انسان کو اسکی پیدایش سے ملا ہے۔ اور بہت کچھ دکھ دیتے ہیں۔ لیکن وہ جو آدم کی طرح اپنے رب کے حضور جھکتا ہے۔ اور اس سے اپنی مصیبت کے دور کرنے کی التجا کرتا ہے۔ آخر کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور ہر خوف و حزن کی حد سے باہر نکل جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ آدم کے نقش قدم پر نہیں چلتے۔ بلکہ ابتلاؤں میں اُن کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اور شیطان سے صلح کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کو رد کر دیتے ہیں۔ وہ دکھ میں پڑ جاتے اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ہر ایک سورج جو چڑھتا ہے۔ اس واقعہ کو بار بار دہرا رہا ہے۔ لیکن نادان انسان جو خود ہزاروں خطرناک بدیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ آدم پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ اس نے شیطان کا کہنا کیوں مانا۔ حالانکہ آدم بھول کر ایک غلطی کا مرتکب ہوا تھا اور یہ معترض اپنے دل میں شیطان کو لئے بیٹھا ہوتا ہے اور آدم پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔

(۲) بعض مفسرین نے اصل حقیقت سے قطع نظر کر کے اس جگہ عجیب عجیب قصے ایزاد کئے ہیں۔ جن کی صحت کا ثبوت نہ قرآن مجید سے ملتا ہے نہ احادیث صحیحہ سے۔ پس ان کی طرف توجہ نہیں ہونی چاہئے اور نہ غیر مذاہب کیطرف سے ان کی بنا پر کوئی اعتراض قرآن مجید پر آسکتا ہے۔

ترتیب و ربط پچھلے رکوع میں جو انسان کے لئے ایک قانون و ہدایت نامہ کی ضرورت بتائی ہے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر یہ ہدایت اس زمانہ میں کیوں نازل ہوئی۔ کیوں نہ ابتدائے پیدائش انسانی یا اس کے متمدن بننے کے وقت یکدم نازل ہو گئی۔ سو اسکا جواب دیا ہے کہ ابتدا میں بھی اس وقت کے انسانوں کے مناسب حال ہدایت نازل ہوئی۔ پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہنا چاہئے تھا۔

۵۲ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہوئیں اُن کا اللہ تعالےٰ نے خود قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے۔ اور وہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَاِذْ قَالَ

خدا تعالے کا جلال کوہ سینا یا حورب پر ظاہر ہو رہا تھا خطرناک بجلی چمک رہی تھی۔ اور مہیب آوازیں آرہی تھیں جسے دیکھ کر بنی اسرائیل جو دامن کوہ میں کھڑے تھے۔ اور خدا تعالے سے عہد باندھنے کیلئے اپنے خیموں سے باہر نکل کر دامن کوہ میں کھڑے تھے ڈر گئے۔ اور انہوں نے حضرت موسٰے سے کہا کہ ہم اس کلام کو نہیں سنتے تو خدا سے سن کر ہمیں سنا دیا کر۔ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کہیں مر نہ جائیں (خروج ۲۰: ۱۹)۔ اس پر خدا تعالیٰ نے حضرت موسٰے سے کہا کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اچھا کہا ہے جب تک یہ ان احکام پر کاربند ہوں گے برکت پائیں گے۔ لیکن آئندہ جب کوئی نبی تیری مانند کھڑا کیا جائیگا (یعنے صاحب شریعت ہوگا) تو وہ اُن کے بھائیوں میں سے ہوگا (یعنے ان میں سے نہ ہوگا۔) گو حضرت موسٰے نے کہا ہے کہ تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے نبی کھڑا کیا جائیگا (استثناء ۱۸: ۱۵) لیکن اول تو یہ خدا تعالے کے اس کلام کے خلاف ہے۔ جو اس نے موسٰے سے کیا۔ کیونکہ اس میں "تم میں سے" کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہی ہے کہ تیرے بھائیوں سے۔ دوم یہ فقرہ ہی بے معنے ہے۔ کہ تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے۔ جبکہ اس کلام کے سب بنی اسرائیل مخاطب تھے۔ تو پھر تم میں سے کہکر تمہارے بھائیوں میں سے کہنا لغو تھا۔ جب بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا جائیگا کہ تمہارے بھائیوں سے نبی کھڑا کیا جائیگا۔ تو وہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم میں سے ہوگا۔ نہ ان میں سے۔ اور اگر ان میں سے

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ مائدہ آیت ۲۱) یعنی یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرتے رہو جو اس نے تم پر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے اُس نے نبی بھیجے ہیں۔ اور تم کو اس نے بادشاہ بنا دیا ہے۔ اور تم کو وہ کچھ دیا ہے جو دنیا میں اور کسی کو نہیں دیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلٰے سے اعلٰے انعامات نبوت اور بادشاہت ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں بنی اسرائیل کو ملیں۔ مسلمانوں سے بھی اللہ تعالٰے نے وعدہ کیا ہے۔ کہ تم کو وہ سب انعامات جو بنی اسرائیل کو ملے تھے ملینگے۔ چنانچہ یہ وعدہ بھی لفظ بلفظ پورا ہوا اور امت محمدیہ میں کئی بادشاہ ہوئے۔ اور کئی اولیاء محدث اور ایک وہ بھی جو قرآن مجید و احادیث صحیحہ کی پیشگوئی کے مطابق نبی اللہ ہے۔ یعنے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(ب) اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ پیدائش باب ۱۷ میں حضرت ابراہیم سے اللہ تعالٰے نے ایک عہد کیا ہے۔ اور اسکا نشان ختنہ مقرر کیا ہے۔ جو دل کی پاکیزگی کی ظاہری علامت تھی۔ اور اس عہد پر قائم رہنے پر ان کی اولاد کے ساتھ بڑے بڑے وعدے کئے گئے تھے۔ اور ابراہیم کی برکات کا وارث قرار دیا تھا۔ لیکن یہود نے اس عہد کی ظاہری صورت تو قائم رکھی مگر باطنی صفائی جو اصل مقصود تھی ترک کردی۔ آگے مسیحیوں نے ظاہر و باطن دونوں کو ترک کر دیا اور اس وعید کے نیچے آگئے کہ "وہ فرزند نرینہ جسکا ختنہ نہیں ہوا وہی شخص اپنے لوگوں میں سے کٹ کیا جائے کہ اسنے میرا عہد توڑا" پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۴۔

حضرت ابراہیم کے بعد بنو اسحاق میں سے بنو اسرائیل کے ساتھ حضرت موسٰے کے وقت نیا عہد باندھا گیا۔ یہ عہد ایسا مشہور و معروف ہے۔ کہ خود بائبل میں بیسیوں جگہ اس کا ذکر آتا ہے۔ اور بار بار اسے عہد کے نام سے پکارا گیا ہے۔ خروج ۲۰۔ اور استثناء ۵ و ۱۸ آیت ۱۸ و ۱۹ کو ملاکر معلوم ہوتا ہے کہ سینا پہاڑ پر یا حورب پر جو نام کوہ سینا کا کتاب استثناء میں مستعمل ہے۔ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو بلا کر دس حکم دیئے اور بنی اسرائیل سے ایک نیا عہد باندھا۔ (استثناء ۵: ۲) اور کہا کہ اگر وہ ان احکام کے پابند رہیں تو میں ان کی قوم کو زندہ رکھوں گا۔ اور ان کا بھلا ہوگا۔ اور ارض مقدس پر ان کے قبضہ کی مہلت لمبی ہوتی چلی جائے گی۔ (استثناء ۵: ۳۳) جس وقت یہ احکام نازل ہو رہے تھے۔ اور

ہو تو پھر بھائیوں سے نہیں کہلا سکتا۔
سوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے نبی کھڑا کرنا تو سزا کے طور پر تھا۔ اگر انہیں میں سے نبی ہو تو سزا نہیں رہتی۔ جیسا کہ استثناء باب ۱۸۔ آیت ۱۶ میں لکھا ہے :-
"اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھوں تاکہ میں مر نہ جاؤں ۱۷۔ اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا ۱۸۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہیگا" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے خدا کا کلام سننے سے انکار کر دیا۔ جو کلام کہ شریعت کے متعلق تھا تو آئندہ خدا تعالے نے ان کے لئے شریعت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور کہا کہ جب کسی ایسے نئے نبی کی ضرورت ہوگی جو موسیٰ کی مانند ہو تو وہ ان کے بھائیوں میں سے کھڑا کیا جائیگا اس عہد کے ماتحت بنی اسرائیل کو ہر قسم کی ترقی ملتی رہی اور ان کی روحانی زندگی کے لئے بادشاہ ملتے رہے۔ اور ان کو سوائے ایک قلیل درمیانی مدت کے ارض مقدس پر حکومت میسر رہی گو مسیح کے نزول کے بعد ارض مقدس کا قبضہ اس گروہ کے ہاتھ میں آگیا جو مسیح کا ماننے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اسی عہد کی طرف اہل کتاب کو متوجہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہم سے تمہارا ایک عہد تھا جسکے پورا کرنیکی صورت میں ہم نے تم سے برکت کی زندگی کا وعدہ کیا تھا تم اگر اس عہد کو پورا کرو تو میں اپنے عہد کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

۵۳ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ بائبل کے پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نبیوں نے ایک ایسے نبی کی خبر دی تھی جو سب دنیا کی طرف آئیگا۔ اور صرف بنی اسرائیل کی طرف نہ ہوگا۔ دیکھو یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۱ و ۶ باب ۵۵ آیت ۴ و ۵ باب ۵۹ آیت ۵ تا ۷۔

چونکہ نبیوں کا ایک یہ بھی کام ہے کہ اپنے سے پہلے نبیوں کی تصدیق کریں۔ جیسا کہ تمام نبیوں کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے بنی اسرائیل کے تمام نبی اپنے سے پہلے نبیوں کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اس نبی کے لئے جو تمام دنیا کے لئے آئے کل دنیا کے انبیا کی خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک میں گذرے ہوں تصدیق لازمی اور ضروری تھی۔ پس ایک ایسے نبی کی خبر دینے سے جو سب دنیا کی طرف آئیگا دوسرے الفاظ میں یہ مراد بھی تھی کہ ایک ایسا نبی آئیگا جو تمام راستبازان عالم کا مصدق ہوگا جسطرح اسرائیلی نبی اسرائیلی نبیوں کے مصدق تھے چونکہ یہ نبی کل دنیا کی طرف آنا تھا اس لئے یہ بھی ضرور تھا کہ اس کے انکار پر دنیا کی تمام قومیں سزا پائیں اور اس کے نہ ماننے والے خدا تعالیٰ کی درگاہ سے دور کئے جائیں۔ چنانچہ یسعیاہ باب ۶۰ آیت ۱۲ میں بیان کیا گیا۔ "کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمتگذاری نہ کرے گی برباد ہو جائیگی۔ ہاں وہ قومیں ایک لخت ہلاک کی جائینگی"۔ اسی طرح استثناء باب ۱۸ آیت ۱۹ میں لکھا ہے۔ "اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہیگا نہ سنے گا تو میں اسکا حساب اس سے لونگا"۔
قرآن کریم میں دعوےٰ کیا گیا ہے کہ وہ نبی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔
جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۹ آیت ۸۲ و ۸۳) اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے پختہ عہد لیا۔ البتہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو تصدیق کرے اسکی جو تمہارے پاس ہے تو ضرور ضرور تم اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کہ کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا۔ اور اس بات میں میری تاکید کو قبول کر لیا۔ تمام انبیاء نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا اللہ تعالےٰ نے

پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے اور جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہے یہ تصدیق صرف بنی اسرائیل کے نبیوں کے کلام کے لیے نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا کے انبیاء کے کلام کی تصدیق تھی اور تمام انبیاء کا کلام پورا کا پورا محفوظ نہیں بلکہ بعض کا بالکل مفقود ہو گیا ہے اور بعض کا محفوظ ہے مگر ایسی صورت میں کہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب کا سب یا اسکا کوئی حصہ ان انبیاء کے الہامات سے ہے بھی یا نہیں۔ پس صاف ظاہر ہے کہ تصدیق سے مراد یہ نہیں کہ وہ نبی سب نبیوں کے کلام کو اپنے زمانہ میں بھی درست قرار دیگا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اس بات کا دعوے کریگا کہ تمام دنیا میں انبیاء گذرے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہؤا ہے۔ اور دنیا کے مختلف مذاہب جو ہزاروں سال تک اپنے اپنے ملک کے لوگوں کو بدی سے روکتے رہے ہیں۔ انسانوں کے بنائے ہُوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ابتداءً خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہُوئے تھے۔ پس آیت زیر بحث میں مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ اس وقت کی بائبل بالکل راست اور غیر محرف تھی۔ کیونکہ قرآن کریم نے صرف بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق نہیں کی۔ بلکہ جیسا کہ دوسری آیات سے ثابت ہے کل انبیاء کے کلام کی تصدیق کی ہے اور جسطرح دیگر انبیاء کی تصدیق ہوگی اسی طرح اسرائیلی نبیوں کے کلام کی تصدیق ہوگی۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں تیرہ جگہ پر تصدیق کا ذکر آیا ہے اور ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ موجودہ توریت یا اناجیل کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے۔ جس سے ہم یہ نتیجہ

فرمایا کہ تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ رہوں گا۔ پس جو کوئی شخص اس کے بعد مُنہ پھیر لیگا پس یہ لوگ میری جماعت سے خارج شدہ ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس وعدہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کے بعد فرمایا ہے۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (آل عمران ع۳ آیت ۸۴ و ۸۵) یعنے کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے اسکا فرمانبردار ہے خواہ خوشی سے خواہ بجبوراً۔ اور اسی کی طرف سب لوٹیں گے۔ تو کہدے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اسکی اولاد پر اور اس پر جو دیا گیا موسٰے کو یا عیسٰے کو یا باقی تمام نبیوں کو ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (یعنے ایسا نہیں کہ کسی خاص قوم کے نبیوں کو مانیں۔ اور دوسروں کو نہ مانیں) اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا دعوے ہے کہ وہ نبی جس نے سب نبیوں کے الہامات کی تصدیق کرنی تھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کل انبیاء کے مصدق ہیں چنانچہ اس مفہوم کی تصدیق اور آیات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ فاطر ۳۵ میں اس مضمون کو بیان کر کے کہ دنیا میں کوئی قوم نہیں گذری جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔ بلکہ سب اقوام میں نبی آئے ہیں فرمایا ہے وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (آیت ۳۲) یعنے اور جو کچھ ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے وہ حق ہے۔ جو کچھ تیرے زمانہ میں موجود ہے (یعنے پہلے انبیاء کا کلام جو مختلف قوموں میں آچکے ہیں) اس کی تصدیق کرتا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کا خبردار ہے۔ اور اُن کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایران اور ہند کے نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ پس قرآن کریم میں جو پہلی امتوں کی کتب کی تصدیق کا ذکر بار بار آتا ہے۔ تو اسی

نکال سکیں کہ قرآن کریم کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بائبل غیر محرّف تھی۔ بلکہ قرآن کریم میں بعض جگہ تو بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے یہ فرمایا ہے کہ قرآن کریم تصدیق کرتا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔ اور بعض جگہ غائبانہ رنگ میں ان کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے یا یہ کہ جو کچھ قرآن کریم کے وقت میں موجود ہے۔ اور ہر ایک دانا انسان سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کا ان الفاظ سے یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ بنی اسرائیل کے پاس اس وقت جو کچھ تھا اس کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے۔ بلکہ ضرور اسکو کسی خاص شئے سے مخصوص کرنا پڑے گا۔ اور چونکہ عقل خود تجویز نہیں کرسکتی کہ قرآن کریم کا اس تصدیق سے کیا مطلب ہے اس لئے خود قرآن کریم سے ہی اس تخصیص کا بھی پتہ لگانا چاہئے۔ قرآن کریم سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کے علاوہ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنے اس وحی پر جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئی۔ پس لِمَا مَعَكُمْ سے بھی یہی مراد ہوسکتی ہے۔ کہ اہل کتاب کے پاس انبیاء کی وحی سے جو کچھ موجود تھا اس کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ بائبل میں سے کون سا حصہ الہام انبیاء ہے سو اس کے معلوم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام معتقدان بائبل کا ہے ہمارے لئے اسی قدر کافی ہے کہ ان کتب میں ایک حصہ الہام الٰہی بھی ہے جسکی صداقت پر ہم یقین لاتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا ہمارا فرض نہیں اس لئے اس کے معلوم کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔

ان معنوں کے علاوہ ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ پہلی کتب کے لئے جس جس جگہ قرآن کریم میں تصدیق کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اسکا صلہ لام آیا ہے۔ سوائے دو جگہ کے جہاں کوئی صلہ استعمال نہیں ہؤا لیکن جہاں قرآن کریم یا رسول کریم کی نسبت یہ لفظ آیا ہے وہاں اس کا صلہ با آتا ہے اور لغت سے بھی ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تصدیق کے معنے اس کو سچا قرار دینے کے ہوں وہاں با صلہ آتا ہے۔ پس اس اختلاف سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جب پُرانی کتب کی نسبت یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس وقت اس کے اور معنے ہیں۔ اور وہ یہی ہوسکتے ہیں کہ قرآن کریم پہلی کتب میں جو پیشگوئیاں تھیں ان کا پورا کرنیوالا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کے اندر جو کچھ غلط و درست لکھا ہؤا ہے اس کو سچا قرار دیتا ہے اور یہ معنے ہو بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ بائبل کے بہت سے مضامین کی قرآن کریم بڑے زور سے تردید کرتا ہے

(ب) اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ یعنی تمہارا حق تو یہ تھا کہ تم مخالفت میں سب سے پیچھے ہوتے کیونکہ اسکی تصدیق تمہاری کتب میں موجود ہے۔ لیکن تم سب سے آگے ہو کر اسکی مخالفت کرتے ہو۔

(ج) ثَمَنًا قَلِيْلًا دوسری جگہ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ فرمایا ہے۔ پس ثمنا قلیلا سے یہ مراد ہے کہ دنیا کی خاطر دین کو مت چھوڑو۔

۴۲ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (الف) اس سے روکا کہ حق و باطل کو ملا لوگوں کو دھوکا نہ دو۔ یعنے کچھ حصہ تو کلام الٰہی کا لے لیا اور کچھ اپنے پاس سے غلط تشریح کرکے لوگوں کو سنادی۔

(ب) دوسرے اس بات سے منع کیا کہ تمہارے پاس تو حق موجود ہے اسے رسول کی اخبار تمہاری کتب میں وارد ہیں ان کو مت چھپاؤ۔

۴۳ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنے اسلام کو قبول کرو۔ کیونکہ یہ دونوں عبادتیں اسلامی عبادات کا اصل الاصول ہیں

(ب) وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاؤ۔ رکوع کے معنے جس طرح جھک جانے کے ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے طریق پر کرنے کو بھی کہتے ہیں کہ اس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔ حقیقۃ الاساس میں لکھا ہے۔ كَانَتِ الْعَرَبُ تُسَمِّي مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَلَمْ يَعْبُدِ الْاَوْثَانَ رَاكِعًا یعنے عرب لوگ اس شخص کو جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو۔ اور کسی اور شے کی عبادت نہ کرتا ہو اسے راکع کہتے۔ اسی طرح عرب کا محاورہ ہے رَكَعَ اِلَى اللّٰهِ جس کے معنے ہیں دوسری اشیاء سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک گیا

أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾

اپنے آپ کو حالانکہ کتاب پڑھتے ہو سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے لہ

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ

اور مدد مانگو صبر اور نماز کے ساتھ اور یقیناً یہ مشکل بات ہے

إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلٰقُوا

مگر نہ ڈرنے والوں پر ؎ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے

رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿٤٦﴾ يٰبَنِي إِسْرَآءِيلَ

ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹنے والے ہیں ؎ اے اسرائیل کے بیٹو

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي

یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے انعام کی تم پر اور یہ کہ میں نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي

فضیلت دی تمہیں جہانوں پر ؎ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کریگا

نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفٰعَةٌ

کوئی نفس کسی کو کچھ بھی اور نہ قبول کیجائے گی اس سے کوئی شفاعت

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِذْ

اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ انہیں مدد دیجائے گی ؎ اور جب

نَجَّيْنٰكُم مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ

نجات دی ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے جبکہ وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے

ع

زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر نابغہ کا شعر ہے
سیَبلُغ عُذرًا اَو نجاحًا
مِن امرئٍ -
الٰی ربّہ ربّ البریّۃ
رَاکعٌ -
یعنی وہ شخص جو سب چیزوں سے منہ موڑ کر اپنے رب کی طرف جو تمام مخلوق کا رب ہے (مطلب یہ کہ بت نہیں) متوجہ ہو گیا ہے اپنے عذر کو پہنچ جائیگا - یا نجات پا جائیگا - اس جگہ رکوع سے مراد وہ رکوع نہیں جو نماز میں ہوتا ہے کیونکہ نماز کا ذکر پہلے ہو چکا ہے - بلکہ اس سے یہی مراد ہے کہ اے لوگو مسلح ہو کر نماز اور زکوٰۃ ادا کرو - اور دنیا کا خوف چھوڑ کر خالص اپنے رب کی عبادت میں ان مخلصین کے ساتھ شامل ہو جاؤ - جو اسوقت تک اسلام لا چکے ہیں ؎

لہ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ سے یہ مراد نہیں کہ قرآن مجید موجودہ بائبل کو سچا قرار دیتا ہے - بلکہ اسمیں تو یہ بتایا ہے کہ تم جو لوگوں کو نیکی قبول کرنے کا وعظ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہماری کتاب نیک اعمال کا حکم دیتی ہے تو خود اس کتاب کو جانتے ہوئے کیوں فائدہ نہیں اُٹھاتے - یہ مطلب نہیں کہ وہ کتاب شروع سے آخر تک سچی ہی ہے - یا یہ کہ قرآن کریم کے بعد بھی قابل عمل ہے - یہ بات تو الزامی جواب کے طور پر کہی گئی ہے -
(ب) اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ - عقل کے لفظی معنے روکنے کے ہیں - عقال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے

اونٹ کو روکنے کے لئے اسکا گھٹنا باندھ دیتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِعْقِلْ وَتَوَکَّلْ یعنے پہلے اپنے اونٹ کا زانو باندھو۔ اس کے بعد اس کو خدا کے سپرد کرو۔ عقل انسانی کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو بدی سے روکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہو۔ لیکن خود واقف دین ہوکر اپنے آپ کو حق کی مخالفت سے نہیں روکتے۔

۴۵ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ

اسلام کو قبول کرنے سے جو مشکلات آتے ہیں ان پر صبر کرو۔ اور دعاؤں سے کام لو۔ اور صبر کے معنے یہ بھی ہیں کہ طاعت پر استقامت رکھنا اور معصیت سے اپنے آپ کو روکے رکھنا۔ صبر کے معنے روزے کے بھی ہیں۔ مسیح نے بھی کہا ہے کہ یہ دیو نہیں نکل سکتا۔ مگر روزہ اور دعاؤں سے۔

ترتیب و ربط

آیت ۴۱ میں سلسلہ انعام کے جاری رہنے کی مثال قریبی زمانہ کے متعلق دی۔ کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے رہے جو مامور ہوکر دنیا کی اصلاح کرتے رہے اب کیوں نہیں ہوتے اسکا جواب بھی دیدیا کہ جس عہد پر وہ نبوت کے انعام کے وارث قرار دیئے جاتے تھے وہ عہد انہوں نے توڑ دیا ہے۔ ع ۴۲ میں بتایا کہ اب اس عہد کے وارث جبھی ہو سکتے ہو کہ اس نئے عہد میں شریک ہو جاؤ جو خدا تعالیٰ نے دوبارہ باندھا ہے۔ آیت ۴۳ و ۴۴ میں بنی اسرائیل کو ضد میں آکر وہ صداقتیں چھپا لینے سے روکا ہے۔ جو اس رسول کی تصدیق کرتی ہیں۔ ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ میں بتایا کہ دیکھو تم لوگ الٰہی تعلیم سے بہرہ یاب ہوکیوں ایک صداقت کو سمجھکر پھر دنیاوی نفعوں کی خاطر اسے چھپاتے یا اس سے انکار کرتے ہو۔ دنیا روزے چند عاقبت کار با خداوند۔ حق پر قائم ہو جاؤ اور دعاؤں سے کام لو۔ اور یہ بات سچے مومنوں پر دوبھر نہیں۔

۴۷ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی۔ یہ نہیں کہ تمام زمانوں کے لوگوں پر۔ قرآن شریف میں اُمت محمدیہ کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ تمام اُمتوں سے بڑھکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (سورہ ال عمران ع۱۲ آیت ۱۱۱) اور فرمایا وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا (بقرہ ع۱۷ آیت ۱۴۳) یہ امر کہ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ سے مراد اسی زمانہ کے لوگ ہیں قرآن شریف کی اس آیت سے خوب کھل جاتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (ال عمران ع۴ آیت ۳۴) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمین سے مراد اپنے اپنے زمانہ کے لوگ ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے وہ مختلف زمانوں میں ہوئے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے ہر ایک تمام زمانوں کے لوگوں پر فضیلت رکھتا تھا۔ کیونکہ اگر آدم تمام زمانوں کے لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے تو اس سے یہ نتیجہ نکلیگا کہ نوح پر اور دوسرے بزرگوں پر بھی جن کا اس آیت کریمہ میں ہی ذکر ہے ان کو فضیلت تھی۔ اس صورت میں ان دوسرے بزرگوں کی نسبت کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان کو تمام زمانوں کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔ پس بلاشبہ عالمین سے مراد خاص زمانہ کے لوگ ہیں

۴۸ وَاتَّقُوْا یَوْمًا یہاں یوم سے صرف قیامت کا دن ہی مراد نہیں۔ بلکہ دنیا میں بھی یہود پر ایسے دن آئے جب کہ ان پر اس آیت کریمہ کا مضمون لفظ بلفظ صادق آیا۔ جن یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا ان کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے۔ اور اُس زمانہ سے لیکر آجتک یہود پر طرح طرح کے عذاب وارد ہوتے رہے اور مسیحی ممالک میں اُن کے ساتھ وہ سلوک ہوا کہ خدا کی پناہ۔

قرآن کریم نے شفاعت کو ایسے لطیف طور سے پیش کیا ہے کہ نہ تو انسان اس پر بھروسہ کرکے اعمال سے غافل ہو جائے۔ اور نہ اسے بالکل باطل قرار دے کر مقربین بارگاہ الٰہی کے اعزاز کو کم کیا اور بتایا کہ شفاعت تو ہوگی مگر وہی شفاعت کرے گا جسکو اجازت ملے گی۔ اور وہ اذن یافتہ شخص بھی صرف اسی کے لئے شفاعت کرے گا۔ - - - -

- - - - - -

- - - - - -

جسے اللہ تعالٰے مستحق قرار دے گا۔ اور اس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دیگا۔

(ب) لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن نہ تو کوئی جان اپنے آپ کو دوسری جان کے بدلے میں دے سکیگی اور نہ شفاعت قبول ہوگی۔ اور نہ برابر بدلہ لیا جائیگا۔ اور نہ گنہگاروں کی مدد کی جائے گی۔ مطلب یہ کہ نہ تو ایسا ہوگا کہ ایک انسان اپنے آپ کو پیش کردے کہ میں فلاں کے بدلے سزا بھگتتا ہوں۔ اور نہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنی سفارش کے لئے کسی شخص کو کھڑا کردے اور وہ قبول کی جائے۔ اور نہ یہ ہوگا کہ انسان اپنے گناہوں کے بدلہ میں کوئی تاوان دے سکے۔ اس آیت میں شفاعت کا مسئلہ خاص توجہ کے قابل ہے۔ کیونکہ اسلام میں شفاعت کو جائز بھی رکھا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو شفیع قرار دیا گیا اور فرمایا وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (سورہ زخرف ۴۳ آیت ۸۶) جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں شفاعت کا اذن اسے ہے جس نے حق کی گواہی دی اور یہ اسے جانتے ہیں یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

اور ان دونوں باتوں (شفاعت قبول نہ ہوگی اور شفاعت ہوگی) میں اختلاف کوئی نہیں۔ کیونکہ شفاعت کے لئے اللہ تعالٰے نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اذن الٰہی سے ہوگی۔ ہر ایک شخص کو حق نہیں ہوگا کہ کوئی شفیع پیش کردے پس جب شفاعت کا دارومدار اذن الٰہی پر ہوا تو انسان کا شفاعت پر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالٰے اس کے لئے شفاعت کی اجازت دیگا یا نہیں۔ غرض اس درمیانی طریق کو اختیار کرکے اسلام نے ایک طرف تو بعض نادانوں کے اس غلط خیال کو رد کردیا ہے۔ کہ اس دنیا میں ہم جو کچھ بھی کرلیں ہمارے انبیاءؑ یا بزرگ ہماری شفاعت کرکے ہمیں چھڑا لیں گے دوسرے شفاعت کے ضروری مسئلہ کو بھی قائم رکھا ہے کیونکہ شفاعت کا اختیار انبیاء کی عزت کے اظہار اور ان کے قرب الٰہی کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نفع پہنچایا جائیگا۔ جنکے گناہوں کا پلہ تو کسی قدر بھاری ہوگا۔ لیکن ان کی کوشش اور نیک نیتی ان کے لئے بخشش کی طالب ہوگی۔ غرض م

۵ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

خروج باب ۱ آیت ۸ تا ۱۴ میں لکھا ہے کہ "مصر میں ایک نیا بادشاہ جو یوسف کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ آؤ ہم ان سے دانشمندانہ معاملہ کریں تانہ ہو۔ کہ جب وہ اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل جاویں اور ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جاویں۔ اسلئے انہوں نے ان پر خراج کے لئے محصل بٹھائے تاکہ انہیں اپنے سخت کاموں کے بوجھوں سے ستاویں..... اور مصریوں نے خدمت کرواتے ہیں بنی اسرائیل پر سختی کی۔ اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کرواکے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ کراتے تھے مشقت کی تھیں"۔

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
ہلاک کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں بڑا
بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝٥٠ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ
انعام تھا تمہارے رب سے له اور جب جدا کر دیا ہم نے تمہارے لئے سمندر کو
فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝٥١
پس نجات دی ہمنے تمہیں اور ڈبو دیا ہمنے فرعون کی قوم کو اور تم دیکھ رہے تھے ٢ه
وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
اور جب وعدہ کیا ہمنے موسیٰ سے چالیس رات کا تب بنا بیٹھے تم بچھڑا
مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝٥٢ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
بعد اس کے اور تم ظالم تھے ٣ه پھر ہمنے معاف کیا تمہیں اس کے بعد
ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٥٣ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ
تاکہ تم شکر کرو ٤ه اور جب ہمنے دی موسیٰ کو کتاب اور فرقان
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝٥٤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ
تاکہ تم ہدایت پاؤ ٥ه اور جب کہا موسےٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم یقیناً
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ
تمنے ظلم کیا اپنی جانوں پر بچھڑا بنا بیٹھنے سے پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ
پس قتل کرو اپنے آدمیوں کو ٦ه یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک۔ پس وہ مہربان ہو گیا

له يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ۔ رعمسیس ثانی جس کے زمانہ میں حضرت موسےٰ پیدا ہوئے بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا اور بنی اسرائیل کی ترقی دیکھ کر اس نے ان کے لڑکے قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ مگر دائیوں کی نرم دلی کی وجہ سے اس ارادہ میں وہ پوری طرح کامیاب نہ ہوا۔ اور آخر اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے دریا میں پھینک دیئے جایا کریں اور لڑکیاں بچالی جائیں جیسا کہ خروج باب ١ آیت ٢٢ اور طالمود سے معلوم ہوتا ہے۔ اسیطرح دیکھو اعمال باب ٧ درس ١٩ بعض لوگوں نے اس آیت میں ذبح کے لفظ سے دھوکا کھایا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک بنی اسرائیل کے بچوں کا گلا کاٹ دیا جاتا تھا ...... حالانکہ تاریخ کی شہادت اس کے خلاف ہے ان لوگوں کے دھوکا کھانے کی یہ وجہ ہے کہ ذبح کا لفظ گلا کاٹ دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کے معنے ہلاک کر دینے کے بھی ہیں .... جن کے نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ان معترضوں کو دھوکا لگا ہے۔ چنانچہ تاج العروس جلد ٢ صفحہ ١٤١ پر لکھا ہے۔ وَالذَّبْحُ اَلْهَلَاكُ یعنی ذبح کے ایک معنے ہلاکت کے بھی ہیں۔ پس يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کے یہ معنے نہیں کہ وہ تمہارے لڑکوں کا گلا کاٹ دیتے تھے۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ وہ تمہارے لڑکوں کو ہلاک کرتے تھے چنانچہ سورہ ۱۴ آیت ۷ میں يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کی بجائے يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کا الفاظ رکھکر قرآن کریم نے يُذَبِّحُوْنَ کے معنے خود ہی کر دیئے ہیں۔

کہ اس سے مراد گلا کاٹنا ہی نہیں۔ بلکہ مار دینا ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔

(ج) بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ایسے عذاب سے نجات دیئے میں تمہارے لئے بڑا انعام تھا۔ یہ نجات بہت سے انعامات کا موجب ہوئی۔

۵۲ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

اس آیت میں اس معجزہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو حضرت موسےٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت دکھایا جب کہ حضرت موسےٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکالکر شام کی طرف لے جا رہے تھے۔ اور ان کو واپس لیجانے کے لئے فرعون اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ بائبل میں اس کا ذکر خروج باب ۱۴ آیت ۲۱ تا ۳۰ میں ہے قرآن کریم میں یہ واقعہ علاوہ اس آیت کے آیت ۶۳ سورہ ۲۶ اور آیت ۸۰ سورہ ۲۰ میں بھی بیان ہوا ہے جنکو ملا کر قرآن کریم کے بیان کے مطابق واقعہ کی کیفیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل ارض مقدس کے ارادہ سے چلے جا رہے تھے کہ پیچھے سے فرعون کا لشکر آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرائے اور سمجھے کہ اب ہم پکڑے جائینگے لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت موسےٰ کی معرفت ان کو تسلی دلائی اور حضرت موسےٰ سے کہا کہ اپنا عصا سمندر پر ماریں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سمندر میں ایک راستہ ہوگیا۔ اور وہ اسمیں سے آگے روانہ ہوئے۔ ان کے دونوں طرف پانی تھا جو ریت کے ٹیلوں کی طرح نظر آتا تھا لشکر فرعون نے ان کا پیچھا کیا۔ مگر بنی اسرائیل کے صحیح سلامت پار ہونے پر پانی پھر لوٹا اور مصری غرق ہوگئے۔

اس واقعہ کے سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق تمام معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کا ان میں دخل اور تصرف نہیں ہوتا۔ پس حضرت موسیٰ کا عصا اٹھانا اور سمندر پر مارنا صرف ایک نشانی کے لئے تھا۔ نہ اسلئے کہ حضرت موسیٰ کا یا عصا کا سمندر کے سمٹ جانے میں کوئی دخل تھا۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے ہرگز ثابت نہیں کہ سمندر کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے اور اسمیں سے حضرت موسےٰ نکل گئے تھے بلکہ قرآن کریم میں اس واقعہ کے متعلق دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک فرق اور ایک انفلق کا جن کے معنے جدا ہو جانے کے ہیں۔ پس قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق اس واقعہ کی یہی تفصیل ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے گذرنے کے وقت سمندر جدا ہو گیا تھا یعنے کنارہ سے ہٹ گیا تھا اور جو خشکی نکل آئی تھی اسمیں سے بنی اسرائیل گذر گئے تھے۔ اور سمندر کے کناروں پر ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ نپولین کی لائف میں لکھا ہے کہ جب وہ مصر پر حملہ آور تھا تو وہ بھی اپنی فوج کے ایک حصہ سمیت بحر احمر کے کنارہ کے پاس سے جذر کے وقت گذرا تھا اور اس کے گذرتے گذرتے مد کا وقت آگیا۔ اور وہ مشکل سے بچا۔ اس واقعہ میں معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں سمندر کے سامنے پہنچایا جب کہ جذر کا وقت تھا اور حضرت موسےٰ کے ہاتھ اٹھاتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت پانی گھٹنا شروع ہوگیا لیکن فرعون کا لشکر جب سمندر میں داخل ہوا تو ایسی غیر معمولی دقتیں اسکو راستہ میں پیدا ہوگئیں کہ اسکی فوج بہت سست رفتار سے بنی اسرائیل کے پیچھے چلی اور ابھی سمندر ہی میں تھی کہ مد آگئی اور دشمن غرق ہوگیا چنانچہ اس خیال کی تائید قرآن کریم کے الفاظ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (سورۂ شعراء آیت ۶۴) بھی کرتے ہیں جنکے یہ معنی ہیں کہ جب سمندر ہٹا تو ہر ایک ٹکڑا ایک اونچے ریت کے ٹیلے کی طرح ہو گیا اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن کریم کا یہ منشاء ہوتا کہ سمندر دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تو کل کا لفظ جو نکرہ مفرد پر آیا ہے کبھی استعمال نہ ہوتا پس کل کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس موقعہ پر سمندر پھٹا نہ تھا بلکہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اور جیسا کہ ایسے سمندروں کی عادت ہے کہ جن کے کناروں پر چھوٹے گڑھے پانیوں کے ہوتے ہیں سمندر کے ہٹنے پر وہ پانی کے مواقع پانی سے بھرے رہتے ہیں اور بنی اسرائیل کے ایک طرف سمندر تھا اور ایک طرف وہ چھوٹی چھوٹی جھیلیں جو سمندر کے کنارہ پر واقعہ تھیں اور جیسا کہ قاعدہ ہے درمیان میں گذرنے والوں کو وہ اونچی ہوئی نظر آتی تھیں۔ چنانچہ بحیرہ احمر کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کنارہ پر بہت سی جھیلیں ہیں جو پرانے زمانہ میں اور بھی زیادہ تھیں۔ جیسا کہ پرانے نقشہ جات سے ثابت ہے

۵۳ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً اسکا ذکر کتاب استثناء باب ۹ - آیت ۹-۱۱ میں ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی وعدہ کی تفصیل بیان کی ہے کہ پہلے تیس رات کا وعدہ کیا بعد میں دس اور بڑھا کر پوری چالیس کردیں اور یہ ترتیب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اخلاص کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ بہتر سے بہتر انعام دیتا ہے۔ جب حضرت موسےٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں غلامی کا عہد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرما کر دس [illegible] ہم کلام ہونیکا شرف

(ب) وَأَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ - انسان پر صحبت کا اثر بہت پڑتا ہے جس قسم کے لوگوں میں کوئی شخص رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ انہیں کے خیالات کو قبول کرنے لگ جاتا ہے اور انہیں کے سے اعمال کرنے لگتا ہے۔ خصوصاً حکام کے خیالات اور اعمال کا اثر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ اور جو قوم ایک عرصہ دراز تک کسی دوسری قوم کی ماتحت رہے۔ رفتہ رفتہ اسی کے خیالات و رسوم و عادات کی پابند ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ ایک مدت تک مصر میں فرعونیوں کے غلاموں کی طرح رہے تھے ان پر اہل مصر اور خصوصاً فرعون کے مذہب کا اثر ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ جب وہ موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلے تو راستہ میں جہاں کہیں ایسی قوموں کو دیکھتے۔ جو بتوں کے آگے سر جھکانے والی تھیں وہ بھی اپنے لئے ایسے ہی معبود بنانے کی درخواست کرتے۔ جب حضرت موسیٰ پہاڑ پر گئے۔ تو انکو موقعہ مل گیا۔ اور انہوں نے جھٹ ایک بچھڑے کی شکل کا بُت بنالیا۔ اور اس کی پوجا شروع کر دی +

بچھڑے کی شکل انہوں نے اس لئے پسند کی کہ اس زمانہ میں مصر میں گائے کی خاصی عزت کی جاتی تھی۔ اور مصر کی کیا خصوصیت ہے۔ ہر زرعی ملک کا یہی حال تھا خواہ مصر خواہ ہند خواہ ایران - جس ملک میں زراعت کی کثرت تھی۔ اسی میں گائے کی عزت خاص طور پر کی جاتی تھی قرآن کریم کے رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون جن کو حضرت موسیٰ اپنے بعد بنی اسرائیل پر حکمران مقرر کر گئے تھے۔ اس کام میں بنی اسرائیل کے شریک تھے - - - - - - - - - - جیسا کہ فرمایا ہے ؎۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْا أَمْرِيْ - (سورہ طٰہٰ آیت ۹۱) یعنے اور البتہ ضرور کہا تھا۔ ان کو ہارون نے اس سے پہلے کہ اے قوم سوائے اس کے نہیں کہ اس (بچھڑے کے) ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا گیا ہے۔ اور تمہارا رب تو ضرور رحمٰن ہی ہے۔ بس تم میری پیروی کرو۔ اور میری بات مان لو۔ لیکن توریت سے اس کے خلاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہارون بھی شریک تھے۔ مگر سچی بات وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ بائبل چونکہ بہت سے ایسے تاریک زمانوں سے گذری ہے۔ جب اس کا نام و نشان بیرونی دنیا سے مٹ گیا تھا۔ اسلئے بہت سی انسانی دست برد کا تختہ مشق رہی ہے۔ بچھڑا بنانے کا حال توریت کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۵ و ۱۰ میں ہے -

؎ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ - خروج باب ۳۲ آیت ۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے بچھڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑک اٹھا۔ اور اس نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ ایک گردن کش قوم ہے اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انہیں بھسم کروں" اسپر حضرت موسیٰ نے ان کے لئے دعا کی اور مطابق توریت "تب خداوند اس بدی سے جو چاہا تھا کہ اپنے لوگوں سے کرے پچھتایا" خروج باب ۳۲ ورس ۱۴ یعنے انہیں سزا نہ دی درگذر فرمائی -

؎ وَإِذْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ

پادری ویری مصنف تفسیر قرآن نے اسجگہ یہ اعتراض کیا ہے کہ موسیٰ کو توریت اس پہاڑ پر نہیں دی گئی - بلکہ وہاں صرف دس احکام ملے تھے اور وہ اس سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ بیان کرنا کہ اسی وقت جب موسیٰ چالیس رات کے لئے پہاڑ پر گئے تھے اور بنی اسرائیل نے بچھڑا پکڑا تھا موسیٰ کو کتاب ملی تھی ظاہر کرتا ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تاریخ بنی اسرائیل کا علم نہ تھا مگر ہم اس بات کے کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ ریورنڈ ویری کا یہ اعتراض ظاہر کرتا ہے کہ ان کو عربی زبان سے ہرگز کافی واقفیت نہیں اور قرآن کریم کا بھی انہوں نے کافی مطالعہ نہیں کیا اگر وہ لفظ کتاب کو عربی لغات میں دیکھ لیتے یا قرآن کریم میں ہی جن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہؤا ہے انہیں پر غور کرتے تو ان کو ایسا اعتراض کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی۔ چنانچہ تاج العروس جلد اول میں کتاب کے یہ معنے لکھے ہیں جسمیں لکھا جائے وَالْكِتَابُ الصَّحِيْفَةُ یعنے کتاب صحیفہ کو کہتے ہیں اور کتاب فرض اور حکم کو بھی کہتے ہیں۔ اور کتاب خط کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ نَظَرَ اِلٰى كِتَابِ أَخِيْهِ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَكَأَنَّمَا يَنْظُرُ فِي النَّارِ یعنے جس نے اپنے بھائی کا خط بغیر اجازت کے دیکھا اس نے گویا آگ کو دیکھا ان معنوں سے ظاہر ہے کہ وہ الواح جنپر دس احکام لکھے ہوئے تھے عربی زبان کے مطابق کتاب کہلا سکتی ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ کتاب کے معنے ضرور توریت ہی ہوں۔ اور کتاب کے معنے چونکہ حکم بھی ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے

کہ دس حکموں کی وجہ سے ان الواح کا نام کتاب یعنے حکم رکھا گیا ہو۔ لغت کے علاوہ قرآن کریم میں بھی کتاب کا لفظ ایک چھوٹے سے خط کے لئے استعمال ہوا ہو جیسے فرمایا قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ؏۲ آیت ۳۱-۳۳ - یعنے جب ملکۂ یمن کے پاس حضرت سلیمانؑ کا خط پہنچا تو اس نے کہا کہ اے سرداران قوم میرے سامنے ایک خط پیش کیا گیا ہے وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اسکا مضمون یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کا نام لے کر یہ خط شروع کرتا ہوں اور تم سے کہتا ہوں کہ تم مجھپر زیادتی نہ کرو۔ بلکہ فرمانبردار بنکر میرے حضور حاضر ہو۔ اس مختصر خط کا نام قرآن کریم نے کتاب رکھا ہو پھر کیا وجہ ہے کہ دس احکام کا نام کتاب نہ رکھا جائے۔ پس اس جگہ کتاب سے مراد دس احکام ہی ہیں اور کسی معترض کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔ پھر قرآن مجید نے خود اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ جو کچھ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا وہ صرف چند تختیوں پر ہی لکھا گیا تھا۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ (سورہ اعراف آیت ۱۴۶)

. . . .

(ب) وَالْفُرْقَانَ۔ اس لفظ پر بھی ریورنڈ ویری نے اپنی انگریزی تفسیر میں ایک اور مصنف کے حوالہ سے اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس لفظ سے جو سریانی ہے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو شامیوں کی معرفت اس لفظ کا پتہ لگا ہوگا۔ لیکن تعجب ہے کہ ریورنڈ مذکور کو ایسا اعتراض کرنے کی جرأت کس طرح ہوئی۔ فرقان ایک عربی لفظ ہے اور اس لفظ سے مشتق بیسیوں لفظ عربی زبان میں بولے جاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے کا یہ لفظ عربی زبان میں مستعمل ہے پھر نہ معلوم ریورنڈ مذکور نے اس لفظ کو بھی شامیوں سے سیکھا ہوا کیوں قرار دیا۔ یہ لفظ فرقان فرق سے نکلا ہے اور اس کے معنے تاج العروس جلد ۷، صفحہ ۴۳ و ۵۴ پر یہ لکھے ہیں۔ کہ فرقان حق و باطل میں اور حجۃ و شبہ میں فرق کرنے کو کہتے ہیں اور ہر شے جس سے حق و باطل میں فرق ہو اسے بھی فرقان کہتے ہیں اور فرقان کے معنے مدد کے بھی ہیں اور دلیل اور حجۃ کو بھی کہتے ہیں اور صبح کو بھی کہتے ہیں۔ پس فرقان کے یہ معنے ہیں کہ حضرت موسےٰ کی خدا تعالےٰ نے اسوقت مدد کی یا اُسے دلائل و براہین سکھائے یا اس کیلئے ایسے واقعات ظاہر کئے جن سے حق و باطل میں تمیز ہو گئی جیسے کہ خود بچھڑے کے پوجنے کا واقعہ کہ جس کے ذریعہ سے حق و باطل میں فرق ہو گیا۔ اور سچے اور جھوٹے الگ الگ ہو گئے۔ قرآن کریم میں فرقان کسی خاص شے کا نام نہیں بلکہ ہر نشان اور ہر نصرت اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی شے اور دلیل و حجۃ کو فرقان کہا گیا ہے۔ چنانچہ بدر کی جنگ کے دن کا نام یوم الفرقان رکھا ہے۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالےٰ نے حق و باطل میں فرق کر دیا اور مسلمانوں کی مدد کی۔

؎ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ۔ انفسکم سے مراد یہ نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو قتل کرے جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۸۵ میں ہے وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ۔ اپنے آپ کو گھروں سے نہ نکالو۔ اور اسی طرح سورہ توبہ آیت ۳۶ میں ہے فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ یعنے ان مہینوں میں تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کے

عَلَيْكُمْ ۚ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

تم پر یقیناً وہ بہت مہربان ہونے والا رحیم ہے لہ اور جب تمنے کہا اے موسیٰ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ

ہم ہرگز نہیں مانیں گے تیری - جب تک کہ ہم دیکھ نہ لیں اللہ کو ظاہر طور پر تب پکڑ لیا تمہیں

الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

عذاب نے اور تم دیکھ رہے تھے ٹہ پھر اٹھایا ہمنے تمہیں تم پر موت

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

آنے کے بعد تاکہ تم شکر کرو سہ اور سایہ بنایا ہم نے تم پر بادل کو

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جو دیا ہے ہمنے تمہیں - اور نہیں نقصان کیا انہوں نے ہمارا لیکن وہ اپنا ہی نقصان

يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

کرتے تھے ہے اور جب کہا ہم نے داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اس میں سے جہاں سے تم چاہو بافراغت اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے ۵۹

وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۵

اور کہو حِطَّۃٌ (گناہ گرا دیجئے) ہم بخشدینگے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ دینگے عمدہ طور پر کرنے والوں کو

محاورہ کے مطابق انفسکم سے مراد اپنی قوم کے لوگ بھی ہوتے ہیں بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ موسےٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو قتل کرے جیسا کہ خروج باب ۳۲ درس ۲۶ تا ۳۰ میں ذکر ہے ۔ قرآن کریم نے مقتولین کی تعداد نہیں بیان کی لیکن کتاب خروج میں تین ہزار تعداد لکھی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعداد بہت بڑھا کر لکھی گئی ہے بنی اسرائیل کی کل تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی - پس انہیں سے تین ہزار کا قتل کیا جانا محال تھا -

لہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اس جملہ سے یہ بتایا ہے کہ جب سرکشوں کو سزا مل گئی تو باقیوں پر اللہ تعالےٰ نے فضل کیا - یا یہ کہ جو لوگ قتل کئے گئے ان کے لئے یہ سزا کافی قرار دی گئی اور آخرت کے عذاب سے اللہ تعالےٰ نے ان کو بچا لیا -

ٹہ نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ بعض ضدی لوگ جب دلائل اور براہین کا جواب نہیں دے سکتے - تو ایسی شرائط لگانے لگتے ہیں - جو بے فائدہ ہوں - اور جن سے سوائے بات ٹالنے کے اور کچھ مقصود نہ ہو - اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ہیں کہ جب ہستی باری کو دلائل سے ثابت شدہ دیکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ، ہم تو تب تک نہ مانیں گے جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں - بنی اسرائیل میں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت موسےٰ سے ایسا مطالبہ کیا ہے - گو بائبل میں اس کا ذکر نہیں - لیکن یہ ایک ایسا عام سوال ہے - جو قریباً ہر زمانہ میں

صداقت کے مقابلہ میں ہوتا آرہا ہے۔ اور اس کی صداقت میں قرآن کریم کے مخالف بھی شک نہیں کرسکتے۔ چونکہ قرآن کریم خود الٰہی کلام ہونے کا مدعی ہے اس لئے ضروری نہیں کہ بائبل کے بیان کردہ امور سے زائد کسی واقعہ کا ذکر نہ کرے۔

ف حضرت موسٰے نے بھی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (سورہ اعراف آیت ۱۴۴) کہا لیکن ان پر غضب نازل نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسٰے نے تو محبت کے تقاضے سے سوال کیا ہے۔ اور ان لوگوں نے یہ شرط لگادی کہ ہم تو اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں۔ اور یہ گستاخی اور شرارت ہے اس لئے خفگی کا اظہار ہوا۔ اگر حق کو قبول کرکے رویت کا سوال کرتے تو حضرت موسٰے کی طرح ان پر بھی ناراضی کا اظہار نہ کیا جاتا۔

(ب) فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ صاعقہ کے معنے عربی زبان میں عذاب کے ہیں۔ لسان العرب جلد ۱۲ میں لکھا ہے۔ قِیْلَ الصَّاعِقَۃُ الْعَذَابُ یعنے اہل لغت کہتے ہیں کہ صاعقہ عذاب کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی باریک تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق خصوصًا ایسے عذابوں پر ہوتا ہے جن کے ساتھ سخت آواز ہو۔ جیسے زلزلہ بجلی یا باد تند کا عذاب کبھی صاعقہ کے معنے موت یا غشی کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اصل معنے وہی ہیں جو اوپر لکھے گئے۔ اور موت اور غشی کے معنے مجاز اس لئے رواج پاگئے ہیں کہ اکثر خطرناک عذابوں کا نتیجہ موت یا غشی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں صاعقہ کا لفظ زیادہ تر عذاب کے ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً مِّثْلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (سورہ حٰم سجدہ آیت ۱۴) یعنے اگر یہ لوگ تیری باتوں سے اعراض کریں تو تو ان کو کہدے کہ میں تمہیں ایسے صاعقہ سے ڈراتا ہوں جو عاد و ثمود کے صاعقہ کی طرح ہوگا۔ اور آگے چل کر عاد کے صاعقہ کی یہ تشریح کی ہے کہ انہیں ایک باد تند کے عذاب کے ساتھ سزا دی گئی تھی اسی طرح ثمود کے صاعقہ کی تشریح سورہ اعراف آیت ۷۹ میں یوں بیان فرمائی ہے فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ ثمود کی قوم ایک سخت زلزلہ سے تباہ کی گئی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں صاعقہ بمعنے عذاب استعمال ہوتا ہے اور اس جگہ بھی اس سے عذاب ہی مراد ہے۔

۵۳ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ آیت ماقبل کے ساتھ اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے ذلت و تکلیف کے بعد تمہاری حالت کو ترقی دی اور تمہیں معزز بنایا۔ پہلی آیت کے الفاظ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ دراں حالیکہ

تم دیکھتے تھے" ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مردے نہیں تھے اصل میں لفظ موت حیات کے مقابل پر بولا جاتا ہے۔ اور اس امر کا لحاظ کہ بعض الفاظ اپنے متقابل المعنی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اسجگہ بھی مثل اور تمام مقامات کے ضروری ہے۔ مفردات راغب میں موت کے چھ مختلف معنے لکھے ہیں۔

۱۔ قوت نشو ونما کا زائل ہوجانا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (حدید آیت ۱۸) دیکھو اللہ تعالیٰ زمین کو اسکے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردیتا ہے۔

(۲) قوت حس کا مرجانا یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا (مریم آیت ۲۴) کاش کہ اس سے پہلے میں مرگئی ہوتی یہاں موت کی خواہش نہیں ہے۔ بلکہ درد کی تکلیف سے بچنا مقصود ہے۔ سو اصل مطلب یہ ہے کہ احساس درد کی قابلیت نہ رہتی۔

(۳) قوت ادراک کا نہ ہونا یعنے جہالت مثلاً اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ (انعام آیت ۱۲۳) کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور جسکو زندہ کیا اور ہم نے روشنی دی۔ جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو تاریکی میں ہے اور تاریکی سے نکل نہیں سکتا۔

(۴) انتہائے درد و غم جس سے انسان کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے مثلاً یَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا ھُوَ بِمَیِّتٍ (ابراہیم آیت ۱۸) ہر طرف سے اس پر موت وارد ہوتی ہے مگر وہ مرتا نہیں" (۵) نیند کو موت کی ایک ادنیٰ قسم شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے بیدار ہونے کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

۶ - روح ...... کا جسم عنصری سے جدا ہونا۔ ان مفصلہ بالا چھ معنوں میں سے صرف ۳ و ۴ اس جگہ چسپاں ہو سکتے ہیں۔

اس آیت کے یہ معنے نہیں...... کہ وہ واقعی مر چکنے کے بعد زندہ کئے گئے تھے۔ کیونکہ قرآن اس خیال کو کہ مردہ زندہ ہو سکتا ہے صاف طور سے باطل ٹھہراتا ہے۔

۵۷ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ خروج باب آیت ۱۷ باب آیت ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ بنی اسرائیل خیمہ زن ہوتے تھے۔ وہاں بادل پھیل کر سایہ کر لیتے تھے۔ جب ان کے سفر پر روانہ ہونیکا دن آتا تو پھر بادل صاف ہو جاتے۔ لیکن قرآن شریف کے الفاظ اور سیاق کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادلوں کے گھر آنے سے بارش ہونا مراد ہے۔ کیونکہ عام طور پر برسنے والے بادل گھنے اور تاریک ہوتے ہیں۔ بادلوں کیساتھ قرآن شریف دو اور کھانے کی چیزوں من وسلوٰی کا بھی ذکر فرماتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ویران جنگل میں پانی کی طرح کھانے کی بھی قلت تھی۔ اللہ تعالیٰ گھنے بادل بھیجکر انکی پیاس بجھاتا تھا اور من وسلوے سے ان کی بھوک دور فرماتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تکلیفات دور کرنے اور ان کی آسائیش و آرام بڑھانے کے لئے خاص انعامات ظاہر فرماتا ہے یہ اس کی عادت زمانہ گذشتہ ہی کیلئے نہ تھی بلکہ اس زمانہ میں بھی وہ اپنے مقبول بندوں کیلئے انعام و برکات اسی طرح نازل فرماتا ہے۔

اس کے یہ معنے کرنے کہ ہر وقت ان پر بادلوں کا سایہ رہتا تھا درست نہیں کیونکہ ہر وقت ابر کا رہنا تو بجائے نعمت کے مصیبت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت تھی اللہ تعالےٰ ان پر بادل برساتا جس سے کھانے کی چیزیں بافراط ملتیں۔ ملاحظہ ہو خروج باب ۱۰ آیت ۳۴ تا ۳۹۔

(ب) وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ نزول کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں مادی اسباب کا تعلق نہ ہو۔ مسیح کے لئے بھی نزول اسی لئے آیا ہے کہ وہ آسمانی حربوں سے مسلح ہوگا۔

(۲) مَنّ ہر چیز جو بلا محنت و مشقت مل جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَىٰ یعنی کھمبی بھی اس منّ سے ہے جو حضرت موسےٰ پر اتاری گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کئی چیزیں جنگل میں پیدا ہو گئی تھیں۔ جنکو بنی اسرائیل کھاتے تھے۔ ملاحظہ ہو خروج باب ۱۶ آیت ۱۱ - ۱۶

(۳) اَلسَّلْوَىٰ۔ كُلُّ مَا يُسَلِّيكَ یعنے ہر چیز تسلی دینے والی۔ سلوے ایک قسم کا جانور ہے اور شہد کو بھی سلوے کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۱ آیت ۳۱ -

(ج) وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ - ہم تو اللہ ہمیشہ رحم ہی کرتے تھے جب ان کو سزا دی گئی تو ان کی اپنی شرارتوں ہی کا نتیجہ تھا۔ اور انہوں نے شرارت کرکے اپنا ہی نقصان کیا۔ ہمارا کوئی نقصان نہ کیا ان کی شرارت کے لئے ملاحظہ ہو خروج باب ۱۶ آیت ۲۸

۵۸ وَقُولُوا حِطَّةٌ - حطة الحطّ کا اسم ہے اور اس کے معنے بوجھ کم کرنے کی درخواست کرنا ہیں اور چونکہ مذہبی اصطلاح میں بوجھ کم کرنے کی استدعا سے مراد گناہوں کی معافی ہوتی ہے پس اس لفظ کے معنے ہونگے ہمارے گناہ گرا دیجئے۔

ف ان دونوں آیات میں بنی اسرائیل کی ایک اور ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کو کسی آبادی میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا اور حکم کیا گیا کہ اسمیں داخل ہوتے وقت دعا و استغفار کرتے رہنا اور خدا تعالیٰ کے احکام کے فرمانبردار رہنا۔ لیکن انہوں نے بجائے دعا اور استغفار کے ایسے الفاظ کہنے شروع کئے جن سے ان کی غرض خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی دعا سے تمسخر کرنا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہؤا کہ جن شریروں نے ایسا کیا تھا ان کو سزا دی گئی۔ اور ان پر کوئی آسمانی عذاب نازل ہوا۔ اس قصبہ میں داخل ہونیکا ذکر بائبل سے معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن بائبل سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ رفیدم پر عمالقہ سے بنی اسرائیل کی جنگ ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمالقہ کی اس علاقہ میں آبادی تھی۔ چونکہ بنی اسرائیل آبادی کی زندگی کے خواہشمند تھے اسلئے

بنا کر اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے فتوحات کے رستہ پر تم کو چلا رہے تھے۔ اور ادھر حضرت موسیٰ کو سینا پر تمہاری روحانی ترقیات کیلئے آسمانی قوانین حاصل کر رہے تھے۔ مگر تم نے یہ کام کیا کہ بچھڑے کو خدا بنا لیا۔ پھر ان لوگوں کی شرارت اس امر کی مقتضی تھی کہ تمام قوم کو تباہ کر دیا جاتا۔ مگر ہم نے پھر بھی قومی معافی دے دی حالانکہ یہ گناہ نادانستہ سرزد نہیں ہوا کیونکہ احکام تمہاری ہدایت کے لیے اتارے جا چکے تھے۔ مگر تم نے نہ انعاموں سے فائدہ اٹھایا نہ سزا سے عبرت حاصل کی اور اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً کا گستاخانہ سوال کیا۔ ہم نے پھر بھی تم پر رحم کیا۔ اور تم میں ایک روح پھونک دی تا شکر گذار بندے بن جاؤ۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد دلائے جو حضرت موسےٰ کے وقت میں ان کی عام تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے نازل ہوئے۔ پانی کیلئے بادل برسائے۔ غذا کے لئے منّ وسلوےٰ دیا۔ آیت نمبر ۵۹ و ۶۰ میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے آرام کے لئے ایک بستی میں جانے کا حکم دیا۔ اور حکم دیا کہ تقوےٰ سے زندگی بسر کرنا۔ سُکھ پاؤ گے مگر تم نے اس موقعہ سے فائدہ نہ اٹھایا۔ بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے۔ جس پر ہمیں پھر تمہیں تنبیہ کرنی پڑی۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی بستی میں کچھ دن کے لئے جانے کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ علاقہ آباد تھا۔ دیکھو انسکلو پیڈیا ببلیکا جلد ۴ کالم ۴۰۳۶ و ۳۷) اور اس علاقہ میں جنگل کا ہونا بستیوں کے منافی نہیں کیونکہ خانہ بدوش قومیں بھی کہیں کہیں بستیاں بنا لیتے ہیں۔ اور یہ بستیاں ان کے پراگندہ حصوں کے جمع ہونے کا کام دیتی ہیں۔ عرب کے بدوی اور افریقہ کے وحشی بھی باوجود خانہ بدوش ہونے کے ایسی بستیاں بنا لیتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بائبل میں اس واقعہ کا نہ ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ ایسا ہوا ہی نہیں کیونکہ محققین کے نزدیک بائبل میں بنی اسرائیل کے حالات نہایت نامکمل دیئے گئے ہیں۔ یہ ثابت ہوا ہے کہ بعض جگہ جس سفر کو بائبل نے ایک منزل بتایا ہے وہ کئی دن کا سفر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں بہت کچھ دست اندازی ہو چکی ہے۔ دیکھو انسکلو پیڈیا جلد ۲ کالم ۱۴۳۶ و ۱۴۳۷ و ۱۴۴۳

ترتیب وربط

نمبر ۴۸ میں بنی اسرائیل کی توجہ اسی طرف منعطف کرائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بڑے بڑے فضل کر چکا ہے۔ پس منعم علیہم ہو کر اب مخالفت کر کے مغضوب علیہم نہ بنو۔ آیت نمبر ۴۹ میں بتایا کہ اگر ان احسانوں سے فائدہ نہ اٹھائینگے۔ تو دنیا و آخرت میں دکھ پائیں گے اور کوئی تدبیر اس عذاب سے نجات نہ دے سکیگی۔ اس کے بعد تفصیلاً ان احسانات کو گنایا ہے اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کی وہ شرارتیں بھی بیان فرمائیں جو وہ ان احسانات کی موجودگی میں کرتے رہے۔ اس طرح بنی اسرائیل پر حجت قائم کی کہ خدا تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ جو حضرت ابراہیم کی معرفت بنو اسحاق سے کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے خود نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس کے فضلوں سے محروم کر لیا۔ چنانچہ ان انعامات کے سلسلہ میں سب سے پہلے آیت نمبر ۵۰ میں وہ انعام بیان فرمایا۔ جو بنی اسرائیل کو بہ حیثیت قوم جمع کرنے والا تھا۔ یعنے فرعون کے ظلم سے حضرت موسےٰ کی معرفت نجات اور اپنی تاریخ میں پہلی دفعہ بہ حیثیت قوم وجماعت ظاہر ہونا۔ نمبر ۵۱ میں اس قوم کے دشمنوں کا انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہونے کا ذکر ہے۔ یہ دوسرا انعام ہے۔ نمبر ۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے سب سے بڑے واقعہ کا ذکر ہے۔ جبکہ پہلی دفعہ ان کے لیئے عبادت کے احکام نازل ہوئے اور روحانی انتظام کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ تیسرا انعام ان کی روحانی وتمدنی ترقیات کا بنیادی پتھر تھا اس کے ساتھ یاد دلایا کہ ہم تو تم کو ایک قوم

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

پس بدل کر کہی اُن لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا ایسی بات جو وہ نہیں تھی جو کہی گئی تھی انہیں پس اُتارا ہمنے

عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤﴾ع

اُن لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا عذاب اُوپر سے کیونکہ وہ تھے اطاعت سے نکل جاتے

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

اور جب پانی مانگا موسٰے نے اپنی قوم کے لئے پس ہمنے کہا مار اپنی لاٹھی

الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

پتھر کو پس پھوٹے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ

ہرایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے سے

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ

اور زمین میں مت پھرو فساد کرتے ہوئے لہ اور جب تم نے کہا

يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

اے موسٰی ہم ہرگز صبر نہ کرینگے ایک کھانے پر ٹہ پس دُعا مانگ ہمارے

رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا

لئے اپنے رب سے کہ وہ نکالے ہمارے لئے کچھ اس میں سے جو زمین اُگاتی ہے یعنی اسکی سبزیاں

وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

اور اسکی ککڑیاں اور اس کی گیہوں اور اس کے مسور اور اس کے پیاز اُسنے کہا کیا تم بدل کر لینا چاہتے ہو

ع ٦

لہ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى اس واقعہ کا ذکر خروج باب ۱۷ آیت ۱تا۶ میں اور گنتی باب ۲۰ میں ملاحظہ ہو۔

(ب) فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ پہاڑوں میں بعض جگہ سطح زمین کے ساتھ ساتھ پانی کا چشمہ بہتا ہے۔ اور ذرا سی ٹھوکر سے باہر نکل کر بہ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ بتادیا کہ فلاں جگہ پانی ہے اپنا عصا مار کر فلاں پتھر کو توڑ دو اسکے نیچے پانی نکل آئیگا۔

(ج) اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ بارہ چشموں کا ذکر بائبل میں نہیں۔ بارہ قومیں تھیں اس لئے بارہ ہی چشمے مطابق ضرورت تھے۔ ایسا اسلئے کیا کہ بہت سی جماعت آسانی سے پانی پی سکے۔

(د) وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ان نعمتوں کے بعد فساد کرنا۔ بائبل میں جہاں پانی کا ذکر ہے۔ وہاں ان کی بغاوت کا بیان بھی ہے۔

ٹہ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں کہ جب تکلیف میں ہوں تو گڑگڑاتے اور زاری کرتے ہیں اور بہت چھوٹے بڑے چھوٹے انعام کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ان پر فضل ہو جائے اور تکلیف دور ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے انعامات پر چلّاتے ہیں۔ اور زیادہ کا مطالبہ کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بھی اسی مرض میں گرفتار تھے۔ جب جنگل میں فاقہ کشی کی حالت تھی تب تو انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ کھانے کو مل جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جب ان کی یہ خواہش پوری کردی تو کچھ مدت کے بعد چلّانے لگے کہ ہم ایک ہی چیز یعنے من پر گذارہ نہیں کرسکتے (کیونکہ جیسا کہ بائبل سے ظاہر ہے ایک دفعہ بٹیر کے ملنے کے بعد

الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ

وہ جو کہ ادنیٰ ہے اسکے بدلے میں جو کہ بہتر ہے اترو کسی شہر میں پس تحقیق

لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

تمہارے لئے وہ ہے جو تمنے مانگا اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور مسکنت

وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ

اور پھرے اللہ کا غضب لیکر یہ اس لئے ہوا کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی

بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ

آیتوں کا اور مارتے تھے نبیوں کو ناحق یہ اس لئے

بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ع إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھتے تھے لے یقیناً جو لوگ ایمان لائے

وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ

اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی جو ایمان لائے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

اللہ پر اور روز آخرت پر اور نیک عمل کئے پس ان کے لئے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ۶۲

انکے رب کے پاس اور ان پر خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۶۲

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ

اور جب ہمنے پختہ عہد لیا تم سے اور بلند کیا تم پر طور کو ۶۳

ع

پھر صرف من پر ہی بنی اسرائیل کا گذارہ تھا، ہمیں ہر قسم کی سبزیاں ترکاریاں اور غلہ گیہوں نہیں ملتے مگر چونکہ انکا یہ سوال حکمت الٰہیہ کے سمجھنے کے بغیر تھا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین نہ کیا تھا ان کو سزا ملی اور ذلت و رسوائی کے علاوہ عذاب الٰہی میں بھی گرفتار ہوئے ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۱ آیت ۱۸ تا ۲۰-۱۹-۱۸-۶ -

ف اس آیت سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جسے کوئی اچھی چیز کھانے کو ملے اسے کسی دوسری شے کا مطالبہ کرنا منع ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو مختلف اغذیہ کا محتاج بنایا ہے تو اسکا ان چیزوں کی خواہش کرنا ایک قدرتی امر ہے اور اسپر ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا غضب بنی اسرائیل پر اسلئے نازل نہیں ہوا کہ انہوں نے من کی جگہ جو اچھی چیز تھی سبزیاں اور ترکاریاں جو ان سے ادنے تھیں طلب کیں بلکہ اسلئے کہ خدا تعالیٰ ان کی سستی اور کمزوری کو جو اہل مصر کی لمبی غلامی کے بعد انمیں پیدا ہو گئی تھی اس طرح دور کرنا چاہتا تھا کہ وہ جنگلوں میں انسانی آبادیوں سے دور رہیں۔ اور کوئی کام نہ کریں۔ بلکہ جنگل میں اُگی ہوئی چیزوں کو کھائیں۔ اور اس سے یہ غرض تھی کہ آزادرہ کر ان کی قوتیں پھر بحال ہو جائیں۔ اور پھر ان کو لیجاکر شام کی بادشاہت دی جائے لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ جنگل میں ہمارا رکھنا اور آزادی کی زندگی بسر کروانا اس لئے ہے کہ تا ہمارے دلوں سے وہ کمزوری دور ہو جائے جو اہل مصر کی غلامی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ بلکہ اس بات پر مصر ہوئے کہ کہیں قیام کر کے زمیندارانہ زندگی کی ہمیں اجازت دی جائے یا یہ کہ کسی آبادی میں رکھا جائے تا انسانی محنت سے اُگائی ہوئی چیزیں ہم کھائیں جسپر انہیں عتاب کیا

کرتے ایک ادنیٰ شے یعنے زمینداری یا آبادی کی رہائش کو بادشاہت پر ترجیح دی ہے اور ہم تو تمکو بادشاہ بنانا چاہتے تھے تم نے اسکی جگہ کھیتی باڑی کو قبول کر لیا ہے۔ پس کسی شہر کی طرف چلے جاؤ وہاں تم کو سب چیزیں میسّر ہو جائینگی۔ لیکن تم اس حرکت کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو کیونکہ تمہاری یہ درخواست اسی بات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ کہ تمکو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان نہیں۔ اگر ایمان ہوتا تو تم کیوں اس قدر جلدی کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ایمان کی کمی نتیجہ ہے نبیوں کے مقابلہ کا کیونکہ جب تم نے نبیوں کا ادب نہ کیا تو رفتہ رفتہ اس کلام کا ادب اور اسپر ایمان بھی جاتا رہا جو وہ لائے تھے اور نبیوں کا مقابلہ تم نے اس لئے کیا کہ تم بدکار اور گنہگار تھے نبیوں نے تم کو ہدایت کی تعلیم دی جو تمہیں بُری معلوم ہوئی اور تم نے ان کا مقابلہ شروع کر دیا۔

علّت و معلول کے اصل پر غور کرنے والے لوگ اس بات میں لطف اُٹھا سکتے ہیں۔ کہ کسطرح قرآن کریم ہر ایک بدی یا نیکی کی جڑھ اور پھر اسکی جڑھ بتاتا ہے۔ تاکہ انسان کسی بدی سے بچنے کے لئے پہلے اسکی جڑھ کو کاٹے تا ایسا نہ ہو کہ کچھ مدت کے بعد وہ بدی پھر عود کر آئے۔

فوائد متعلقہ صفحہ ۱۶ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ بنی اسرائیل نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت موسےٰ کے زمانہ تک کسی نبی کا قتل بنی اسرائیل سے ثابت نہیں اور بنی اسرائیل کی طرف بہ حیثیت قوم حضرت موسےٰ ہی پہلے نبی آئے ہیں۔ پس یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ سے مراد حضرت موسےٰ اور ان کے شریک حضرت ہارون ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ان دونوں نبیوں کو بنی اسرائیل نے قتل نہیں کیا گو ان کا مقابلہ وہ کرتے رہے ہیں۔ اور کبھی کبھی قتل کے درپے بھی ہو گئے ہیں۔ پس یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ سے یہ مراد نہیں کہ وہ فی الواقع نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ اور ان کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کبھی مارنے کے سوا اور معنوں میں بھی آتا ہے۔ عربی کا محاورہ ہے۔ ... قَتَلَہُ اللّٰہُ جسکے معنے ہوتے ہیں لَعَنَہُ اللّٰہُ .... یعنی اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے اسی طرح کہتے ہیں اُقْتُلُوْا فُلَانًا فلاں شخص کو قتل کرو اور اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الواقع اسے قتل ہی کر دو۔ بلکہ صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسکو بالکل ترک کر دو۔ اور قطع تعلق کر لو۔ اور ایسا خیال کر لو کہ گویا مر ہی گیا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں قُتِلَ فُلَانٌ جسکے یہ معنے نہیں ہوتے

کہ اس شخص نے اسے قتل کر دیا بلکہ صرف یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس نے اسے مارا۔ اور قَتَلَہٗ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس کے قتال یعنے جسم پر صدمہ پہنچایا ہے اسی طرح کہتے ہیں فُلَانٌ قَاتِلُ الشَّتَوَاتِ یعنے فلاں شخص موسم سرما کا قتل کرنے والا ہے جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ سرما میں جو قحط اور سردی ہوتی ہے اس کے اثر کو زائل کرتا ہے اور لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور کپڑے دیتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں قَتَلَہُ الْعِشْقُ عشق نے اُسے قتل کر دیا۔ اور مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کی ایسی حالت کر دی کہ گویا مقتول ہے۔ غرض قتل کا لفظ علاوہ اپنے عام معنوں کے بعض خاص معنے بھی رکھتا ہے۔ اور جبکہ اس جگہ عام معنے کرنے درست نہیں اس لئے کوئی خاص معنے کرنے پڑیں گے اور وہ مذکورہ بالا معانی کے مطابق ہی ہوں گے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے نبیوں (یعنے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون) سے قطع تعلق کر لیا۔ یا یہ کہ ان کو مارا۔ یا یہ کہ جو کام کرتے تھے اسکو باطل کر دیا۔ اور لغت ہی ان معنوں کی تائید نہیں کرتی۔ بلکہ قرآن کے دوسرے مقامات بھی ان معنوں کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (آل عمران آیت ۲۱) یعنے وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اور نبیوں کو قتل کرتے ہیں بغیر حق کے۔ اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم کرتے ہیں پس خبر دے ان کو ایک دردناک عذاب کی۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قتل کرنے سے کبھی کوشش قتل بھی مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو انکے مخالفوں نے قتل نہیں کیا۔ بلکہ آپ تو قتل سے بالکل محفوظ تھے۔ پس اس جگہ قتل کرنے سے قتل کی کوشش کرنی ہی مراد ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس آیت میں رسل کا لفظ جمع اس لئے نہیں آیا کہ اس سے پہلے نبیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ اسلیئے کہ رسول کریم کے قتل کا منصوبہ گویا سب نبیوں کے قتل کرنیکا منصوبہ تھا۔ پس ان کی عزت کے اظہار کے لیئے۔ جمع کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح کے لئے بھی سورہ فرقان آیت ۳۸ میں رسل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس آیت کے علاوہ ایک اور آیت بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی قتل کا لفظ صرف کوشش قتل یا ارادہ قتل پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ سورۂ مومن آیت ۲۹ میں آتا ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ الخ یعنے جب فرعون نے موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا۔ تو ایک شخص نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا کہا کہ کیا تم قتل کرتے ہو ایک شخص کو اس لئے کہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہے۔ پس قتل سے مراد ہر حالت میں قتل نہیں۔ بلکہ قتل کی کوشش یا اس سے قطع تعلق بھی مراد لے لیتے ہیں۔

ترتیب و ربط

آیت نمبر ۶۱ میں ایک اور احسان یاد دلایا کہ جب ایک جنگل میں پانی ملنے کی کوئی صورت نہ تھی تو ہم نے موسےٰ کو الہام کے ذریعہ ایک چٹان کا پتہ بتایا انہوں نے عصا مار کر اُسے توڑا تو اس سے پانی نکلا اور تم ہلاکت سے بچ گئے۔ نمبر ۶۲ میں بتایا کہ تم نے بجائے شکر کے شکایت کی اور شور کرنے لگے کہ ایک کھانے پر ہمارا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جنگل میں رکھنا تمہیں حکومت کے قابل بنانے کے لئے تھا۔ مگر تم نے اسکی بھی قدر نہ کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ۔ ہَادُوا کے معنے عربی زبان میں یہودی ہو جانے کے ہیں۔ پس اس کے معنے یہ ہیں جو اپنے آپ کو یہودی قرار دیتے ہیں۔

اَلصّٰبِـِٕيْنَ صابی کے نام سے دو مذہب مشہور ہیں۔ ایک تو ستارہ پرست قوم تھی جو عراق عرب میں رہتی تھی اور دوسری قوم کا مذہب یہودی۔ مسیحی۔ پارسی۔ مذاہب کا مرکب تھا اور بعض ان میں موحد کہلاتے تھے حضرت نوح اور حضرت یحییٰ کو اچھا سمجھتے اور فلسفیانہ خیال رکھتے۔ قرآن کریم نے کسی خاص قوم کی تعیین نہیں کی اسلئے ہم بھی تعیین نہیں کرتے۔

ف اس آیت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور مختلف مذاہب کے فیصلہ کی ایک آسان راہ بتائی ہے۔ اور وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے پیاروں کو تباہ اور برباد نہیں ہونے دیتا۔ نہ ان کو دُکھ میں دیکھ سکتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کب اپنے پیارے بندوں کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔ پس مختلف مذاہب کے فیصلہ کے لئے یہ طریق اختیار کیا جائے کہ جس مذہب کو الٰہی نصرت اور مدد ملے وہ الٰہی مذہب ہوگا اور جو خدا تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہو وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس طریق کے مطابق اس وقت کے بعض مذاہب کا نام لیکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہ لوگ جو مومن ہیں یعنی اسلام کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم ہی سچے مومن ہیں اور وہ جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابئین یہ سب اقوام اپنے ایمان کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ جو اعمال ان کی قوم کرتی ہے وہی سچے اور خدا تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اب ان کی اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ان میں سے کون واقع میں

اللہ تعالیٰ کا پیارا اور سچا مومن ہے۔ ہم یہ طریق بتاتے ہیں کہ ان میں سے جو شخص واقع میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور یوم آخر پر یقین رکھتا ہے اور وہ اعمال کرتا ہے جو واقعی اچھے ہیں وہ ضرور خوف و حزن کی حالت سے نکل جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح کا آرام لے حاصل ہو جائیگا۔ یہ معیار جس حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا علم اس بات کو جاننے سے ہو سکتا ہے کہ سورہ بقرہ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی ہے اور ان دنوں میں اسلام نہایت کمزور حالت میں تھا۔ خود اہل عرب مخالف تھے۔ اور جان کے دشمن تھے۔ اہل مدینہ میں سے ایک زبردست جماعت صرف منافقانہ طور پر اسلام لے آئی تھی۔ اور وہ پیروہ اسلام کی تباہی کے لئے کوشاں تھی۔ یہود کے تین قبیلے مدینہ میں رہتے تھے۔ اور تینوں اسلام کے سخت دشمن اور اسلام کے مٹانے کے درپے تھے۔ مسیحیوں کے مختلف قبائل مدینہ کے قرب وجوار میں بستے تھے۔ اور شام کی سرحد مدینہ سے چند منزل پر ہی تھی۔ اور وہاں کے باشندوں کے سینے اسلام کی عداوت سے بھرپور تھے۔ مسلمانوں کی تعداد عورتیں اور بچے ملا کر تین چار ہزار سے زیادہ نہ تھی ایسے وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے اللہ تعالیٰ یہ کلمات نکلواتا ہے۔ اور کل مخالفین کو جو نہ صرف تعداد میں ہی لاکھوں گنا زیادہ تھے۔ بلکہ مال و دنیاوی رعب وداب اور حکومت اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی آپ پر لاکھوں درجہ فضیلت رکھتے تھے۔ یہ پیغام دلواتا ہے کہ ہم سب اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے اور خدا تعالےٰ کے پسندیدہ اعمال کرتے ہیں۔ پس اسکا فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ واقع میں ایسے ہیں ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ ان کی مدد کرے۔ پس باوجود اس کے کہ تم زیادہ ہو اور ہر طرح امن و امان میں ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ جسکو خدا تعالےٰ دکھوں اور تکلیفوں سے نجات دیدے وہ سچا اور واقع میں خدا تعالیٰ کا پیارا ہے اور جو خوف وحزن سے محفوظ ہوتے ہوئے اس میں پڑ جائے وہ ضرور غلطی پر ہے۔ اس معیار پر کس مذہب کی صداقت ثابت ہوئی۔ اس کے جواب کے لئے ہمیں خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اسلام کے مخالفین کی لکھی ہوئی تاریخیں ہی اس بات پر کافی روشنی ڈال رہی ہیں کہ ہجرت کے پہلے ایک دو سال کے اندر کہ جب یہ دعوے کیا گیا ہے اسلام کی کیا حالت تھی۔ اور اس کے بعد چند سال میں ہی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور وہ مسلمان جو چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے۔ دنیا کے پردہ پر ٹڈی دل کی طرح پھیل گئے۔ اور ان کا خوف و حزن امن اور خوشی سے بدل گیا۔ اور ان کے دشمن جو پہلے سُکھ کی نیند سوتے تھے۔ اور ملکوں کے حاکم تھے خوف وحزن میں مبتلا ہو گئے۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے فعل نے اس بات کی شہادت دیدی کہ مسلمانوں کی جماعت ہی وہ جماعت تھی جو واقع میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی تھی۔ اور اعمال صالحہ بجا لاتی تھی۔ ورنہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کا ایمان ایک رسمی ایمان تھا۔ اور ان کے اعمال اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ نہ تھے۔ اس معیار پر یہ اعتراض کرنا درست نہ ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں مسیحی حکومتیں مسلمانوں پر غالب ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذہبی مقابلہ کے وقت اس قوم کے خوف و حزن سے نکلنے کا وعدہ کیا ہے۔ جو واقع میں مومن اور اعمال صالحہ کے بجا لانے والی ہو اور اس زمانہ کے مسلمان بموجب حدیث نبی کریم اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے قرآن کریم پر عمل چھوڑ دیا ہے۔ اور ان کی اس وقت وہی حالت ہو رہی ہے جو بنی اسرائیل کی مسیح ناصری کے وقت میں تھی۔ پس ان کا خوف وحزن میں مبتلا ہونا بطور سزا ہے اور مطابق پیشگوئی ہے۔ ہاں یہ بھی وعدہ ہے کہ جب یہ لوگ مسیح موعود کو قبول کرکے

پھر اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔ تو پھر ہر قسم کے خوف و حزن سے بچ جائینگے۔ اور ان کے دشمن ان کے مقابلہ میں ذلیل ہوں گے۔ لیکن یہ غلبہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی اسباب سے حاصل ہوگا۔ اور تلوار کی بجائے دلائل و براھین سے خدا اسلام کو غالب کریگا۔ چنانچہ وہ مسیح موعود پیدا ہو چکا ہے اور اسے اور اس کے پیروؤں کو اللہ تعالیٰ خارق عادت نشانات سے خوف و حزن سے بچاتا اور ان کے دشمنوں کو ان کے مقابلہ میں شرمسار کرتا ہے۔

اس آیت کے معنے کرنے میں بعض لوگوں کو یہ دھوکہ لگا ہے کہ چونکہ اس جگہ صرف ایمان باللہ اور ایمان بیوم آخر کے ساتھ خوف و حزن سے نجات کو وابستہ کیا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اس قوم کو جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والی ہو نجات یافتہ قرار دیتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ ایمان باللہ و یوم آخر میں اسلام کے سب اصول شامل ہیں چنانچہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا (سورہ نساء آیت ۱۵۰)

یعنے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں کوئی اور راستہ بنالیں یہ لوگ ہی پکے کافر ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اندر ہی رسولوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ اور رسولوں پر ایمان لانے میں اگر وہ کوئی کتاب لایا ہو تو اس پر ایمان لانا بھی داخل ہوگا۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (انعام ع آیت ۹۲) یعنے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اس پر (یعنے قرآن کریم پر) بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اس آیت سے ثابت ہے کہ یوم آخر پر ایمان میں قرآن کریم پر ایمان لانا اور عبادات کا بجالانا بھی شامل ہے۔ پس اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانا صرف ہستی باری اور یوم آخر کا اقرار کرنا نہیں۔ بلکہ اس کے اندر تمام وہ فروع بھی شامل ہیں جو ان سے متفرع ہوتے ہیں

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ الخ

آخذنا میثاقکم سے وہ دس احکام مراد ہیں جو سینا پہاڑ پر موسٰے کو ملے۔ اس آیت میں ان احکام کی طرف بنی اسرائیل کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ان دس احکام کو یاد کرو جو تمہیں اسوقت دیئے گئے تھے۔ جبکہ تم سینا کے نیچے کھڑے ہوئے تھے اور جن کے سننے پر تم پیٹھ پھیر کر چلے گئے تھے۔ اور تم نے خدا تعالیٰ کا کلام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو ہم مر جائیں۔

(ب) وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ بعض لوگوں نے دھوکا کھایا ہے اور اسکا مطلب یہ سمجھا ہے کہ پہاڑ کو بلند کر کے بنی اسرائیل کے سر کے اوپر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اور اسی غلط مطلب کو لے کر راڈول صاحب نے بھی اسلام پر ایک اعتراض کر دیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ غلطی خروج باب ۱۹ آیت ۱۷ کے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہود کو لگی ہے۔ اور ان سے سنکر قرآن کریم میں نقل کر دی گئی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جس طرح بقول راڈول یہود نے خروج باب ۱۹ کی آیت ۱۷ کے معنے غلط سمجھے ہیں اسی طرح یہود کے قصوں پر یقین کر کے بعض لوگوں نے اس آیت کے وہ معنے کر دیئے ہیں جو یہود میں طور کے اٹھائے جانے کے متعلق مشہور تھے۔ حالانکہ اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ یہ عہد ایسے وقت میں ہوا جب تم دامن کوہ میں تھے اور یہ معنے عربی زبان کے محاورہ کے عین مطابق ہیں جن دو لفظوں سے اس آیت کے معنے کرنے میں دھوکا لگا ہے وہ رفع اور فوق ہیں۔ رفع کے معنے اٹھانے اور فوق کے معنے اوپر کے ہیں لیکن

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

پکڑو جو ہمنے تم کو دیا ہے مضبوطی سے، اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم

تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ

متقی ہو پھر تم اس کے بعد پھر گئے تو اگر نہ ہوتا فضل

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ وَ

اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی تو ضرور تم گھاٹا پانیوالوں میں سے ہوتے سلہ اور

لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

یقیناً ٹھیک تم معلوم کر چکے ہو ان لوگوں کو جو حد سے بڑھے تم میں سے سبت میں پس ہمنے انکو

لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا

کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل سلہ پس ہمنے اس کو عبرت بنایا ان کے

بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝

لئے جو اسکے سامنے تھے اور جو اسکے بعد اور متقیوں کے لئے نصیحت

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یقیناً اللہ حکم دیتا ہے تمکو کہ تم ذبح کرو

بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ

ایک گائے انہوں نے کہا کیا تو ہمیں بناتا ہے تمسخر کا نشانہ؟ اس نے کہا میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی

أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

کہ میں ہو جاؤں جاہلوں میں سے سلہ انہوں نے کہا کہ تو دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے

حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۶

محاورہ زبان میں یہ الفاظ صرف بلندی کے معنے میں بھی آتے ہیں جیسا کہ خود بخاری کی کتاب المناقب میں حضرت ابوبکر خلیفۂ اول کی روایت ہے وہ ہجرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدینہ کی طرف آتے ہوئے جب گرمی سے سخت تکلیف ہوئی اور دوپہر کا وقت آگیا تو رُفِعَ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيلَةٌ لَهَا ظِلٌّ جس کے لفظی معنے یہ ہیں کہ ایک لمبا پتھر ہمارے اوپر اٹھایا گیا۔ لیکن مراد یہ ہے کہ پاس ہی ایک اونچا پتھر نظر آیا۔ اسی طرح فوق کا محاورہ قرآن کریم میں موجود ہے جیسا کہ سورہ احزاب ع ۲ آیت ۱۰ میں فرمایا ہے۔ اِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ جس کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ دشمن تمہارے اوپر کی طرف سے آگیا لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ اونچی جانب کی طرف سے آگیا غرض اس آیت سے یہی مراد ہے کہ یہود کو طور کے نیچے کھڑا کیا گیا۔ اور بعض احکام انکو دیئے گئے جنپر پابند رہنے کا ان سے عہد لیا گیا۔ جیسا کہ خروج باب ۱۹ آیت ۱۶ تا ۲۵ سے ثابت ہے۔ طور کے اٹھانے کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف اسلئے منسوب کیا گیا ہے کہ پہاڑ کے نیچے رہنے کا تاکیدی حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی دیا تھا۔ (خروج باب ۱۹ آیت ۲۱) (۲) طور سے مراد شریعت ہو، جو طور پر دی گئی جیسے محل بول کر حال مراد لیتے ہیں سَالَ الْمِيزَابُ یعنے پرنالہ بہنے لگا۔ جَرَى النَّهْرُ نہر چلنے لگی یہاں پرنالہ ونہر سے مراد ان کا پانی ہے اس صورت میں رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ کا وہی مطلب ہوگا جو الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ (سورہ جمعہ ع ۲ آیت ۶) کا ہے۔

سلہ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ۔ دیکھو خروج باب ۲۰ آیت ۱۸۔

نہیں کہ وہ شکلاً
اور ماہیتاً بندر بن
گئے تھے۔ بلکہ اس سے
مراد ان کا بندروں کے
اخلاق کو اپنے اندر
پیدا کر لینا تھا۔
دوسرا موقعہ جہاں بنی
اسرائیل کے بندر
بنائے جانے کا ذکر
ہے۔ سورہ اعراف
کی آیات ۱۶۵ و ۱۶۶
و ۱۶۷ و ۱۶۸ ہیں
جنمیں سبت کے متعلق
بنی اسرائیل کی سرکشی کا ذکر
کرتے ہوئے فرمایا کہ
فَلَمَّا عَتَوْا
عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ
قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ
وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ
لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ
سُوْٓءَ الْعَذَابِ
اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ
الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنے جب ان لوگوں نے اس چیز میں کہ جس سے روکے گئے تھے سرکشی کی۔ ہمنے انہیں کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل اور جب تیرے رب نے حکم دیا کہ میں ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایک جماعت کو مقرر کرونگا جو ان کو بہت برا عذاب دے گی۔ تیرا رب بڑا جلدی بچھا کرنے والا ہے۔ اور وہ ضرور بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔ اور ہم نے ان کو زمین میں جماعتیں بنا کر پھیلا دیا۔ ان میں سے نیک بھی ہیں اور بدکار بھی اور ہم نے ان کو نفعوں اور نقصانوں دونو کے ذریعہ آزمایا تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

ان آیات پر غور کر کے ہر ایک شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بندر حقیقی بندر نہیں۔ بلکہ اس نافرمان قوم کو بندروں سے مشابہت دی گئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہ جماعت قیامت تک باقی بھی رہے گی اور اس میں

اور استثنا باب ۵ آیت ۲ تا ۱۶

۵۲ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ۔

اعتدوا منکم فی السبت کے احکام خروج باب ۲۰ میں ملاحظہ ہوں۔

ف اس آیت کے معنے کرنے میں بعض نے دھوکا کھایا ہے۔ اور قردۃ کے لفظ سے جس کے معنے بندر کے ہیں یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں سبت کے حکم کی نافرمانی کرنے والی قوم کے بندر بن جانے کی خبر دی گئی ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ واقعہ اس جگہ کے علاوہ دو اور جگہ پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور ان دونو مقامات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ درحقیقت بندر نہ بنے تھے۔ بلکہ بندر کا لفظ تشبیہ اور مثال کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ آیت ۶۱ و ۶۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ یعنے ان لوگوں سے کہدے کہ کیا میں تم کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جماعت سے زیادہ بری جزا پانے والی جماعت کی خبر دوں یہ وہ ہیں کہ جنپر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر غضب کیا اور ان میں سے ایک جماعت کو بندر اور سور بنا دیا۔ اور جو لوگ کہ شیطان کی پرستش کرتے ہیں یہ لوگ زیادہ برے ہیں اپنے رہنے کی جگہ کے لحاظ سے اور زیادہ گمراہ ہیں سیدھے راستہ سے۔ اور جب یہ لوگ آتے ہیں تمہارے پاس کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ یہ لوگ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ واپس چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جسے یہ چھپاتے ہیں

اس آیت سے ظاہر ہے کہ وہ جماعت جنپر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہوئی تھی وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ اور آپ کے پاس آکر نفاق سے یہ بھی کہدیا کرتی تھی کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ حالانکہ اس کے دل میں کفر بھرا ہوتا تھا اور یہ بات قرآن کریم سے اور احادیث ...... اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ جماعت یہودیوں کی ہی تھی۔ نہ کہ بندروں اور سوروں کی۔ پس معلوم ہوا کہ بندر بنا دینے سے مراد یہ

نیکو کار اور بدکار بھی ہوتے رہینگے۔ اور قسم قسم کے امتحانات کے ذریعہ سے ان کو نیکی کی طرف واپس لانے کی تدابیر بھی کی جائینگی۔ غرض قرآن کریم نے چونکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ کے بندر بنائے جانے کا مطلب خود ہی بتا دیا ہے اس لئے کسی شخص کی من گھڑت روایات کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا تشریح کے علاوہ ایک اور بھی ثبوت ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جگہ بندر سے حقیقی بندر مراد نہیں ہیں اور وہ قواعد زبان کی شہادت ہے۔ عربی قواعد کا یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ون اور ین صرف ان جمع کے صیغوں کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔ جو ذوی العقول کے متعلق ہوں یا جو ان کی صفات ہوں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قِرَدَۃً کی صفت خَاسِئِیْنَ بیان فرمائی ہے جس کے آخر میں ین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قِرَدَۃً سے وہ بندر مراد نہیں۔ جو حیوانات کی قسم سے ہیں

....

.... کیونکہ اگر وہ مراد ہوتے تو قردۃ کی صفت بجائے خاسئین کے خاسئۃ آتی۔ لیکن چونکہ قردۃ کی صفت خاسئین آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندر حقیقی بندر نہ تھے۔ جو معنے ہم نے اوپر کئے ہیں۔ وہ علمائے سلف سے بھی مروی ہیں۔ چنانچہ مجاہد جو مفسرین کے سردار مانے جاتے ہیں اور تابعین سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ مُسِخَتْ قُلُوْبُهُمْ وَلَمْ يُمْسَخُوْا قِرَدَةً وَاِنَّمَا هُوَ مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ لَهُمْ یعنے ان کے دل مسخ کر دیئے گئے تھے وہ خود مسخ نہیں کئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات صرف ایک مثال کے طور پر بیان فرمائی ہے۔ بندر بنا دینے سے جو معنے مراد ہیں وہ بھی قرآن کریم سے ہی ظاہر ہیں یعنے اول تو ان کا ذلیل ہو جانا۔ اور جس طرح بندروں کو لوگ پکڑ کر نچاتے پھرتے ہیں۔ اور جس طرح قلندر ان سے کہتا ہے ان کو کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اُن پر بھی ایسی حکومتیں متسلط رہیں گی۔ کہ جس طرح چاہیں گی ان سے معاملہ کریں گی ان کا حکومت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ دوم بندر کا کام نقل کرنا ہوتا ہے۔ بندر کی عادت ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے ویسا ہی کرنے لگتا ہے۔ اور بنی اسرائیل میں سے بھی ایک جماعت کے دل ایسے مسخ ہو گئے تھے کہ خشیۃ اللہ کا نام نہ رہا تھا۔

ان کے تمام کام نقل کے طور پر تھے۔ حقیقت کچھ نہ تھی۔ چھلکے کو پکڑے بیٹھے تھے اور مغز سے بالکل بے خبر تھے کہ ایسا بھی کر لیا کرتے کہ مسلمانوں کے پاس آکر مسلمان بن جاتے۔ اور ہم مذہبوں کے پاس جاکر یہودی بن جاتے۔

سلا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ..... فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ بنی اسرائیل چونکہ مصر میں رہے تھے اور فرعونی لوگ گائے کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس سبب سے ان کے دلوں میں بھی گائے کی عظمت آگئی تھی۔ چنانچہ اس سورہ کی آیت ۵۲ اور خروج باب ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب اپنے لئے ایک معبود بنایا تو وہ بچھڑے کی ہی شکل پر تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں گائے کی عظمت الوہیت کی عظمت تک پہنچی ہوئی تھی اور چونکہ انبیاء کی اصل غرض دنیا سے شرک کا مٹانا اور اس واحد خدا کے جلال کا دنیا پر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جو سب مخلوق کا خالق اور مالک ہے اس لئے ضرور تھا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت کوئی ایسا سامان بھی کرتی جس سے بنی اسرائیل کے دل سے گائے کی وہ عظمت مٹ جاتی جس کی وجہ سے وہ اس کی عبادت تک کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اور اگر ایسا بندوبست کوئی

يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ
تا وہ ہمارے لئے کھولکر بتائے وہ کیسی ہو۔ اس نے کہا یقیناً وہ فرماتا ہے تحقیق وہ ایسی گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو

وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ ٦٨
اور نہ بچھیا جوان ہے درمیان اس کے پس تم وہ کرو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ
انہوں نے کہا دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے تا وہ ہمارے لئے کھولکر بتادے اس کا رنگ کیا ہو۔ اس نے کہا یقیناً وہ

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ ٦٩
فرماتا ہے۔ تحقیق وہ ایک گائے ہے زرد رنگ جس کا رنگ شوخ ہے خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ
انہوں نے کہا دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے وہ ہمارے لئے کھولکر بتلائے وہ کیسی ہو۔ یقیناً گائیں مشتبہ ہو

عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ ٧٠ قَالَ اِنَّهٗ
گئی ہیں ہم پر اور اگر اللہ نے چاہا تو ضرور ہم ہدایت پانیوالے ہونگے اس نے کہا یقیناً

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي
وہ فرماتا ہے تحقیق وہ ایسی گائے ہو جو نہ کام میں لگی ہوئی ہے کہ زمین جوتتی ہو۔ اور نہ پانی دیتی

الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ
ہے کھیتی کو صحیح سالم ہے جسمیں کوئی داغ نہیں انہوں نے کہا اب تو لایا

بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ٧١ وَاِذْ ع ۱۰
حق پس انہوں نے ذبح کیا اور قریب نہ تھے کہ کرتے اور جب

نہ کیا جاتا تو ضرور تھا کہ کچھ مدت کے بعد بھی اسرائیل پھر گائے کی پرستش کی طرف متوجہ ہو جاتے پس اس فرض کو پورا کرنے کے لئے حضرت موسےٰ کی شریعت میں گائے کی قربانی کا کئی جگہ حکم دیا گیا ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب ایک قوم ایک جانور کو ذبح کرتی رہیگی۔ تو وہ کبھی اسے الوہیت کی صفات سے متصف نہیں قرار دیگی مذکورہ بالا آیت میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل کو گائے کی قربانی کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے بہانہ بناکر ٹالنا چاہا مگر آخرکار بادل ناخواستہ موسےٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

ترتیب و ربط

آیت نمبر ۶۳ میں یہ بتایا کہ اے بنی اسرائیل گو تم بہت کچھ شرارتیں کر چکے ہو لیکن ہمارا فضل وسیع ہے اگر پھر اس عہد پر قائم ہو جاؤ تو وہی انعامات پاؤ تو نمبر ۶۴ و ۶۵ میں انہیں م بریاں یاد دلانے کے بعد وہ عہد یاد دلایا جو طور کے دامن میں لیا گیا تھا اور جسے بنی اسرائیل نے توڑ دیا پھر نمبر ۶۶، ۶۷ میں بتایا کہ سبت کی حرمت کا بھی ایک عہد تھا جسے تم میں سے بعض نے توڑا اور ذلیل ہوئے یہاں تک قومی ترقیات روحانی ترقیات روزانہ زندگی کو بآرام کرنے کے متعلق انعامات کا ذکر اور ان پر بنی اسرائیل کی ناشکری نافرمانی عہد شکنی کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ ان وجوہات سے اب تم میں نبی مبعوث نہیں ہوتا۔ پھر ۶۸ ... ۶۹ ... ۷۰ ۔ ۷۱ میں ایک اور مثال عہد شکنی اور احکامات الٰہیہ کو ٹالنے اور ان سے خواہ مخواہ پہلو تہی کرنیکے بارہ میں دی یعنی ایک گائے کا ذبح کرنا۔ چونکہ یہ واقعہ حضرت موسےٰ کے بعد کا ہے اسلئے اِذْ سے اسے نہیں شروع کیا تاکہ ذکر ضمنی سمجھا جائے۔

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
تم نے مارا ایک نفس کو پھر تم نے اختلاف کیا اس میں اور اللہ ظاہر کرنے والا ہے جو تم
تَكْتُمُونَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ
چھپاتے ہو ٧٣ پس ہم نے کہا مار دو اس کو اسکے بعض کے سبب سے اسی طرح زندہ کرتا ہے
اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ثُمَّ
اللہ مردوں کو اور دکھلاتا ہے تم کو اپنے نشانات تاکہ تم عقل سے کام لو ٧٤ پھر
قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد پس وہ پتھروں کی مانند ہیں
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ
یا بڑھ کر ہیں سخت ہونے میں اور یقیناً بعض پتھر ہیں کہ جن سے پھوٹ
مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ
نکلتی ہیں نہریاں اور یقیناً بعض ان سے ہیں جو پھٹتے ہیں پس نکلتا ہے ان سے
الْمَاءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ
پانی اور یقیناً بعض ان میں سے ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف کے سبب سے۔ اور نہیں ہے اللہ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا لَكُمْ
ہرگز بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو ٧٥ پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری مان لینگے
وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ
حالانکہ ہیں کچھ لوگ ان میں سے سنتے اللہ کا کلام ٧٦ پھر

٥ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا گو اس آیت میں قرآن کریم نے اس نفس کی تعیین نہیں کی جسے قتل کیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ نفسًا نکرہ کر کے استعمال کیا گیا ہے اور نکرہ عظمت کے معنے میں بھی آتا ہے پس ہمیں الفاظ سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جگہ کسی عظیم الشان قتل کا ذکر ہے اور اس خیال کی اس بات سے بھی تائید ہو جاتی ہے کہ بنی اسرائیل نے گو ہزاروں قتل کئے تھے مگر ان میں سے صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقتول کوئی بڑا آدمی ہے جسکا قتل ایک ایسی حیثیت رکھتا ہے کہ اسکے بدلہ میں بنی اسرائیل کو بحیثیت قومی سزا دیجائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم کر دیا جائے

اور چونکہ انبیاء کا ہی ایک ایسا وجود ہے کہ جن کو دکھ دینے کی سزا میں قومیں خدا تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو جاتی ہیں اس لئے اس حد تک بھی اس مقتول کی تعیین ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نبی تھا۔ اور نبیوں سے پھر کوئی ایسا نبی تھا کہ جسکے قتل پر اختلاف بھی ہوا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں واقعہ قتل بیان کرنے کے بعد یہ بھی بتایا گیا کہ پھر تم نے اس میں اختلاف کیا۔ اب اسقدر یقین ہو جانے کے بعد ہمیں اس مقتول کی شخصیت کے معلوم کرنے میں کوئی مشکل نہیں رہتی کیونکہ وہ نبی جسے بنی اسرائیل نے بحیثیت قوم قتل کیا ہے اور جس کے قتل کے متعلق ان میں اختلاف ہوا ہے۔ سوائے حضرت مسیح کے اور کوئی نہیں۔ پس اس آیت میں حضرت مسیح کے ہی قتل کا ذکر ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قَتَلْتُمْ سے اس آیت میں یہ مراد نہیں کہ تم نے مسیح کی روح اس کے جسم سے جدا کر دی کیونکہ جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہے حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں

(سورہ نساء ۴-۱۵۸) پس قتلتم سے مراد اس قدر ہے کہ تم نے اپنی طرف سے قتل کر دیا اور قتل کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے قتل میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا۔ سولی پر لٹکانے کے بعد اور کون سی کسر قتل میں باقی رہ جاتی ہے آگے یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے ان کو صلیب پر سے زندہ اتار لیا اور جیسا کہ نوٹ نمبر ب صفحہ ۵۹ میں لکھا جا چکا ہے قتل کا لفظ کبھی اس بات پر دلالت کرنے کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے کہ جب انسان قریب ہلاکت ہو گو ہلاک نہ ہوا ہو اور یہ بھی عربی کا عام قاعدہ ہے کہ کبھی ایک حالت جو دوسری کے مشابہ ہو تو اس پر وہی لفظ استعمال کر لیتے ہیں جس کے وہ مشابہ ہے چنانچہ غشی کو موت کے نام سے پکار لیتے ہیں اور ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری لے لینے کو اشتری کہہ دیتے ہیں۔ پس چونکہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ (سورہ ۴ آیۃ ۱۵۸) اس لئے اس جگہ قتلتم کے معنے یہ نہیں کئے جائیں گے کہ تم نے قتل کر دیا۔ بلکہ یہ کہ تم نے اس سے ایسا معاملہ کیا جس کا نتیجہ عام طور پر موت ہوتی ہے اور اس کی نوبت اس حالت تک پہنچا دی

جو کہ مردوں کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اناجیل سے ثابت ہے کہ جب حضرت مسیح کو یہود نے صلیب پر لٹکایا اور پھر بوجہ دوسرے دن عید ہونے کے جلد اُتار لیا۔ تو ان کی حالت بہت نازک تھی اور ایسی غشی تھی کہ موت کے مشابہ حالت ہو گئی تھی (لیکن موت نہ تھی کیونکہ جسم میں بہنے والا خون بھی موجود تھا) غرض اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا سے حضرت مسیح کے قتل کرنے کی کوشش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا میں بنی اسرائیل کا وہ اختلاف بتایا گیا ہے جو ان کے واقعۂ قتل کے متعلق ہوا جب کہ بعض یہود نے یہ دیکھ کر کہ مسیح کو جلد اُتار لیا گیا ہے۔ اور ان کی لاش کو ان کے مرید لے گئے ہیں اور بجائے قبر میں داخل کرنے کے ایک مکان میں رکھا گیا ہے۔ یہ خیال کیا کہ درحقیقت وہ مرے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر حاکم وقت سے اس خیال کا اظہار بھی کیا اور اس سے چاہا کہ جس مکان میں ان کی لاش رکھی گئی تھی اس پر پہرہ مقرر کیا جائے۔ لیکن بعض دوسروں نے حضرت مسیح کی اس وقت کی ظاہر مردہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کی موت کو یقینی سمجھا جو خیال آخر غالب آیا اور اب تک وہی یہود میں عام ہے۔

(ب) وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ میں خبر دی ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ جب مسیح کے قتل کا واقعہ پورے طور پر کھل جائیگا چنانچہ اس پیشگوئی کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے یہ راز سربستہ آخر کھول دیا۔

۵ے فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا یعنی ہم نے کہا کہ اس کو مارو اس کے بعض کے سبب سے اس میں بتایا کہ مسیح کے قتل کی کوشش پر قوم یہود پر عذاب نازل کرنیکا حکم ہم نے فرشتوں کو دیا اور گو اس جگہ فرشتوں کا ذکر تو نہیں کیا گیا لیکن چونکہ سزائے جرم فرشتوں کے ذریعے سے ملتی ہے اسلئے ظاہر ہے کہ مخاطب فرشتے ہی ہیں جنھیں کہا گیا ہے کہ قوم یہود کو اس نفس مقتول کے بعض بدلے میں یعنی اس کو قتل کرنے کا جو جرم ہے اس کے ایک حصہ کی پاداش میں تم ان کو ہلاک کرو (جس میں یہ بتایا کہ دوسرے حصہ جرم کے بدلے میں وہ بعد الموت سزا پائینگے کیونکہ بعض جرم ایسے ہوتے ہیں جن کی سزا دونو جہانمیں ملتی ہے اور انبیاء کو دکھ دینا انہیں جرائم میں سے ہے) فاضربوہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع قوم یہود ہے اور ہا کا مرجع نفس مقتول ہے۔

(ب) كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى سے بتایا ہے کہ ہمارا مردوں کو زندہ کرنا اسی طرح ہوتا ہے۔ یعنے اس دنیا میں جو ہم مردوں کو زندہ کرنیکا بیان کرتے ہیں تو اس سے مراد حقیقی مردوں کا زندہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ جسطرح مسیح کو زندہ کیا اسی طرح ہم اس دنیا میں مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یعنے ایک تو زندہ کرنیکے یہ معنے ہوتے ہیں کہ

خطرناک حالت سے جو موت کے قریب ہو جیسے حضرت مسیح کی تھی بچا لیا جائے دوسرے انکے دشمنوں کو تبرکر دیا جائے یہ وہ احیاء کے معنے ہیں جن معنوں کے مطابق احیاء کا لفظ قرآن کریم میں کئی دفعہ آیا ہے۔ لیکن حضرت مسیح کے متعلق تو ایک تیسرا رنگ بھی ہے اور وہ یہ کہ انیس سو سال سے عام طور پر ان کے پیرو بھی اور دشمن بھی یہی خیال کرتے رہے کہ وہ صلیب پر مر گئے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے وقت میں آپ کے ذریعہ سے انا جیل اور تاریخ کی شہادت سے خدا تعالےٰ نے یہ ثابت کرا دیا کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لئے گئے تھے۔ اور مرے نہیں تھے جس طرح یونس مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوا تھا اور زندہ ہی نکلا تھا جس سے کہ مسیح نے اپنے آپ کو مشابہت دی۔ جن لوگوں نے اس آیت کو پہلی آیت سے ملاکر یہ معنے کئے ہیں کہ کسی حقیقی مردہ کو زندہ کیا گیا تھا وہ معنے اس آیت کے صریح خلاف ہیں اور ان کی بنا ایسے بیہودہ قصوں پر ہے کہ جنکا ثبوت نہ قرآن کریم سے ملتا ہے نہ احادیث سے بلکہ محض بنی اسرائیل کی روایات پر انکا مدار ہے۔

(۲) دوسرے معنے اس آیت کے یہ کئے جاتے ہیں کہ یہ واقعہ یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع کے متعلق ہے جو سنار کا کام کرتے تھے انمیں سے ایک کی دکان پر ایک مسلمان عورت اپنا زیور بنوانے کیلئے آئی اس عورت کے چہرہ پر نقاب تھا یہودی نے کہا اپنا منہ کھول دے۔ اس نے انکار کیا تو ایک لڑکے کو اشارہ کیا جسنے اس کی اوڑھنی کا پچھلا حصہ کسی چیز سے باندھ دیا۔ جب وہ خاتون اُٹھی تو اس کا نقاب کھل گیا اور یہود نے قہقہہ لگایا مسلم بی بی کو اپنی ہتک پر غصہ آیا۔ اس نے یا لَلْمُسْلِمِیْنَ پکارا ایک مسلمان نے آواز سنی دوڑا دوڑا آیا اپنی دینی بہن کو برہنہ دیکھ کر آنکھوں میں خون اُتر آیا تلوار کھینچ لی۔ یہودی اور مسلمان میں لڑائی ہوئی یہودی مارا گیا۔ اسپر یہود اکٹھے ہو کر اس مسلمان پر ٹوٹ پڑے اور اسے مار دیا مسلمانوں کو جب خبر ہوئی اور انہوں نے اپنی عزت و آبرو کو معرض خطر میں سمجھا تو انہوں نے ایسی باتوں کا قرار واقعی انسداد چاہا۔ یہود پہلے قلعہ بند ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رحیمی سے فائدہ اُٹھا کر مدینے سے چلے گئے۔ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے بانی کعب بن اشرف کے قتل کا فتوےٰ دیا۔ کیونکہ اگر اسے قتل نہ کیا جاتا تو اور فساد اور قتل ہونے کا یقین تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ جب تم نے مذہبی عناد کی وجہ سے ایک مسلم کو مار ڈالا۔ تو ہم نے کہا کہ اس نفس کے قاتل (کعب بن اشرف) کو مار و بوجہ اس نفس کے

بعض کہتے ہیں کہ اسیطرح مُردے اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے یعنی وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ (آیت ۱۸۰) کے مطابق بدلہ لینے میں زندگی ہے عربی زبان کا محاورہ بھی ہے کہ جس مقتول کا بدلہ لیا جاتا اسے زندہ کہتے۔ ایک شاعر کا شعر ہے۔

اِنْ تَنْبِشُوْا مَا بَیْنَ مِلْحَۃَ فَالنَّقَا فِیْھَا الْاَمْوَاتُ وَالْاَحْیَاءُ

یعنی اگر محہ اور صاقب مقام کے درمیان کی قبروں کو تلاش کرو تو تمہیں ان میں سے بہت سے مردے اور بہت سے زندے ملینگے مطلب یہ کہ جو مُردے ہماری قوم کے ہوں گے وہ ایسے ہوں گے کہ انکا بدلہ ہم لے چکے ہیں۔

ف قَتَلْتُمْ میں جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ تلوار سو مارنے والے یہود سب تھے۔ فاضربوہ میں ایک

قاتل اس لئے قرار دیا گیا کہ اس فساد و قتل کا بانی مبانی کعب بن الاشرف ایک ہی تھا۔ اضربوہ میں ضرب کے معنے سر پھاڑ دینے کے ہیں۔ دیکھو کتاب مخصص ابن سیدہ یا سبب کو سبب کی بجائے استعمال کیا گیا جیسے مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ میں سمع سے مراد قبول ہے۔ بِبَعْضِھَا میں ب بمعنے سبب ہے فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ (سورۃ آیت ۱۱۴) میں۔ بِبَعْضِھَا اصل میں ہے۔ بِبَعْضِ اِثْمِھَا۔ مضاف حسب قاعدہ حذف کر دیا گیا۔ جیسے حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ اصل میں ہے حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اَکْلُ الْمَیْتَۃِ مردار حرام ہے۔ یعنے مردار کا کھانا۔ بعض کہتے اس لئے فرمایا کہ قتل کے جرم کی ایک سزا تو قصاص ہے۔ اور ایک مَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا۔ یہ آخری سزا انسان کے اختیار میں نہیں۔

تو اس سے ایک تو ان تمام ذرائع کا ذکر نہ ہوتا تھا جن سے خشیت اللہ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک ہی چیزوں کا نام لیا جاتا دوم خشیت اللہ کی طرف اشارہ بھی نہ ہو سکتا۔ لیکن آیت کے موجودہ الفاظ ایک طرف تو ان تمام سامانوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ جن سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی غرض اس جگہ تم لوگوں کے اندر خشیت اللہ کی کمی کی طرف اشارہ فرمانا ہے۔ سبب کی جگہ مسبب کا استعمال خلاف قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کریم میں کئی جگہ اس رنگ کا کلام موجود ہے چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے۔

۵۳ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ۔
اس آیت میں یہود کو بتایا ہے کہ بعض بے جان چیزیں جنہیں اپنا ارادہ نہیں ہوتا وہ بھی نفع رساں ہوتی ہیں۔ لیکن تم کو دل دئے گئے۔ اور سمجھ دی گئی لیکن تم نے ٹیڑھی راہ اختیار کی اور ہر ایک نبی کا مقابلہ ہی کیا اور اپنی فطرت کے ماتحت کبھی نیکی کی طرف توجہ نہ کی مگر ان کی اس حالت کے بیان کے ساتھ ہی بتا دیا کہ ہم سب قوم کی نسبت ایسا نہیں کہتے بعض دل یہود میں سے ایسے بھی ہیں کہ جو خَشْيَةُ اللّٰه کے ماتحت گر جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں۔

ہم نے جو معنے کئے ہیں ان کے مطابق اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ میں ھا کی ضمیر قلوب کی طرف پھیری ہے۔ اور یہ بات کہ اس سے پہلی ضمیریں حجارۃ کی طرف گئی ہیں اور یہ قلوب کی طرف قابل تعجب نہیں اس کی مثالیں قرآن کریم میں اور بھی ہیں جیسا کہ فرمایا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (سورہ فتح آیت ۱۰) یہاں تعزروہ و توقروہ کی ضمیریں رسول کی طرف پھرتی ہیں اور تسبحوہ کی اللہ کی طرف۔ اسی طرح وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)

اس آیت میں تاخذوا اور خفتم دونو مخاطب کے صیغے ہیں۔ مگر ان کی ضمیریں ایک طرف نہیں پھرتیں۔ تاخذوا سے خاوند مراد ہیں اور خفتم میں دوسرے لوگ۔

(۳) اگر ھا کا مرجع پتھروں کو قرار دیا جائے تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ بعض پتھر ایسے ہیں جو ان چیزوں سے گر جاتے ہیں جو خشیۃ اللہ پیدا کرنیکا موجب ہوتی ہیں۔ جیسے ہوا پانی وغیرہ اور یہ بات بالکل درست ہے اور ہر ایک شخص کے مشاہدے میں آتی ہے جب ہوائیں چلتی بارشیں ہوتی ہیں تو ہزاروں پتھر پہاڑوں سے گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخالفین صداقت کو فرماتا ہے۔ کہ پتھر بھی ان چیزوں سے جو خشیۃ اللہ پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں گر جاتے ہیں۔ مگر تم لوگ کچھ ایسے سخت ہو کہ ہزاروں نشان دیکھ کر بھی تمہاری گردنیں اللہ تعالےٰ کے حضور نہیں جھکتیں۔ اس ترجمہ کے سمجھنے کے لئے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ کبھی سبب کی بجائے مسبب کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تیز ہوائیں اور بارشیں اور بجلیاں اور زلزلے خوف و خشیت الٰہی کے پیدا کرنے کا باعث اور سبب بن جاتے ہیں۔ اس لئے خشیت الٰہی جو مسبب تھی اسے سبب کی جگہ بیان کر دیا تاکہ ایک فقرہ کو دو مطلب حل ہو جائیں۔ کیونکہ اگر یہ کہا جاتا کہ بعض پتھر ہوا سے یا بارش سے گر جاتے ہیں

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۴۰ - ۱۳ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے رزق اُتارتا ہے۔ حالانکہ رزق کبھی اُترا نہیں کرتا۔ بلکہ رزق تو اسی دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ ہاں رزق پانی سے پیدا ہوتا ہے جو اوپر سے برستا ہے۔ پس اس جگہ مسبب یعنے رزق کو سبب یعنی پانی کی جگہ رکھ دیا ہے اور بجائے یہ فرمانے کے کہ اللہ تعالیٰ تم پر پانی اُتارتا ہے یہ فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رزق اُتارتا ہے اور اس کلام سے دو فائدے حاصل ہوگئے اول یہ کہ پانی کے اُترنے کا احسان بندہ کو یاد دلایا۔ دوم یہ بھی بتا دیا کہ اس احسان کے نتیجہ میں انسان کو اور بھی سکھ پہنچتے ہیں۔ اور انسان کا رزق بھی اسی پانی کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۴ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔

اس آیت میں مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اس امید کے فریب میں آ کر کہ شائد بنی اسرائیل ہماری باتوں کو مان لیں اور فساد پر آمادہ نہ ہوں ان سے بے خبر نہ ہو جائیں اور ان کے دھوکے میں نہ آ جائیں۔ اور ان سے مامون نہ رہنیکی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہ لوگ ایک کلام کو خدا کا کلام سمجھکر اور اسکے معنوں سے واقف ہو کر جان بوجھ کر تحریف کر دیتے ہیں تو تمہارے کلاموں میں تحریف اور معاہدات میں رد و بدل کر دینے میں ان کے لئے کیا چیز روک ہو سکتی ہے۔

ف۱ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ فرمایا ہے یعنے یہود میں سے ایک گروہ ایسا کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سب یہود پر ہم یہ الزام نہیں لگاتے۔ کیونکہ کوئی قوم ساری کی ساری گندی نہیں ہو سکتی۔ ضرور کچھ نہ کچھ لوگ نیک نیت اور اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے کہ وہ کبھی کسی شَے کی بدی بیان کرتے وقت اس کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کرتا اور کسی قوم پر اعتراض کرتے وقت کبھی ان لوگوں کو بھی جو نیک نیتی اور یقین کی بنا پر کوئی کام کرتے ہوں ان لوگوں کے ساتھ شامل نہیں کرتا۔ جو شرارت سے وہ کام کر رہے ہوں۔ چنانچہ اس جگہ بھی اپنے زمانہ اور خصوصًا عرب کے بنی اسرائیل کی جب ایک بدی بیان کی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حال ساری قوم کا نہیں۔ بلکہ ایسے بھی ہیں جن کو اس شرارت سے کوئی تعلق نہیں اور جیسا کہ پہلی آیت میں بتایا ہے وہ لوگ خشیۃ اللہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں موجزن ہے اور اپنے مذہب کو سچا سمجھ کر حق کی مدد کے لئے قائم ہیں وہ لوگ جو اس وقت مذہبی مباحثات سے تعلق رکھتے ہیں قرآن کریم سے یہ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اور ان کی یہ تبدیلی بہر حال ان کے لئے بھی اور دنیا کے امن کے لئے بھی مفید ہوگی کسی مذہب کے پیرووں کو بہ حیثیت اس مذہب کے پیرووں کے بلا استثناء بُرا کہنا۔ اور اگر کسی خاص شخص کی شرارت معلوم بھی ہے تو اس کے ساتھ اس کی سب قوم کو شامل کرنا ایک ایسا طریقہ ہے جو سوائے فساد اور جھگڑے کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔

ف۲ اس آیت کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جہاں قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے ایک حصہ کو اس الزام سے بری کیا ہے کہ وہ شرارت سے مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں وہاں یہ بات بھی بتا دی ہے۔ کہ مسلمانوں کو چوکس صرف پہلی جماعت سے ہی نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ اس دوسری جماعت سے بھی ہوشیار رہنا چاہئے۔ اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اس بات کی طمع میں کہ یہ ہمارے معاہدات کے پابند رہینگے۔ اور ہماری باتوں کو مان لینگے۔ ان سے امن میں آ جائیں۔ کیونکہ گو یہ گروہ شرارت سے مخالفت تو نہیں کرتا۔ لیکن اس گروہ کے زیر اثر ہے۔ جو تحریف و تبدیل سے خائف نہیں ہے۔ پس یہ گروہ شرارت کی نیت سے نہیں۔ لیکن پہلے گروہ کو حق پر سمجھنے اور اس کی شرارت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کے کہنے میں ہے۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ کسی وقت پہلا گروہ اس کی سادگی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اسے تمہارے خلاف کھڑا کر دے۔ پس مومن کو ہر وقت چوکس اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ اور کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

يُحَرِّفُونَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

اُسے بدل ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ اُسے سمجھ چکے ہوتے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ

اور جب ملتے ہیں مومنوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ جا کر ملتے ہیں ایک

اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

دوسرے سے تو کہتے ہیں کیا تم بیان کرتے ہو ان کے پاس جو کھولا ہے اللہ نے تم پر

لِيُحَاجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا

تا جھگڑ سکیں تم سے اس کے ذریعہ تمہارے رب کے حکم کے مطابق پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کیا وہ

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷

نہیں جانتے اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ

اور کچھ ان میں سے اَن پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو سوائے اپنے جھوٹے خیالات کے اور

هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

وہ صرف گمان ہی کرتے ہیں ع پس ہلاکت ہے اُن کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو

بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا

اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ لیں اس

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ

کے عوض مول تھوڑا ع پس ہلاکت ہے ان کے لئے اس سے جو لکھا انکے ہاتھوں نے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ... اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اس آیت میں بتلایا ہے کہ یہود کے ایک گروہ کی یہ بھی خصلت ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتا ہے تو کہتا ہے ہم بھی مومن ہیں لیکن جب وہ علیحدہ ہوتا ہے تو ان میں سے بعض بعض پر اظہار افسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا تم ان لوگوں کو ایسی باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالےٰ نے تم پر کھولی ہیں یعنے ان پیشگوئیوں کا علم دیتے ہو جو آخری نبی کی نسبت تمہاری کتب میں موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ لوگ

النصف

تیز تمہاری ہی کتب کے مطابق اور تمہارے مسلّم خدائی کلام کے مطابق تم پر حجت قائم کریں اور تم کو ملزم و مغلوب کریں (۲) رب کے معنے سردار کے بھی ہوتے ہیں۔ پس یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ یہودی اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ اس طریق سے مسلمان تمہارے ربّی یعنے بڑے عالم کے ساتھ مباحثہ کرنے میں تمہاری بتائی ہوئی باتوں کی مدد سے غلبہ پالینگے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ نادان اس قدر نہیں جانتے۔ کہ اگر قرآن کریم انسانی کلام ہے اور محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نعوذ باللہ من ذالک جھوٹا نبی ہے تب تو کوئی لاکھ اسے توریت کی پیشگوئیاں سنا جائے اسے ان سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک پیشگوئی اپنے اندر بعض علامات رکھتی ہے۔ اگر وہ علامات اس کے اندر پائے ہی نہ جائینگے تو وہ کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے

ان پیشگوئیوں سے فائدہ تو وہ اسی وقت اٹھا سکتا ہے۔ جب کہ اس پر وہ پیشگوئیاں چسپاں ہوں تو ضرور ہے کہ وہ صادق بھی ہو پس ایسے ہی وقت میں تمکو اس بات سے خطرہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اگر وہ پیشگوئیاں معلوم ہوں گی تو وہ ان سے تمہارے خلاف دلیل پکڑے گا۔ لیکن اس صورت میں کیا تم اتنا نہیں خیال کر سکتے کہ اسے تمہارے بتانے کی کیا ضرورت ہوگی کیا خدا تعالیٰ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو نہیں جانتا وہ خود اسے ان باتوں سے آگاہ کریگا جن سے تمپر حجت اور الزام ہو سکتا کیونکہ سچے نبی کا علم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

ف ۱ اس آیت میں یہ بات حُسنِ کلام سے ہے کہ جھوٹے ہونے کے پہلو کو الفاظ میں ادا نہیں کیا گیا کیونکہ صرف آپ کے صادق ہونیکا پہلو بیان کرنے سے دوسرا پہلو خود بخود سیاق کلام سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور دانا انسان خود مطلب نکال سکتا ہے۔

ف ۲ اس آیت میں ایک جملہ عِنْدَ رَبِّكُمْ ہے اسکا ترجمہ تمہارے رب کے حکم کے مطابق کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جملہ کے یہ بھی معنے ہیں کہ تمہارے رب کے حضور۔ لیکن یہ ترجمہ اس آیت میں درست نہیں کیونکہ یہود کی طرف یہ قول منسوب ہو ہی نہیں سکتا کہ مسلمانوں کو وہ باتیں نہ بتاؤ جن کے ذریعہ سے یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے تم سے جھگڑیں۔ کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے قائل تھے۔ اور خصوصاً ایسی بات کی نسبت جس کی نسبت وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہی ان کو بتائی ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں یاد دلائیں گے۔ اور اس طرح یہود کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔ پس اس کا ترجمہ وہی درست ہے جو ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ قرآن کریم اور محاورہ عرب کے مطابق ہے۔ بات یہ ہے کہ لفظ عِنْدَ عربی زبان میں کئی معنوں میں آتا ہے جنمیں سے ایک معنے پاس ہیں اور دوسرے مطابق حکم کے ہیں۔ چنانچہ عربی زبان میں کہتے ہیں هٰذا عند فلانٍ حَرَامٌ یعنی یہ چیز فلاں شخص کے حکم کے مطابق حرام ہے۔ اور قرآن کریم میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ نور میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو چار گواہ ساتھ لائے۔ فرمایا ہے کہ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (سورہ نور رکوع ۲ آیت ۱۳) یعنے جب کہ وہ چار گواہ نہ لا سکیں تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جھوٹے ہیں۔ یہاں بھی لفظ عند استعمال ہوا ہے اور اس کے صرف یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق جھوٹے ہیں اور کوئی اور معنے نہیں ہو سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص ایک الزام کسی پر لگائے اور وہ الزام لگانے میں سچا بھی ہو لیکن وہ چار گواہ نہ لائے پس وہ گو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق جھوٹا قرار دیا جائیگا اور اس کی بات پر اعتبار نہیں کیا جائیگا تاکہ جھوٹے لوگوں کو یہ جرأت نہ پیدا ہو سکے کہ وہ دشمنی سے بلا ثبوت کسی پر جھوٹا الزام لگا دیں۔ لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بغیر شہادت کے جانتا ہے کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے۔ غرض سورہ نور کی اس آیت سے ثابت ہے کہ عند کا لفظ کبھی مطابق حکم کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں بھی انہیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ف ۳ اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ یہود مسلمانوں کو بعض باتیں آکر بتا دیتے تھے۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بتاتے تھے اور وہ قرآن کریم میں نقل کر دیتے تھے۔ (جیسا کہ ریورنڈ ویری نے اپنی تفسیر قرآن میں لکھا ہے) درست نہیں بلکہ یہی آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم کا علم آسمانی ہے زمینی نہیں کیونکہ

گھانا چاہیئے کہ امانی چونکہ کتاب سے مستثنٰے ہے اس لئے امانی کے بھی کوئی ایسے ہی معنے چاہئیں جو کتاب کے متعلق ہوں کیونکہ عربی زبان میں مستثنٰے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مستثنٰے متصل کہلاتا ہے یعنے ایسا مستثنٰے جو کسی بیان کردہ یا سمجھے ہوئے مجموعہ سے نکالا جاتا ہے جیسے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (سورہ ۵ آیت ۲) یعنے تمہارے لئے سب پالتو چارپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جونکو بتا دیئے گئے ہیں۔ اسجگہ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کو بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے نکال لیا گیا ہے۔ اور ایک مستثنٰے منقطع جنمیں مستثنٰے پہلے بیان کردہ اسم سے مستثنٰے نہیں کیا جاتا جیسے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ع ۱۱ آیت ۴۴ یعنے اس دن خدا تعالیٰ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا مگر جسپر خدا تعالیٰ نے رحم کیا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جسپر خدا تعالیٰ کا رحم ہوا وہ بچا سکے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسدن کوئی شخص کسی کو بچا نہ سکیگا۔ لیکن جسپر اللہ تعالیٰ رحم کرے وہ بچ جائیگا۔ پس اس آیت میں بھی مستثنٰے منقطع ہے اور امانی کتاب سے مستثنٰے نہیں بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کا علم صرف ان کی خواہشوں اور آرزوؤں تک محدود ہے اس آیت میں یہود کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جو کتاب کا علم بالکل نہ رکھتا تھا نہ پڑھ سکتا تھا۔ نہ سنتا تھا۔ بلکہ اس نے اپنے مذہب کی بنیاد صرف گمان اور ظن پر قایم کر رکھی تھی۔ پس اس جماعت کی موجودگی میں بھی یہود کا اصلاح پذیر ہونا ناممکن تھا کیونکہ ہدایت علم سے

یہ بات ہر ایک واقف کار انسان جانتا ہے کہ مخبر کی ہر گورنمنٹ میں قدر کی جاتی ہے اور اس کی نسبت پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اور وہ قابل ملامت نہیں بلکہ قابل تعریف خیال کئے جاتے ہیں۔ پس اگر واقع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محتاج ہوتے ان اخبار کے جو یہود اگر مسلمانوں کو سنا جاتے تھے۔ تب تو چاہیئے تھا کہ ان کو انعامات دیئے جاتے اور ان کی قدر کی جاتی۔ لیکن برخلاف اس کے ان کے کام کو ناجائز اور ان کی قوم کی ذلت کا باعث قرار دے کر ان کو ملامت کی گئی ہو جسکے بعد ممکن نہ تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کو آ کر کوئی بات بتلاتے۔ پس یہ آیت خود اس بات کی شاہد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہود کی اخبار کے محتاج نہ تھے۔ ورنہ ان کی قدر کرتے۔ نہ کہ ملامت شاید کوئی کہے کہ یہ ملامت تو ان کے اس قول پر کی گئی ہے جو وہ ایک دوسرے کو زجر کرتے تھے کہ کیوں تم مسلمانوں کو بعض وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ مخبروں کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ اس ڈر کے مارے کہ دوسروں کو معلوم نہ ہو جاتے کہ وہ اپنی قوم سے غداری کرتے ہیں۔ ہمیشہ ایسی طرز اختیار کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ بڑے خیر خواہ ہیں پس اپنے طریق عمل کو چھپانے کے لئے ضرور تھا کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرتے تاکہ لوگوں کے اعتراض سے بچے رہیں اور اسمیں مسلمانوں کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی پس قرآن کریم کا یہود کے منافقین پر ناراضگی کا اظہار کرنا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اول تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کتب سابقہ کی بعض باتوں کے معلوم کرنے کے لئے انسانوں کے محتاج نہ تھے۔ بلکہ ان کا علم آسمانی تھا۔ چنانچہ تاریخ سے بھی یہ ثابت ہے کہ جب یہود نے اس منافقانہ طریق سے مسلمانوں کو ملنا شروع کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا داخلہ اسلامی احاطہ میں روک دیا۔ دوم اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نفاق کا بہرحال مخالف ہے اور خواہ اس سے اسلام کو کسی رنگ میں فائدہ ہی پہنچنے کا کیوں احتمال نہ ہو اسے جائز قرار نہیں دیتا

۷۸ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ

اَمَانِيَّ اُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے اُمْنِيَّةٌ جو امانی کا واحد ہے اس کے معنے آرزو جھوٹ اور پڑھنے کے ہوتے ہیں اور اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ یہود میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کتاب کا علم تو نہیں رکھتے۔ لیکن خواہشیں اور آرزوئیں کرتے ہیں اور بجائے کتاب کا مطلب معلوم کرنے اور یقین پر اپنے ایمان کی بنیاد رکھنے کے صرف ظن پر ان کا مدار ہے اس جگہ یہ دھوکہ نہ

ہوتی ہے جب کوئی نہ خود جانے نہ دوسرے سے تو اس نے کیا ہدایت پائی ہے۔ اور جو شخص اس کتاب کی طرف توجہ نہیں کرتا جسے سچا سمجھتا ہے تو پھر کب غور کریگا جسے جھوٹا جانتا ہے

ف اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ہر ایک شخص کو اس کتاب کا علم ہونا ضروری ہے جس پر وہ ایمان لاتا ہے اور اس کے ترجمہ سے واقف ہونا اس کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ اُسکا ایمان کامل نہ ہوسکیگا کیونکہ بصورت دیگر ایسے انسان کو اپنے اعتقاد اور اعمال کے متعلق دوسروں کا محتاج ہونا پڑیگا۔ اور اسے کبھی یقین حاصل نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ میں مانتا ہوں یہی میرے مذہب کے بنائے ہوئے عقیدہ میں ہے کیونکہ اسکے عقائد کی بنا دوسروں کے اقوال پر ہوگی۔ مسلمانوں کو اس آیت پر خاص طور پر غور کرنی چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے کہ وہ اس آیت کے مفہوم کی کہاں تک اتباع کرتے ہیں اور یہ کہ کیا وہ یہود کے مشابہ تو نہیں بنتے جاتے ہیں

سه فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ

اس آیت میں یہود کا ایک چوتھا گروہ بیان کیا ہے۔ جو اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھکر کہہ دیتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اس بس آسمانی باتیں بھی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہود میں یہ مرض بہت پھیلی ہوئی تھی اور موجودہ بائبل کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ایسی پائی جاتی ہیں جن کے مصنفوں نے انہیں آسمانی ظاہر کیا ہے اسی طرح ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بات انہوں نے اپنے پاس سے لکھی اور کہدیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہے۔ یعنے بائبل سے اسمیں استدلال کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بائبل کے خلاف تھی۔ اور چونکہ یہ علماء کا گروہ ہے اور انہیں لوگوں کے کہنے میں عوام ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے خاص طور پر عذاب کی خبر دی کیونکہ پہلے تینوں گروہ انہی کے بد نمونہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جبکہ علماء ہی دین سے غافل ہو کر لوگوں کے سامنے غلط تعلیم پیش کرنے لگ جائیں اور اپنے خیالات کو لکھکر عوام پر ایسا ظاہر کریں کہ گویا وہ آسمانی کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں تو اس کا ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ (۱) بعض لوگ ان کے اس بد نتیجہ سے متاثر ہو کر خود بھی کلام الٰہی میں تحریف کرنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ پہلی آیت میں ذکر ہوا (۲) اور بعض دین پر دنیا کو مقدم کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں بیان ہوا ہے (۳) اور بعض ان لوگوں کے بیان کردہ دین پر ایمان لانے کی وجہ سے اصل دین سے محض ناواقف ہو کر صرف ظنیات اور ڈھکوسلوں کے معتقد ہو جاتے ہیں جیسا کہ آیت سوم میں بیان کیا گیا ہے پس ان گناہوں کے ذمہ دار بھی یہی علماء ہوتے ہیں

اس تاوان کا ذکر کرتے ہوئے ویل کا لفظ ابتدا میں رکھا تا انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے اور ان کو اپنا فرض منصبی یاد آجائے اور وہ سمجھ لیں کہ دین میں اپنے خیالات کو ملانا ایک ناقابل معافی جرم ہے اور دین کو بیچ کر دنیا کمانا اور مسائل دینیہ کو اس لئے توڑ مروڑ کر پیش کرنا کہ ان سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہو جائے اور بھی قابل شرم اور قابل مواخذہ فعل ہے۔

ف اس آیت کے متعلق بعض لوگوں کو قرآن کریم کے نامکمل مطالعہ کی وجہ سے دھوکہ لگا ہے کہ اس سے صحیح بائبل کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے تبھی تو یہود کے علماء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ غلط طور پر لکھکر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر صحیح کتاب موجود ہی نہ تھی تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن اس آیت سے ایسا نتیجہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کتب قدیمہ کی تحریف کا بڑے زور سے مدعی ہے پس اندریں صورت اس آیت کا وہ مطلب نکالنا درست نہیں ہو سکتا جو قرآن کریم کے دوسرے مقامات کے خلاف ہو۔ دوم جس بات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتب بائبل اپنی صحیح شکل میں موجود تھیں۔ وہ بات ہی غلط ہو کیونکہ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اگر یہودی اصل کتاب میں تحریف کریں تب تو وہ قابل مواخذہ ہیں ورنہ نہیں کیونکہ مواخذہ اور سزا تو دلی تاریکی اور شرارت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ شخص جو ایک سچی کتاب میں تحریف کرتا یا ایک صداقت کو بدل دیتا ہے اسی طرح قابل مواخذہ ہے جسطرح وہ شخص جو ایک جھوٹی کتاب کو سچی سمجھ کر اس میں تحریف کرتا ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک

وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

اور ہلاکت ہے انکے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں — اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں چھوئیگی ہمیں آگ مگر

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ

چند روز — کہہ کیا تمنے لیا ہے — اللہ سے — عہد — پھر تو

يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہرگز خلاف نہیں کریگا اللہ اپنے عہد کے — یا تم کہتے ہو — اللہ پر — جو تم نہیں جانتے لہ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

ہاں جس نے — بدی کمائی — اور گھیر لیا اسے اس کی خطاؤں نے — پس وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دوزخ والے ہیں — وہ اس میں وہ پڑے رہنے والے ہونگے — اور جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

اور انہوں نے اچھے کام کئے — وہ جنت والے ہیں — وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ع ۹ ۱۱

اس میں وہ پڑے رہنے والے ہیں — اور جب ہمنے لیا پختہ عہد — بنی اسرائیل سے

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي

نہ عبادت کرنی ہوگی مگر اللہ کی — اور ماں باپ سے — بھلائی کرنا اور

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ

قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور کہو لوگوں سے

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ نمبر ۲۰

اناجیل کے مضامین کو بگاڑنیوالا جوان کے نزدیک بھی کتاب ہے بے دل اور شرارتی قرار پائیگا لیکن اگر کوئی ہندو ویدوں میں جسکی نسبت وہ یقین رکھتا ہے کہ آسمانی کتب ہیں اسی قسم کی دست اندازی کرتا ہے جیسی کہ اول الذکر نے اناجیل میں کی تھی تو وہ بھی شرارت میں اس سے کم نہ سمجھا جائیگا کیونکہ گو ایک نے ان کے نزدیک صداقت کو خراب کرنا چاہا ہو اور دوسرے نے باطل کو بدلنا چاہا ہے۔ لیکن ایک چیز کو حق سمجھتے ہوئے اسے بگاڑ دینے کے فعل سے جس دل کی سیاہی کا پتہ لگتا ہے وہ دونوں میں یکساں ہے پس قرآن کریم کا بعض علمائے یہود پر یہ الزام لگانا کہ جس کتاب کو خدا کی کتاب سمجھتے ہو اسی کے مضامین کو ہیر پھیر کر لوگوں کو سناتے ہو اور اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھکر انہیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب قرار دیتے ہو اور یہ بہت بڑی بات ہے اور اسکی وجہ سے دوسرے لوگ جو تمہارے عمل سے گمراہ ہو گئے انکے گناہ کے بھی تم ذمہ دار ہو گو کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس وقت یہود کے پاس اصل بائبل موجود تھی کیونکہ اصل بائبل میں تحریف کرنا یا محرف کتاب کو جسے وہ اصل کتاب سمجھتے تھے بدلنا بلحاظ شرارت نفس کے یکساں برا ہے اور صداقت کے نقصان پہنچانے کے لحاظ سے بھی برا ہے کیونکہ باوجود محرف ہونے کے موجودہ بائبل بھی ہزاروں صداقتیں اپنے اندر رکھتی ہے اور جو شخص اس پر غور کرے وہ بھی حق کو پا سکتا ہے پس جو شخص اس کے مضامین کو بدلتا ہے وہ بھی کئی صداقتوں کے چھپانے کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

لہ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اسلام سے پہلے جس قدر مذاہب دنیا میں پھیلے ہوئے تھے وہ قریباً تمام کے تمام اس مرض کے شکار ہو رہے تھے کہ اپنے پیروؤں کے لئے نجات

کو خاص کر لیتے تھے۔ اور دوسروں کے لئے نہ ختم ہونے والی دوزخ کا فیصلہ دیتے تھے چنانچہ یہود کا خیال تو اس جگہ بیان کیا ہی گیا ہے کہ وہ دعوے کرتے تھے۔ کہ ہمیں اگر عذاب ہوگا بھی تو صرف چند دن ہوگا چنانچہ اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں میں سے بعض کا خیال یہ تھا کہ یہودی صرف چالیس دن تک عذاب میں رہیں گے۔ اور بعض کا عقیدہ تھا کہ اس قدر عرصہ بھی ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھا جائیگا بلکہ صرف سات دن کے بعد ان کو چھوڑ دیا جائیگا۔ اس وقت کے یہود کی نسبت بھی سیل لکھتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہودیوں کو ہمیشہ کا عذاب نہیں ہوگا صرف گیارہ ماہ یا حد سے حد ایک سال تک ان کو عذاب دیا جائیگا۔ اور پھر ان کو نکال لیا جائیگا اور ہمیشہ کا عذاب یہود میں سے صرف داتن یا ابیرام یا دہریہ خیال کے یہودیوں کو ہوگا۔ مسیحیوں کا عقیدہ یہود سے بھی زیادہ وسیع ہے ان کے خیال میں مسیح کے کفارہ کو ایمان لانے سے انسان ہر ایک گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور نجات کا مستحق بن جاتا ہے ورنہ شریعت کے ذریعہ سے نجات پانا ناممکن ہے۔ مسیح پر ایمان لانے سے تو اس قدر آسانی سے بغیر کسی عمل کے انسان نجات پا سکتا ہے لیکن جو لوگ اس پر ایمان نہ لائیں ان کے لئے ہمیشہ کے عذاب کی خبر دی گئی ہے اہل ہنود اور زردشتیوں کے عقائد بھی اسی قسم کے ہیں کہ جو لوگ ان کے مذہب میں ہیں ان کے لئے تو عذاب کو نہایت محدود کر دیا گیا ہے۔ اور دوسروں کے لئے عذاب کی کوئی حد بندی نہیں رکھی۔ اور پھر اپنے مذاہب کو خاص خاص نسلوں سے بھی خاص کر دیا گیا ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے اس باطل خیال کے خلاف بڑے زور سے آواز اٹھائی ہے .. ..

.. ..

.. .. .. اور اس کو باطل قرار دیا ہے چنانچہ اس آیت میں یہود کے اس خیال کا ذکر کر کے اصولاً اسے لغو اور بے ہودہ ثابت کیا ہے۔ اور اسی طرح دیگر مذاہب کی بھی ساتھ ہی اصلاح کر دی ہے۔ اسلام ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ کسی خاص نسل کو یوں ہی نجات ہو جائیگی۔ اور اگر سزا بھی ہوگی تو نہایت محدود۔ اور دوسرے لوگ نہ کٹنے والی دوزخ میں پڑے رہینگے۔ بلکہ اسلام اس بات کا مدعی ہے۔ کہ نجات دو باتوں کے مجموعہ سے حاصل ہوتی ہے اول ایمان اور دوم اعمال صالحہ۔ پس جو شخص کہ صحیح اور راست عقائد کو مانتا اور وہ اعمال بجا لاتا ہے جو اس کے تعلقات کو اللہ تعالیٰ سے درست اور بندوں سے مضبوط کرتے ہیں۔ وہ نجات پا جاتا ہے۔ اور اگر کسی سچے مذہب کا پیرو ان باتوں پر عملدر آمد نہیں کرتا تو وہ ہرگز اس بات کا مستحق نہیں کہ صرف کسی خاص نسل سے ہونے یا کسی خاص مذہب سے اپنے آپ کو منسوب کرنے کی وجہ سے اسے نجات دے دی جائے۔ اور دوسرے لوگوں کو جو گو اس صادق مذہب کے پیرو نہ ہوں۔ لیکن عقائد و اعمال میں اس شریر سے زیادہ حق پر ہوں ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلایا جائے بلکہ اگر یہ سزا کے مستحق ہیں تو وہ بھی سزا کا مستحق ہے۔ اور ضرور ہے۔ کہ دونوں اپنے اپنے جرم کے مطابق سزا پائیں باستثناء ان لوگوں کے جو اپنے کسی خاص

۴ جو یہود میں پیدا ہو گئی سبب بتایا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو عذاب نہ ہوگا۔ اور ہوگا بھی تو چند روز۔ نمبر ۲، ۸ و ۳، ۸ میں بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جس کی بدیاں زیادہ ہو ویں۔ خواہ وہ کسی نسل سے ہو اور کسی مذہب کا۔ ضرور سزا پائیگا۔ اور جس کا ایمان درست ہوگا اور اعمال اچھے۔ وہ نجات پانے کا مستحق ہوگا۔

۵ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ اس آیت میں کسی خاص عہد کا ذکر نہیں بلکہ وہ عام بدیاں مذکور ہیں جو اس وقت کے یہود میں عام طور پر پائی جاتی تھیں۔ اور جن سے بائبل میں ان کو روکا گیا تھا۔ پس چونکہ یہود ان کے عام طور پر عادی تھے۔ ان کو یکجا کر کے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ان کو یاد دلایا جائے کہ اب وہ اپنے مذہب سے کس قدر دور ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور معبود کی پرستش سے بائبل میں بہت مقامات میں رد کیا گیا ہے لیکن یہ حکم خود اُن دس احکام میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ خروج باب ۲۰ آیت ۳ تا ۶ کی یہ عبارت ہے "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے۔

کام کی وجہ سے مستحق عفو ہوں۔ غرض اسلام نجات میں عدل اور میزان کا قائل ہے۔ اور ہرگز کسی لفظی اقرار یا خونی رشتہ سے نجات کو وابستہ قرار نہیں دیتا

ترتیب و ربط

نمبر ۳، و ۴، میں یہود کی چھوٹی چھوٹی شرارتیں بیان کرنے کے بعد سب سے بڑی اور آخری شرارت کا ذکر کیا جو ان کی شرارتوں کی آخری حد اور ان کے گناہوں کے بوجھ کا آخری نقطہ تھی اور جس کے بعد وہ کلی طور پر رحمت الہٰی سے محروم ہو گئے۔ یعنے حضرت مسیح ناصری رسول اللہ کے قتل کی کوشش۔

نمبر ۵، میں بتایا کہ ہم تمہاری شرارتوں کے بعد تم پر رحم فرما دیتے تھے مگر اس شرارت کے بعد ہم نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا اور تمہارے دل سخت ہو گئے اور تم ہدایت سے قطعی محروم ہو گئے۔ آیت نمبر ۶، سے یہود کی وہ بڑی بڑی شرارتیں بتانی شروع کی ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ کرتے تھے کیونکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ جسقدر شرارتیں ہماری طرف منسوب کی جاتی ہیں یہ ہم نے تو نہیں کیں ہمارے باپ دادا نے کی ہیں اس لئے یہود کے باطن اور امراض کا ذکر فرمایا کہ وہ عالم نہیں لیکن علماء سے وہ کتاب سنکر جسے اپنے خیال میں وہ سچا یقین کرتے ہیں۔ پھر اس میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نمبر ۷، و ۸، میں اسی منافق گروہ کا ذکر کیا جو مسلمانوں سے صرف دنیاوی لالچ کی وجہ سے ملتا جلتا ہے۔ اور مسلمانوں سے کہتا ہے کہ ہاں ہماری کتاب میں بھی تمہارے نبی کی خبر ہے نمبر ۹، میں اس گروہ کا ذکر ہے جو کتاب کو

. . . .

بالکل نہیں جانتا۔ اور صرف اپنے خیالات اور وہم پر اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ نمبر ۱۰ میں اس گروہ کا ذکر ہے جو ان تین متذکرہ بالا اقسام کے یہود کا ذمہ وار ہے۔ یہ گروہ علماء کا ہے جو تحریف و تبدیل کرتا ہے۔ اور آپ گمراہ ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

نمبر ۱۱، میں اس جرأت اور غفلت کا

ست بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں ست جھکا۔ اور نہ ان کی عبادت کر۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ اور باپ دادوں کی بدکاریاں ان کی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ تیسری اور چوتھی پشت تک پہنچاتا ہوں۔ پر ان میں سے ہزاروں پر جو مجھ سے پیار کرتے اور میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرتا ہوں"۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنیکا حکم بھی انہی احکام میں مذکور ہے۔ چنانچہ اسی باب کی آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے۔

"تو اپنے ماں باپ کو عزت دے۔ تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہووے"

ذی القربیٰ کے متعلق احبار باب ۱۹ کی آیت ۱۶-۱۷-۱۸ میں لکھا ہے کہ "تو عیب جوؤں کی مانند اپنی قوم میں آیا جایا نہ کر۔ اور اپنے بھائی کے خون پر کمر نہ باندھ۔ میں خداوند ہوں۔ تو اپنے بھائی سے بغض اپنے دل میں نہ رکھ۔ تو البتہ اپنے بھائی کو نصیحت کر۔ تاکہ تو اس کے سبب خطاکار نہ ٹھہرے۔ تو اپنی قوم کے فرزندوں سے بدلا مت لے۔ اور نہ ان کی طرف سے کینہ رکھ۔ بلکہ تو اپنے بھائی کو اپنی مانند پیار کر میں خداوند ہوں۔

نوٹ توریت میں تمام رشتہ داروں کے واسطے عام طور پر بھائی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یتامٰی کے متعلق استثناء باب ۱۵ آیت ۲۹ میں حکم ہے "اور لاوی اس لئے کہ اس کا کوئی حصہ اور میراث تیرے ساتھ نہیں۔ اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں آئیں اور کھائیں۔ تاکہ خداوند تیرا خدا تیرے ہاتھ کے سب کاموں میں جو تو کرتا ہے تجھے برکت دے"

مساکین کے متعلق استثناء باب ۱۵ آیت ۱۱ میں یوں حکم ہے۔ "کہ مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے اس لئے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو"۔

تمام بنی نوع انسان سے نیک سلوک کرنے کا حکم خروج باب ۲۳ آیت ۱-۲-۳ میں اس طرح ہے "تو کسی کی جھوٹی خبر مت اڑا۔ تو ظلم کی گواہی میں شریروں کا ساتھی مت ہو تو گروہ کی پیروی بدی کرنے میں مت کیجیو۔ اور تو کسی جھگڑے میں لوگوں کی بہتایت کے سبب ان کی طرف مائل ہو کے ناحق مت کیجیو۔ اور نہ کنگال کی اس کے مقدمہ میں طرفداری کیجیو اگر تو اپنے دشمن کے بیل یا گدھے کو بے راہ جاتے دیکھے۔ تو ضرور اسے اس کنے پہنچائیو اگر تو اس کے گدھے کو جو تیرا کینہ رکھتا ہے۔ دیکھے کہ بوجھ کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور تو اس کی مدد کرنا نہ چاہے۔ تو البتہ اس کی کمک کر۔ تو اپنے محتاج سے اس کے مقدمہ میں انصاف کو مت پھیریو۔ جھوٹے معاملہ سے دور رہیو۔ اور بے گناہوں اور سچوں کو قتل مت کیجیو کیونکہ میں شریر کی تصدیق نہ کروں گا"۔

نماز قائم کرنے کا حکم استثناء باب ۱۳ آیت ۴ میں یوں ہے کہ "چاہیے کہ تم خداوند اپنے خدا کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو اور اس کے حکموں کو حفظ کرو۔ اور اس کی بات مانو۔ تم اس کی بندگی کرو۔ اور اس سے لپٹے رہو"۔ اور زکوٰۃ کا حکم خروج باب ۲۳ آیت ۱۰ و ۱۱ میں یوں ہے۔

"اور چھ برس زمین میں کھیتی کر اور اس سے جو پیدا ہو جمع کر۔ پر ساتویں برس اسے چھوڑ دے۔ کہ پڑی رہے۔ تا کہ تیری قوم کے مسکین اسے کھاویں۔ اور جو ان سے بچے میدان کے چارپائے چریں۔ ایسا ہی تو اپنے انگور اور زیتون کے باغ کا معاملہ بھی کیجئیو"

مگر باوجود ان احکام کے یہود کی حالت اس کے برخلاف تھی اور وہ ان احکام کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کے سلوک اپنے اور بیگانوں سے خراب ہو رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور چیزوں کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ بعض عزیر کو ابن اللہ کہتے بعض اپنے علماء کے ہر ایک حکم کو وحی الٰہی کے طور پر مانتے اور اپنی کتاب کے احکام کو۔ . . . . رد کر دیتے یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ ان کا سلوک نہایت بُرا تھا اور بنی نوع انسان کی ہمدردی ان کے اندر نام کو نہ تھی عبادتوں میں سُست اور زکوٰۃ دینے سے جی چُراتے تھے۔ اس آیت میں بھی یہود کی بدیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے انکی تمام قوم کو یکساں نہیں قرار دیا بلکہ جو ان میں سے نیک تھے ان کو مستثنےٰ کر لیا ہے۔

ف اس آیت کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جیسا قرآن کریم میں ہر جگہ اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس جگہ بھی ترتیب الفاظ کو ہاتھ سے نہیں دیا گیا سب سے پہلے واحد خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم بیان کیا ہے جو سب انبیاء کا مشترک مشن تھا۔ اس کے بعد والدین کے ساتھ نیک سلوک کا حکم بیان کیا ہے جو خدا تعالیٰ کی صفات کے اپنی اولاد کے لئے ایک حد تک مظہر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ذکر کیا کہ وہ بھی والدین کی عدم موجودگی میں والدین کے ہی قائم مقام ہوتے ہیں۔ ان کے بعد یتامیٰ کو رکھ کر ان کے حقوق کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ بوجہ اپنی صغرسنی کے اپنے بہت سے مطالبات کو پورا نہیں کروا سکتے۔ بعد میں مساکین کا ذکر کیا کیونکہ گو وہ محتاج ہوتے ہیں لیکن بوجہ جوان و بالغ ہونے کے اپنی ضروریات کو طلب کر سکتے ہیں اور محنت بھی کر سکتے ہیں اس کے بعد تمام بنی نوع انسان کی ہمدردی کا ذکر کیا اور ان کو اسلئے بعد میں رکھا کہ یہ یتامیٰ اور مساکین کی طرح محتاج نہیں۔ بلکہ اپنی ضروریات کے آپ متکفل ہیں اس لئے سب سے کم احتیاج رکھنے کی وجہ سے سب سے آخر میں رکھا۔ غرض ان تمام احکام میں ایک ترتیب رکھی ہے ایک خدا کی پرستش کے ذکر کے بعد بنی نوع انسان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک وہ جو بطور حق سلوک نیک کے مستحق ہیں اور دوسرے وہ جو بطور رحم کے مستحق ہیں پہلوں کا مقدم ذکر کیا کیونکہ وہ ایک صورت قرضہ کی ادائیگی کی تھی اور جو بطور رحم کے احسان کے مستحق تھے۔ ان کو بعد میں رکھا۔ اور جو جس قدر رحم کا محتاج تھا اُسی درجہ پر اس کا بیان کیا۔ اس کے بعد عبادات کو رکھا۔ اور ان میں سے بدنی اور مالی عبادات کی سردار عبادات کو چن لیا اور ان کا ذکر بنی نوع انسان سے حُسن سلوک کے بعد اس لئے کیا کہ بنی نوع انسان کے ساتھ حُسن سلوک پہلا قدم ہے اور انسان کو بعض مواقع پر فطرتاً بغیر کسی شریعت کے اسی کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اور عبادات کا تفصیلی طور پر پورا کرنا ایک دوسرا قدم ہے۔ پس جو پہلا قدم اُٹھائیگا۔ وہی دوسرا اُٹھائے گا۔

حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ

بھلی بات اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ اِذْ اَخَذْنَا

سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے تم میں سے اور تم منہ پھیرنے والے تھے۔ اور جب ہمنے لیا

مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

پختہ عہد تم سے نہیں گرانے ہوگے تم خون اپنے اور نہیں نکالنا ہوگا اپنے لوگوں کو

مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ

اپنے گھروں سے پھر تمنے اقرار کیا اور تم گواہ تھے ۵ پھر

اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

تم وہ ہو کہ قتل کرتے ہو اپنے آدمیوں کو۔ اور نکالتے ہو ایک گروہ

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

کو ان کے گھروں سے ایک دوسرے کی پیٹھ بھرتے ہوئے انکے خلاف گناہ

وَ الْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ

اور زیادتی کے ساتھ۔ اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قیدی ہوکر تو تم فدیہ دیکر چھوڑا دیتے ہو انہیں حالانکہ

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ

حرام کیا گیا تھا تم پر انہیں نکالنا ۲ پس کیا تم ایمان لاتے ہو کچھ کتاب کے ساتھ

وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا۔ پس نہیں ہے بدلہ اس شخص کا جو کرے یہ کام تم میں سے

۵ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
اس آیت میں یہود کے دو اور گناہ بیان کئے ہیں۔ جن کے وہ اکثر مرتکب ہوتے تھے ایک تو اپنا خون کرنا اور دوسرے اپنے آپکو اپنے گھروں سے نکالدینا اپنے خون بہانے سے اس جگہ اپنے ہم قوموں کا قتل مراد ہے۔ اور یہ لفظ اس لئے اختیار کئے گئے ہیں تاکہ ان کو بتایا جائے کہ اپنی قوم کو قتل کرنا اپنا ہی قتل کرنا ہوتا ہے کیونکہ بعض افراد کی ہلاکت یا ان کا قتل تمام قوم پر بہ حیثیت مجموعی اثر کرتا ہے اور اس کے بعد تمام افراد پر بہ حیثیت انفرادی اثر کرتا ہے اپنے آپ کو گھروں سے نکال دینے سے بھی اپنے آپ کو گھروں سے نکالنا مُراد نہیں۔ جیساکہ خود اگلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد بھی اپنی قوم کا نکالنا ہے اور اس جگہ بھی پچھلی بیان کردہ حکمت کے ماتحت ہی قوم کے بعض افراد کے نکالنے کا ذکر کرنیکی بجائے اپنا نکالنا بیان کیا گیا ہے تاکہ ان کو اپنی حماقت کا علم ہو۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ تم کو ایک دوسرے کا قتل کرنا (خروج باب ۲۰ آیت ۱۳) اور آپس میں لڑنا (خروج باب ۲۳ آیت ۲) (چونکہ لڑائی کے لئے گھروں کو چھوڑ کر باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اس لئے گھر سے نکالنے کا محاورہ استعمال کیا گیا) منع کیا گیا تھا (مگر تم نے اس حکم کو بھی توڑا جیساکہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔)

ف اس آیت کے ابتدا میں الفاظ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ رکھے گئے ہیں اور اس سے پہلی آیت کو وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

سے شروع کیا گیا ہے۔ حالانکہ دونوں عہد جب بنی اسرائیل سے ہی لئے گئے تھے۔ پھر دو آیتوں میں مختلف الفاظ کیوں رکھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا یہ ایک عجیب کمال ہے جو اس کے بے نظیر ہونے کے ہزاروں دلائل میں سے ایک دلیل ہے کہ وہ الفاظ کی خفیف تبدیلیوں سے مختلف مضامین کو ادا کر جاتا ہے اور فقروں کا کام لفظوں سے لے لیتا ہے اس جگہ بھی بنی اسرائیل کی جگہ کُمْ رکھ کر ایک خاص امر کی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ یہ کہ اول الذکر بدیاں تو وہ ہیں جو اس وقت تمام بنی اسرائیل میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور موخر الذکر بدیاں وہ ہیں جو خاص عرب کے رہنے والے قبائل میں رائج ہیں اور ایک جگہ بنی اسرائیل کا لفظ رکھ کر اس امر کی عمومیت کی طرف اشارہ کیا ہے تو دوسری طرف کُمْ فرما کر عرب کے قبائل کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے کہ ان بدیوں کے تم خاص طور پر شکار ہو۔

۸۵ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ یہود باوجود حکم شرع کے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے ہیں اور ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے نکالتے ہیں چنانچہ تاریخ عرب سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں تین قبیلے یہود کے تھے اور دو مشرکین عرب کے یہود کے قبیلوں کا نام بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھا۔ اور مشرکین کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ بنو قینقاع اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے جب ان دو مشرک قبیلوں کی آپس میں جنگ ہوتی تو ان تینوں یہودی قبائل کو بھی ان کی مدد کرنی پڑتی اور یہ ان کی طرف سے ہو کر آپس میں جنگ کرتے اور اس طرح ہر ایک قبیلہ اپنے عمل سے دوسرے یہودی قبیلہ کو جنگ کے لئے اس کے گھر سے نکالتا۔ لیکن جنگ کے بعد اگر بعض یہودی قید ہو جاتے تو یہودی قبائل آپس میں چندہ کر کے ان کو مشرکین سے چھڑوا دیتے۔ اور کہتے کہ یہودی کا غیر یہودی کے پاس غلام رہنا درست نہیں۔ قرآن کریم اس پر اعتراض کرتا ہے کہ یہودیوں کا تو آپس میں جنگ کرنا بھی درست نہیں۔ اور تم بلا وجہ صرف ایک مشرک قبیلہ کی دوستی کی وجہ سے آپس میں جنگ کرتے ہو۔ پس اس سے زیادہ کیا شرارت ہوگی کہ ایک حصہ کتاب کو مانتے ہو اور ایک کو رد کرتے ہو کیونکہ جو ایک حصہ مانتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی صداقت کا قائل ہے پس اسکا دوسرے حصہ کو ترک کرنا اس کے نفس کی گندگی پر

دلالت کرتا ہے) پس تم شریعت کے احکام کو اس طرح کھیل بنا لینے کے جرم میں اس دنیا اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کئے جاؤ گے

ف کسی اسرائیلی کا غلام نہ بنایا جائیگا علم بائبل کے مختلف مقامات سے ہوتا ہے چنانچہ احبار باب ۲۵ آیت ۳۹-۴۴ سے ثابت ہے کہ اسرائیلی اگر بک بھی جائے تب بھی وہ غلام کی طرح نہیں بنا چاہئے بلکہ بطور خادم کے رہ سکتا ہے اسی طرح غیر قوم کے ہاتھوں بک جانے والے اسرائیلی کی نسبت حکم ہے کہ اول تو وہ ہر وقت آزاد کیا جا سکتا ہے اور خود اسکو اور اسکے رشتہ داروں کو اسکے چھڑانے کی اجازت ہے اور نہیں تو یوبل کے سال وہ ضرور آزاد کر دیا جائیگا جو ہر ساتویں سال آتا ہے احبار باب ۲۵ آیت ۴۷ تا ۴۹ و ۵۴ تا ۵۵ ان احکام سے یہود نے کیا نتیجہ نکالا اور وہ ان سے کیا سمجھتے تھے۔ وہ نحمیاہ نبی کے طریق عمل سے ظاہر ہے۔ جس نے بنی اسرائیل کے سب غلاموں کو آزاد کروا دیا جو غیر قوموں کے پاس تھے انکو بھی اور جو اپنوں کے پاس تھے ان کو بھی باب ۵ آیت ۸ طالمود کے زمانہ میں تو یہود کا اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ یہودی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ انسائکلو پیڈیا ببلیکا میں لکھا ہے "یہ اصل الاصول کہ کوئی یہودی کبھی غلام نہیں بنایا جا سکتا بعد کے پچھلے طالمودی زمانہ میں .... فیصلہ ہو چکا تھا حتے کہ وہ چور بھی جو اپنے جرم کی وجہ سے فروخت کر دیا گیا ہو قیدی نہیں سمجھا جاتا تھا جلد چار کالم ۴۶۵۷۔
غرض مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہے کہ بائبل کے حکم کے مطابق یہودیوں کا غلام ہونا پسندیدہ نہ سمجھا جاتا تھا اور اگر کوئی قید ہو جائے تو اسکے لئے ایسے احکام تھے جن سے وہ جلد سے جلد آزاد کیا جا سکے۔ ان احکام کے مطابق یہود یہودی غلاموں کو آزاد کرواتے تھے لیکن ان کا یہ فعل لغو تھا جبکہ وہ خود اسباب کے پیدا کرنیوالے تھے جن کے باعث یہودی غلام بنتے تھے۔

إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

مگر ذلت دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن انہیں لوٹایا جائیگا

إِلٰٓى أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۵

سخت ترین عذاب کی طرف اور نہیں ہے اللہ ہرگز بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے لے لی ہے دنیوی زندگی آخرت کی بجائے

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۸۶ (ع)

پس نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائیگی لہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب - اور (اسکا) پیرو بنایا اس کے بعد رسولوں کو

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

اور دئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشان اور مدد دی اُسے ہم نے روح القدس سے

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ

پس کیا (یہی بات نہیں کہ) جب کبھی لایا تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز جسے نہیں چاہتے تھے تمہارے نفس

اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ۸۷

تو تم نے تکبر کیا پس ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو مارتے ہو ۳ہ

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

اور انہوں نے کہا ہمارے دل نا سمجھ ہیں ۳ہ (نہیں) بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے کفر کے باعث

لہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا چونکہ یہود نے دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کی اور سے مقدم کیا اس لئے ضروری تھا کہ ان سے دنیا کی حکومت چھین لی جاتی تا کہ عبرت حاصل کریں اور جبتک کہ وہ پھر دین کو اختیار نہ کریں اس وقت تک ان کے اس عذاب میں کمی نہ کیجائے

۳ہ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ لفظ قفینا کے معنے ہیں پیچھے چلایا ہم نے اس لفظ سے نہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت موسےٰ کے بعد اور بھی بہت سے نبی آئے بلکہ یہ ظاہر کرنا بھی مطلوب ہے کہ وہ حضرت موسےٰ کے متبع تھے اور اسی رستہ پر چلتے تھے جس پر حضرت موسےٰ چلتے تھے (ب) بینٰت کے معنے ایسے دلائل کے ہیں جن کے ذریعہ سے حق و باطل کھل جائے (ج) روح القدس کے معنے برکت یا طہارت کا کلام یا برکت یا طہارت کا فرشتہ ہیں - حضرت موسےٰ کے بعد باقی سب پیغمبروں کا ذکر مجموعی صورت میں کرنے اور پھر حضرت مسیح کو ان سے علیحدہ کرکے پیش کرنے میں یہ حکمت ہے کہ بنی اسرائیل میں جسقدر انبیاء حضرت مسیح سے پہلے گذر چکے ہیں ان کی عظمت کے بنی اسرائیل کسی نہ کسی رنگ میں قائل تھے اور گو ابتداءً اُن کی مخالفت ہوئی تھی - لیکن بعد ازاں ان کی صداقت کو یہودیوں نے قبول کرلیا تھا - چنانچہ یہود کے بائبل میں ملاکی نبی تک سب انبیاء کی کتب موجود ہیں جن کو وہ پڑھتے اور قابل عمل سمجھتے ہیں حتےٰ کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جن کے آخر عمر میں مرتد ہونے کے وہ قائل ہیں ان کا ذکر بھی بائبل میں موجود ہے - اور ان کے اعمال کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے کلام کی اس قدر اب تک پائی جاتی ہے

بینات کے ذکر کرنے سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ان کو اس امر میں کوئی خصوصیت حاصل تھی بلکہ اس سے یہود کو صرف یہ بات بتلانی مدنظر ہے کہ مسیح بھی ان تمام انبیاء کی طرح جن کی صداقت کے تم قائل ہو اپنے ساتھ اپنی صداقت کے نشانات رکھتے تھے اسی طرح روح القدس سے یہ بتلانا مدنظر ہے کہ ان کو بھی دوسرے انبیا کی طرح الہام ہوتا تھا نہ یہ کہ ان کو دوسرے انبیاء پر کوئی خاص فضیلت ہے یا وہ صاحب شریعت نبی ہیں یا اگر روح کے معنے فرشتہ کے کئے جائیں اور روح القدس کے معنے پاک فرشتہ کے رکھے جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان کی تائید کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور خصوصاً جبرئیل کو مقرر کر دیا تھا۔ کہ وہ لوگوں کے دلوں میں ان کی قبولیت بٹھائیں۔ یا خود ان کے دل کو مضبوط کر دیں۔ چنانچہ ایک دوسری آیت سے اس کی تشریح ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (سورہ ۵ آیت ۱۱۲) یعنے یاد کر جب کہ میں نے حواریوں کو وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ اور وحی عام طور پر ملائکہ کے توسط سے ہوا کرتی ہے غرض ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح کی تائید جبرئیل کے ذریعہ کی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے سب نبیوں بلکہ مومنوں کو بھی نصیب ہے

ذکریا اور یحیی کو گو وہ نبی نہیں تسلیم کرتے لیکن عالم اور نیک آدمی سمجھتے ہیں۔ پس سب انبیاء کی عظمت کے وہ مقر ہیں گو بعض کو بہ حیثیت عالم اور نیک ہی مانتے ہیں لیکن حضرت مسیح کی نسبت ان کا خیال نہایت گندہ اور ناپاک ہے اور وہ اس پر نہایت خطرناک الزام لگاتے ہیں۔ اور نعوذ باللہ مفتری اور ملعون اسے قرار دیتے ہیں۔ پس یہود نے نبیوں کی جو مخالفت کی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے ضروری تھا کہ حضرت مسیح کا ذکر دوسرے انبیا سے علیحدہ اور خاص طور پر کیا جاتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ انہوں نے سب سے برا سلوک کیا تھا اور قرآن کریم کے نزول تک اپنے اس عقیدہ پر قائم تھے کہ نعوذ باللہ وہ مفتری تھا اور صداقت سے اُسے کوئی حصہ نہ تھا اسی طرح حضرت مسیح سے یہود کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا بتلا دینا بھی ضروری تھا کہ گو یہود اسے جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے ساتھ صداقت کی وہ تمام علامتیں رکھتا تھا جو دیگر راستباز انبیاء جن کی نبوت کے بنی اسرائیل قائل ہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ انبیا کی صداقت کی زبردست علامات میں سے دو کو حضرت مسیح کے ذکر کے ساتھ بیان کر دیا جنمیں سے پہلی اس کے ساتھ بینات یعنے کھلے کھلے نشانات کا ہونا ہے جو ہر نبی کی صداقت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور دوسرے روح القدس کی تائید ہے کہ یہ بھی نبی کے لئے ضروری ہے چنانچہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ثابت ہے کہ بینات صرف حضرت مسیح کو ہی نہیں ملیں بلکہ تمام انبیا کو ملی ہیں۔ قرآن شریف نے حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ یعنے ضرور موسے تمہارے پاس بینات لائے بقرہ ع ۱۱ ۹۳ اسیطرح سورہ مومن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانہ کی اقوام کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْھِمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (آیت ۲۲) یعنے ان کے ہلاک ہونے کا باعث یہ تھا کہ ان کے پاس اپنے اپنے وقت میں رسول بینات لے کر آئے تھے۔ اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار بلا کر دیا اور وہ طاقتور اور بعض شرارتوں پر فوری سزا دینے والا ہے۔ غرض اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جسقدر انبیا دنیا میں آئے ہیں سب اپنے ساتھ بینات رکھتے تھے اور مذکورہ بالا آیت میں حضرت مسیح کے نام کے ساتھ

جیساکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت قرآن کریم میں آتا ہے اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (سُورۃ ۵۸ آیت ۲۳) یعنے یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف سے روح بھیجکر ان کی مدد کی ہے یعنے ملائکہ کو ان کی مدد پر مقرر کیا ہے قرآن کریم کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بھی ثابت ہے کہ روح القدس کا نزول حضرت مسیح کے علاوہ اور انبیاء بلکہ غیر انبیا پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کفار کا جواب دینے کے لیئے حسان بن ثابت رضؓ کو مقرر فرمایا اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور فرمایا اَجِبْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَکَ یعنی اے اللہ حسان کی مدد کر روح القدس کے ساتھ اور پھر فرمایا اے حسان خدا کے رسول کیطرف سے جواب دے روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

(ب) اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ۔

سب انبیاء کا ذکر کرکے آخر میں فرمایا کہ نبی تو اس وقت آتا ہے جب کہ لوگ صحیح راستہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ لیکن یہود نے اپنی یہ خصلت بنا رکھی ہے کہ جو بات اپنی رائے کے مخالف ہو اُسے قبول نہیں کرنا۔ اس لیئے ہر ایک رسول کی تعلیم کے متعلق انہوں نے تکبر سے کام لیا اور اگر ایک حصہ کو صرف زبان سے جھٹلا دیا تو دوسرے حصہ کو قتل کرنے تک کے منصوبے کیئے۔

۳ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ

جب کسی صداقت کا مقابلہ دلائل کے ساتھ کوئی انسان نہ کر سکے اور اس کے قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو وہ ادھر اُدھر کی باتیں بنا کر اسے ٹالنے کی کوشش کیا کرتا ہے۔ اس آیت میں یہود کا ایک ایسا ہی عذر بیان کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ اسلام سے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے تھے اور اس زمانہ میں بھی ضدی لوگ اسی قسم کے عذرات کرکے اپنے آپ کو اس زبردست صداقت سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جو مسیح موعود لایا ہے۔ لفظ غُلْفٌ۔ اغلف کی جمع ہے جس کے معنے نا سمجھ کے ہیں۔ یہودی جب قرآن کریم کے دعاوی کا جواب نہ دے سکتے تو کہدیتے کہ ہمارے دل نا سمجھ ہیں ہم موٹی عقل کے آدمی ہیں۔ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے اور ان کے اس قول کے دو مطلب ہو سکتے ہیں یہ بھی کہ عام یہودی اپنا پیچھا چھڑانے کے لیئے کہ دیتے کہ ہم لوگ تو نا سمجھ ہیں ہمارے علماء کو سناؤ اور سمجھاؤ اور یہ بھی کہ بعض لوگ ہنسی اور تمسخر سے مسلمانوں کو کہدیتے کہ آپکی باتیں تو بہت اعلےٰ درجہ کی ہیں لیکن ہم لوگ نا سمجھ ہیں ان کو نہیں سمجھ سکتے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ہم لوگ جو سمجھ دار ہیں جب ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں تو قرآن کی لغویت میں کیا شک ہے۔ بہر حال دو نوں صورتوں میں سے کوئی سی صورت ہو فرمایا کہ بات تو صاف ہے۔ ہر ایک انسان اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مگر جب کہ تم لوگوں نے نہ ماننے کا عہد کر لیا ہے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے بھی تم کو حق کے قبول کرنے سے دور کر دیا ہے (لعنت کے معنے عربی زبان میں دوری کے ہی ہیں) اور تم لوگ تھوڑا ہی ایمان لاؤگے یعنے ایسے ضدی لوگ جب تک اپنی اس عادت کو ترک نہ کریں بالکل ایمان نہ لا سکیں گے۔

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ

پس کم ہی ایمان لاتے ہیں ۵۱ اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف

اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ

سے تصدیق کرنے والی اسکی جو ان کے پاس ہے۔ اور پہلے وہ فتح چاہتے تھے

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ

ان لوگوں پر جو کافر ہوئے پس جب آئی انکے پاس وہ چیز جسے انہوں نے جانا پہچانا ہوا تھا انکار کر دیا اسکا

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ

پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر ۵۲ بری ہے وہ چیز جسکے بدلے میں بیچ دی

أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَّكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا أَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ

ہیں انہوں نے اپنی جانیں کہ انکار کرتے ہیں اس چیز کا جو اتاری ہے اللہ نے اس ضد سے کہ اتارتا ہے اللہ تعالیٰ

مِنْ فَضْلِهٖ عَلَى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ

اپنا کچھ فضل جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے پس وہ لوٹے غضب

عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا

پر غضب لے کر اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا ۵۳ اور جب

قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا

کہا جائے ایمان لاؤ اسپر جو اللہ نے اتارا ہے کہتے ہیں ایمان لاتے ہیں اسپر جو

أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ

اتارا گیا ہے ہم پر اور انکار کرتے ہیں اس کا جو اس کے سوا ہے۔ حالانکہ وہی حق ہے

۵۱ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ تھوڑا ہے جو یہ مانتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ بالکل ایمان نہ لائیں گے۔

۵۲ وَلَمَّا جَاءَهُمْ ..... يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا لفظ يَسْتَفْتِحُونَ دو معنی رکھتا ہے اور دونوں ہی اس آیت کے مطابق ہیں ایک معنے تو اس کے ہیں (کھولتے ہیں) ان معنوں کے رو سے اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ یہود پہلے عربوں کو سنایا کرتے تھے کہ فلاں فلاں علامت والے ایک رسول کی خبر دی گئی ہے کہ وہ آکر حق کو دنیا میں پھیلائیگا۔ (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۱۵۰) لیکن جب وہ رسول آگیا تو وہ لوگ بھی جنہوں نے اسمیں وہ علامتیں شناخت کرلیں اس سے پھر گئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی درگاہ سے دور کئے گئے۔

دوسرے معنے اس لفظ کے "فتح مانگتے تھے" ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ یہود اس رسول کی بعثت سے پہلے تو دعائیں کیا کرتے تھے کہ الٰہی کوئی ایسا رسول مبعوث کر جو دین حق کو ادیان باطلہ پر غالب کرے لیکن جب رسول آگیا اور ان لوگوں نے علامات سے یہ بات دیکھ بھی لی کہ باطل پر صداقت غالب ہو رہی ہے اور عنقریب بالکل غالب ہو جائیگی تو اس سے انکار کر دیا۔ واقعی جب اس بات پر غور کریں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بدولت کس طرح حضرت موسےٰ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی عزت عرب کے دلوں میں بیٹھ گئی اور وہ جو ان انبیاء کو اور دیگر مفتریوں کی طرح سمجھتے تھے۔ صادقوں کی طرح ان کی عزت کرنے لگے۔ تو حیرت ہوتی ہے کہ یہود کو وہ کونسی تکلیف پہنچی جس کی وجہ سے ایسے محسن

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنۢبِيَآءَ ٱللَّهِ مِن

تصدیق کرنیوالا اسکی جو انکے پاس ہے ۔ کہہ پس کیوں تم اللہ کے نبیوں کے قتل کے درپے ہوتے

قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُم مُّوسَىٰ

تھے پہلے ۔ اگر تم مومن تھے البتہ تحقیق لایا تمہارے پاس موسےٰ

بِٱلْبَيِّنَٰتِ ثُمَّ ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ

کھلے نشان پھر بنایا تم نے بچھڑا اس کے بعد اور تم

ظَٰلِمُونَ ﴿٩٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

مشرک تھے اور جب ہمنے پختہ عہد لیا تم سے اور بلند کیا تم پر

ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱسْمَعُوا۟ ۖ قَالُوا۟ سَمِعْنَا

طور کو مضبوطی سے پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے اور سنو انہوں نے کہا ہمنے سنا

وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا۟ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ

اور نافرمانی کی اور رچایا گیا ان کے دلوں میں بچھڑا (بچھڑے کی محبت) ان کے کفر کے سبب سے ۔ کہہ

بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِۦٓ إِيمَٰنُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٤﴾

بُری ہے وہ بات جس کا حکم دیتا ہے تمہیں تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو لہ

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ ٱلدَّارُ ٱلْءَاخِرَةُ عِندَ ٱللَّهِ خَالِصَةً

کہہ اگر ہے آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک صرف تمہارے لئے سوائے

مِّن دُونِ ٱلنَّاسِ فَتَمَنَّوُا۟ ٱلْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٩٥﴾

اور لوگوں کے تو آرزو کرو موت کی اگر تم سچے ہو ع۲

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۲۴

انسان کی دشمنی اور ایذا دہی میں انہوں نے عرب کے کفار سے بھی زیادہ جن کے دین کو ملیامیٹ کرنے کے وہ درپے تھا۔ کر کس لی۔

۳ے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لفظ اشتریٰ جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے عربی زبان میں یہ خریدنے اور بیچنے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس جگہ عبارت سے بیچنے کے معنے معلوم ہوتے ہیں اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ ان یہودنے (جن پر حق کھل گیا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہوگئی ہے ۔ اور انہوں نے خوب اچھی طرح سے پہچان لیا ہے کہ قرآن کریم وہی کتاب ہے جسکا ذکر ہم اپنی کتب میں پاتے تھے) ضد اور تکبر میں آکر کفر کو ہی اختیار کر لیا ہے اور اپنی جانوں کو چھوڑ دیا ہے اور بالکل اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس کتاب کے انکار کو اختیار کر کے ہم نے اپنی جانیں ہلاکت کو سونپ دی ہیں اور اسکا نتیجہ ہماری جانوں کے لئے بہت بُرا ہوگا بلکہ ان کی نظروں میں اس وقت اس کتاب کا انکار بھی بھلا معلوم ہوتا ہے اور یہ صرف حسد کا نتیجہ ہے ان لوگوں پر یہ شاق گذرتا ہے کہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم میں سے نبی کیوں آگیا حالانکہ یہ لوگ نہیں خیال کرتے کہ جب سب انسان اللہ تعالےٰ کی ہی مخلوق ہیں تو کیا وجہ ہے کہ نبی جب آئے صرف بنی اسرائیل میں سے آئے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی اور نیک بندہ پر اپنا فضل نازل نہ فرمائے۔

غیب کر قرآن کریم میں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (سورہ ۷۳ آیت ۱۶) یعنے یہ رسول موسٰے کی طرح کا ہے اسی طرح اس پیشگوئی کی طرف ان الفاظ میں قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَشَہِدَ شَاھِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (سورہ ۴۶ آیت ۱۱) یعنے کہہ (اے وہ لوگو جو قرآن کریم پر غور کرنا بھی پسند نہیں کرتے) بتاؤ تو سہی اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اسکا انکار بلا سوچ سمجھے کر دیا (تو اسکا نتیجہ کیا نکلیگا) اور بنی اسرائیل میں سے ایک شخص موسٰی اپنے ایک مثیل کی گواہی دے چکا ہے پس وہ تو ایمان لے آیا مگر تم لوگوں نے تکبر کیا - یاد رکھو اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی کامیابی کا منہ نہیں دکھاتا۔ بعض لوگ اسے مسیح پر چسپاں کرتے ہیں لیکن علاوہ اس کے کہ حضرت مسیح نے مثیل موسٰے ہونے کا دعوے نہیں کیا نئے عہدنامہ سے ثابت ہے کہ مثیل موسٰے مسیح کی پہلی بعثت کے بعد اور دوسری سے پہلے آئیگا دیکھو اعمال باب ۳ آیت ۱۹ تا ۲۴ علاوہ ازیں دیکھو استثنا باب ۳۳ آیت ۲ جس میں لکھا ہے "فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی" پس فاران سے دس ہزار قدوسیوں سمیت ایک جلوہ الٰہی کے ظہور کا وعدہ ہے۔ اور وہ نبی جو دس ہزار قدوسیوں سمیت

ف اس آیت اور اس قسم کی بہت سی اور آیات میں قرآن کریم نے بڑے زور سے اس بات کو پیش کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی قومی خدا نہیں ہے - بلکہ اسکا تعلق سب بنی نوع انسان سے ہے اور کسی خاص قوم سے اس کا فضل محدود نہیں - بلکہ ہر ایک شخص خواہ کسی قوم کا ہو ان اعمال کے ذریعے جو اس کے فضل کے جاذب ہیں اس کے انعامات کا مستحق ہو سکتا ہے - اور اس پر کسی کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ع وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ .... اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ - اس گروہ سے جسکا ذکر اس جگہ شروع ہے جب کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کو قبول کرو - جو خدا تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو بس اسی کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے - حالانکہ ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ اس کتاب کو وہ نہ مانیں تو خود ان کے مذہب پر حملہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی کتب میں ایک آنیوالے رسول اور ایک جدید کتاب کا ذکر تھا اور وہ نشانیاں جو اس رسول اور اس کتاب کی بتائی گئی تھیں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر بالکل منطبق ہوتی ہیں پس رسول کا انکار درحقیقت ان کتب کی صداقت سے بھی انکار کرنا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نشانیاں بالکل باطل تھیں اور جھوٹے آدمیوں میں بھی پائی جا سکتی ہیں یا یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے سوا شیطان بھی غیب کی باتیں بتا سکتا ہے اور اسے پہلے انبیاء کو آنے والے رسول کی نسبت بعض ایسی علامات بتا دیں جو نعوذ باللہ ایک جھوٹے نبی میں پائی جاتی تھیں - بائبل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو پیشگوئیاں ہیں ان کے بعض حوالجات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں -

استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۱۹ میں لکھا ہے "کہ میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ (حضرت موسٰی) سا ایک نبی برپا کروں گا - اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا - اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکر کہیگا نہ سنیگا تو میں اس کا حساب اس سے لونگا" اس پیشگوئی کا مصداق بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہوا اور نہ ان کے انبیا میں سے کسی نے اسکا مصداق ہونیکا دعوے کیا ہے یہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہے اور آپ ہی نے اس کے مصداق ہونے کا دعوی فرمایا ہے

فاران کی چوٹیوں سے ظاہر ہؤا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبیؐ نہیں تھا فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ اسی قدر سپاہ تھی اور موسےؑ کے بعد شریعت لانے کا دعویٰ بھی آپ کے سوا اور کسی نبی نے نہیں کیا۔ پھر دیکھو عرب کی بابت الہامی کلام غزل الغزلات باب ۵ آیت ۱۰ تا ۱۶۔ متی باب ۲۱ آیت ۴۲ تا ۴۴۔ یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۷، یسعیاہ باب ۸ آیت ۱۴ تا ۱۷ و باب ۹ آیت ۶ تا ۷ و باب ۲۸ آیت ۹ تا ۱۳ و باب ۳۵ آیت ۳ تا ۸ و باب ۴۰ آیت ۹ تا ۱۲۔ یسعیاہ باب ۴۲ و ۴۹ آیت ۵ تا ۸ و باب ۶۲ آیت ۲ تا ۴۔ و دانیل باب ۷ وغیرہ۔ اس آیت کے آخری فقرہ میں یہود کے اس غلط دعوے کی بھی تردید کردی کہ ہم تو اس کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور فرمایا کہ اس سے پہلے تم میں سے نبی آیا کرتے تھے۔ تم ان کا مقابلہ کیوں کرتے تھے۔ پس یہ غلط ہے کہ تم جو کلام اسرائیلی نبی پر نازل ہوا سے مان لیتے ہو بلکہ حق کی دوری کی وجہ سے انسان حق کا انکار کرتا ہے اور تم بھی اسی سبب سے اس کلام کا انکار کرتے ہو اور یہ بھی تمہارے نفس کا ایک دھوکا ہے کہ اگر کوئی اسرائیلی نبی ہوتا تو اسے مان لیتے

۵ل قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے عملاً اس کی اطاعت سے انکار کر دیا کیونکہ قال کبھی زبان کے قول کی بجائے عملی حالت کے اظہار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(ب) وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ اس کا لفظی ترجمہ گو یہ ہوگا کہ ان کے دلوں میں بچھڑا پلا دیا گیا۔ لیکن محاورہ زبان کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پلا دی گئی۔

(ج) قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ ہم لوگ اسرائیلی نبیوں پر نازل شدہ کلام کو مانتے ہیں یہ تمہارا ایمان عجیب ہے کہ ساتھ ہی مخالفت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اگر اسی کا نام ایمان ہے تو یہ ایمان تم کو بہت بڑے راستہ پر چلا رہا ہے۔ کیونکہ نبیوں کی مخالفت خواہ الفاظ سے ہو خواہ اعمال سے نیک نتائج نہیں پیدا کرتی۔

۵۲ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اس آیت میں یہود کو مباہلہ کے لئے چیلنج دیا گیا ہے یعنے ان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں وہی حق پر ہیں اور اگلے جہان میں خدا تعالیٰ کے

۴ انعامات کے وہی وارث ہیں تو اس کے ثابت کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دعا کریں کہ الٰہی جو جھوٹا ہے اور جس سے تو ناراض ہے اسے ہلاک اور برباد کر دے پس اگر خدا تعالے کے نزدیک واقع میں یہود پسندیدہ ہیں اور مسلمان قابل سرزنش ہیں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے اور یہود کو سرفرازی ہوگی اور اس طرح دنیا کو فیصلہ کرنے کا موقعہ مل جائیگا کہ آخرت کے متعلق کس قوم کا دعوے سچا ہے کیونکہ آخرت کے متعلق مختلف مذاہب کے دعووں کی صداقت کے پرکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ اس دنیا میں اس کے لئے بعض آسمانی تائیدات سچے مذہب کے اخروی انعامات کے ادعا کو ثابت کردیں۔

مگر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ بھی خوب یاد رکھو کہ باوجود اس کے کہ یہود کو اس بات کی طرف بلایا جاتا ہے وہ کبھی اس مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے اعمال کو جانتے ہیں اور انہیں خوب معلوم ہے کہ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں۔ وہ کسی انعام کا مستحق ان کو نہیں بناتی۔

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
اور وہ ہرگز آرزو نہ کرینگے اسکی کبھی بہ سبب اسکے جو آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے - اور اللہ خوب جانتا ہے

بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ
ظالموں کو اور ضرور تو پائیگا ان کو تمام لوگوں سے بڑھ کر حریص زندگی کا

وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ
اور ان سے بھی جنھوں نے شرک کیا چاہتا ہے ایک ان میں سے کاش عمر پائے ہزار سال

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ
حالاں کہ نہیں ہے اسے دور کر دینے والا عذاب سے یہ کہ وہ بہت عمر پائے - اور اللہ خوب دیکھنے

بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ ع قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ ١١ ع
والا ہے جو وہ کرتے ہیں لہ کہہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا پس یقیناً

نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
اس نے تو اتارا ہے اسے تیرے دل پر اللہ کے حکم سے - تصدیق کرنیوالا اسکی جو اس کے آگے ہے اور

هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَ
ہدایت اور بشارت مومنوں کے لئے لہ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اور

مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ
اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائل کا پس یقیناً اللہ دشمن ہے

لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ
کافروں کا اور ضرور ہمنے اتارے ہیں تیری طرف نشان کھلے کھلے اور کوئی نہیں انکار کرتا

لہ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ یہود کا مشرکین سے بھی زیادہ حیات دنیا پر حریص ہونا اس باعث سے ہے کہ مشرک تو مرنے کے بعد کسی جزا و سزا کے قائل نہیں اس لئے گو وہ دنیا کو ہی عزت و آرام کی جگہ خیال کرکے اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور موت کے بعد ان کو کوئی امید نہیں۔ لیکن وہ جسطرح بعد از موت کسی انعام کے امیدوار نہیں کسی سزا سے بھی خائف نہیں اس لئے ان کی محبت دنیا سے اس قوم کی نسبت ضرور کم ہونی چاہیئے جو کہ بعث بعد از موت کی قائل ہو لیکن اپنے اعمال سے بھی واقف ہو کہ وہ اسے سزا کے مستحق بنا دیں گے۔

ترتیب و ربط - نمبر ۸۸ میں بتایا کہ دیکھو تم حضرت موسٰے سے لیکر حضرت مسیح تک تمام انبیاء کی مخالفت ہی کرتے آئے ہو ان کی مخالفت گو تمہارے آباء نے کی مگر تم بھی اس میں اس لئے شریک ہو کہ وجہ ایک ہی ہے یعنے منشاء کے خلاف نبی وقت کی تعلیم کا ہونا۔ پس ان کے وقت میں تم ہوتے تو اسوقت بھی یہی کرتے۔ جواب تم نے کیا۔ نمبر ۸۹ میں یہود کا ایک قول نقل فرمایا کہ نبیوں کے جواب میں ایسے اقوال کہکر تم ان کی ہنسی اڑایا کرتے یا تکبر دکھایا کرتے تھے۔ نمبر ۹۰ میں بتایا کہ غضب الٰہی اور تمہاری اسی عادت کا یہ نتیجہ ہے کہ جب وہ موعود رسول آیا تو تم انکار کر بیٹھے نمبر ۹۱ میں اسکی انکار کی وجہ بتائی جو صرف یہ ہو کہ غیر قوم سے کیوں رسول آیا گویا یہ خدا کے غضب کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ نمبر ۹۲ میں

اُن کی تمردانہ اِنکار کا نقشہ دکھایا کہ جب نبی وقت کا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے تو بغیر سوچے سمجھے اور اُس کے دعویٰ کے دلائل پر غور کرنے کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو وہی مانینگے جو بنی اسرائیل کے انبیاء پر نازل ہوا حالانکہ یہ نبی وقت بھی انہیں انبیائے بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے پھر ان کے اس مقابلہ کو یاد دلاکر جو وہ انبیائے بنی اسرائیل کا وقتاً فوقتاً کرتے رہے اُن کو نادم کیا گیا ہے کہ تم نے اُن کے وقت میں اُن کو بھی نہیں مانا تھا۔ نمبر ۹۳ میں فرمایا کہ اور انبیاء تو الگ رہے خود حضرت موسیٰ کی تم نے مخالفت کی۔ نمبر ۹۴ میں بتایا کہ یہ مخالفت ایسے وقت میں کی جب تم طور پر نیا نیا عہد باندھکر آئے تھے۔ نمبر ۹۵ میں بتایا کہ اُن کا یہ عذر باطل ہے کہ ہم صرف اسرائیلی نبیوں کا کلام مانینگے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ سمجھے ہیں نجات ہمارے لئے خاص ہے۔ اچھا اگر اُن کو اسپر یقین ہے تو مباہلہ کرلیں۔ نمبر ۹۶ میں یہ بتایا کہ وہ مباہلے کے لئے ہرگز نہیں آئینگے کیونکہ انہیں اپنے جھوٹے ہونے کا علم ہے۔ نمبر ۹۷ میں اُن کی اس بُری حالت کو مشرکوں سے بھی بدتر بتایا۔ اور فرمایا کہ آخرت میں جانے سے تو اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہاں سزا ملیگی لیکن اُن کے لئے اس دنیا میں بھی سُکھ نہیں۔ پس ایسے عذرات سے کیا حاصل ہے +

۹۸ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ۔ جبریل کا لفظ جبر اور ایل سے مرکب ہے جبر کے معنی عبرانی زبان میں عبد کے ہیں اور ایل کے معنی خدا کے پس جبریل کے معنی ہوئے عبداللہ۔ عربی زبان جو کہ عبرانی زبان کی ماں ہے اس میں جبر کے معنی دبانے یا ٹوٹے ہوئے کی اصلاح کرنے کے ہیں اور اس مناسبت سے بادشاہ یا نیک بندہ یا بہادر کو بھی جبر کہتے ہیں جیسا کہ عرب شاعر ابن عمر کہتا ہے۔ وانعم صباحا ایها الجبر یعنی تیری صبح اچھی ہو اے نیک انسان یا بہادر۔ لیکن ایل کا لفظ عربی زبان میں اِس شکل میں استعمال نہیں ہوتا ہے اور اگر کبھی استعمال بھی ہوا ہے تو عبرانی زبان سے عاریتاً لیکر استعمال ہوا ہے مگر عربی زبان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی درحقیقت عربی زبان میں موجود ہے گو عبرانی میں جاکر اس میں ایک خفیف تغیر ہوگیا ہے۔ اصل عربی لفظ آئل ہے جو آل فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ آلَ الرَّعِيَّةَ کے معنی ہیں اُس نے رعیت کی سیاست کی اور اُس کے کاموں کا اِنتظام کیا اور آلَ عَلَى الْقَوْمِ کے معنی ہوتے ہیں قوم کا حاکم ہوگیا پس آئل جو اس فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اِس کے معنی ہونگے سیاست کرنیوالا۔ اپنی رعایا کے کاموں کا اِنتظام کرنے والا۔ اِسی طرح آل کے معنی "لوٹنا" کے بھی ہوتے ہیں۔ پس آئل کے معنی لوٹنے والے کے بھی ہونگے اور جبرآئل کے معنی ہونگے حاکم کا نیک بندہ (یا بہادر) یا رعیت کی سیاست کرنیوالے کا نیک بندہ (یا بہادر) یا لوٹنے والیکا نیک بندہ (یا بہادر)۔ چنانچہ عبرانی زبان میں جب ہم ایل کے معنی دیکھتے ہیں تو اُس کے معنی آئل کے بالکل مطابق ہیں۔ کیونکہ ایل کا مفہوم جو بائبل سے معلوم ہوتا ہے وہ محققین کے نزدیک قوی ہے (انسکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۳ کالم ۳۳۲۶) اور یہ مفہوم امور رعیت کو پورا کرنے والے یا حاکم کے بالکل مطابق ہے جو آئل کے ایک معنی ہیں۔ ٭٭ زیادہ درست تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں میں قائم ہے اور ایل کے معنی جس کی طرف لوگ لوٹیں یا گول کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی لوٹنے والے کے ہی ہیں یعنی جو بندہ کے پشیمان ہونے پر اپنے فضل کے ساتھ اُس کی طرف لوٹتا ہے غرض جبریل کے صحیح معنی یہی ہیں کہ حاکم یا توبہ قبول کرنے والے (خدا تعالیٰ) کا نیک اور مصلح بندہ یا اُس کا بہادر اور یہ نام خدا تعالیٰ کے مقرب فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا ہے جس کا کام بائبل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانا تھا جیسا کہ دانئیل باب ۸ آیت ۱۶ و باب ۹ آیت ۲۱ اور لوقا ۱ آیت ۱۹ و آیت ۲۶ سے جہاں جبریل کا ذکر نام لیکر آیا ہے صاف ظاہر ہے قرآن کریم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جبریل پیغام الٰہی لانیوالا فرشتہ ہے جیسا کہ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کا الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرنیوالا وہی فرشتہ ہے لیکن بائبل کے بعد کی تحریرات میں جبریل کو اور ہی حیثیت دیدی گئی ہے اور اُسے آگ اور گرج کا فرشتہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ تارجم کی آخری تحریرات سے ظاہر ہے چنانچہ اسلامی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ خیال ترقی پاتے پاتے یہود میں اِس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب اُن کو بتایا گیا کہ قرآن کریم لانے والا فرشتہ جبریل ہے تو اُنہوں نے کہا کہ جِبْرِيلُ ذَاكَ الَّذِي يَنْزِلُ بِالْحَرْبِ وَالْقِتَالِ وَالْعَذَابِ عَدُوُّنَا

٭٭ بعض محققین کے نزدیک آئل کے معنے ہیں "وہ ہستی جو سب انسانوں کی خواہشات اور کوششوں کی مقصود ہے" یہ معنے بھی عربی کے لفظ آئل میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ آئل کے معنے لوٹنے والے کے

(اس قول کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے) یعنی جبریل تو وہ فرشتہ ہے جو جنگ و جدال اور عذاب لیکر نازل ہوتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے اِس لئے ہم تیرا کلام نہیں مان سکتے اور ظاہر ہے کہ یہ خیال طالمودی روایات سے اور تراجم کی تفسیروں سے یہود میں پھیلا ہے ورنہ بائبل سے تو جبریل بشارت اور الہام کا فرشتہ ثابت ہوتا ہے لیکن اپنے تنزل کے وقت قصص اور روایات کو بنیادی اصول پر مقدم کر لینا اقوامِ عالم کا ایک قدیم شیوہ ہے جس سے یہود بھی نہ بچ سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک لغو اور بے حقیقت عذر پر صداقت کے قبول کرنے سے محروم رہ گئے +

ف یہود کے مذکورہ بالا شبہ کے اللہ تعالیٰ نے چار جواب دیئے ہیں اوّل یہ کہ کوئی فرشتہ اپنی طرف سے کوئی کلام نازل نہیں کر سکتا بلکہ اُس کا نزول اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے پس خواہ جبریل ہو خواہ میکائیل ہو یا کوئی اور فرشتہ ہو جبکہ وہ صرف حامل وحی ہے تو اس فرشتہ سے اگر کسی قومی روایت کی وجہ سے نفرت ہے تو اس کلام سے جو وہ لاتا ہے نفرت کس طرح جائز ہو سکتی ہے وہ کلام تو بہر حال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے +

دوم یہ کہ وہ کلام جو اُس رسول پر نازل ہوا ہے ان پیشگوئیوں کا پورا کرنے والا ہے جو تمہاری کتب میں موجود ہیں پس یہ تو عداوت نہیں بلکہ دوستی کی علامت ہے کہ ایسے کلام کا نزول ہوا جو تمہاری کتب کی صداقت کو ظاہر کرنے والا ہے +

سوم یہ کہ کسی بات کو قبول کرتے وقت انسان کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اُس کو راستی کی طرف لیجاتی ہے یا باطل کی طرف اگر وہ راستی کی طرف لیجاتی ہے تو اُس کا قبول کرنا ہر صورت میں ضروری ہے اور اگر باطل کی طرف تو ہر صورت میں اُس کا ترک کرنا واجب ہے۔ پس جب کہ یہ کتاب راستی اور صداقت کی طرف لیجانیوالی ہے تو بہر حال اس کا قبول کرنا ہر ایک صداقت پسند پر واجب ہے +

چوتھا اور آخری جواب یہ دیا گیا کہ اگر کوئی شخص صرف اس بات پر کسی صداقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ بنفسہٖ ہدایت ہے تو قرآن کریم اپنے پیروؤں کے لئے عظیم الشان نفعوں کا بھی وعدہ دیتا ہے اور اُس کے اندر وہ تعلیم بیان ہے کہ جو صرف صداقت ہی نہیں بلکہ اسپر چلنا انسان کے لئے نفع رساں بھی ہے اور جو اُس کو مانتے ہیں اُن کے لئے بڑی بڑی بشارتیں دیتی ہے +

ش مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ - چونکہ ایلچی کی ہتک درحقیقت بادشاہ کی ہتک ہوتی ہے

اور فرشتے کلام الٰہی کے نزول میں صرف ایک واسطہ ہیں جسطرح ہوا آواز کے کان تک پہنچانے میں ایک واسطہ ہے اِس لئے جو شخص فرشتوں میں سے کسی کو بُرا کہتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر ہی الزام لگاتا ہے کہ اُس نے وحیِ الٰہی کے انزال کے لئے ایک ناقص ہستی کو تجویز کیا پس وہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ پر ہی الزام دیتا ہے اِس لئے فرمایا کہ یہود کا یہ قول اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتا ہے اور اِس طرح اُن کو دشمنانِ ذاتِ باری میں شامل کر دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے افعال پر جرح کرنیوالا انسان مجبور ہے کہ سب کے سب ملائکہ اور رسولوں پر بھی معترض ہو کیونکہ اُن سب کی عزت ذاتِ باری کی اطاعت کے ساتھ وابستہ ہے پس روحانی سلسلہ کے کسی رکن پر الزام لگانا یا اُس سے عداوت کا اظہار کرنا انسان کو ہدایت سے بہت دور کر دیتا ہے اور ایسے اشخاص اپنے اعمال سے آخر کار اللہ تعالیٰ کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں یعنی اُن فیوض اور رحمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر دیتے ہیں جو اُس کے دوستوں پر نازل ہوتی ہیں اور اُن عذابوں کے مورد ہو جاتے ہیں جو اُس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں +

ف اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ملائکہ کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں جبریل اور میکال کو علیحدہ بیان کیا گیا ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ چونکہ یہود جبریل کو دشمن خیال کرتے تھے اِس لئے اُس کا ذکر خاص طور پر کر دیا گیا ہے کہ اُس کی دشمنی بھی خدا تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے اور میکال کا ذکر علیحدہ اِس لئے کیا گیا ہے کہ یہود کا خیال تھا

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۲۶

کہ میکال ہمارا خاص مہربان فرشتہ ہے اور وہ اُسے اسرائیل کا محافظ فرشتہ یا شہزادہ خیال کرتے تھے (انسائکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۱۸ صفحہ ۳۵۲) اس لئے ممکن تھا کہ جیسا کہ حقیقت حال سے ناواقف اور پرجوش طبائع کا خاصہ ہے کسی وقت مسلمانوں میں سے بعض نادان یہود کی ضد کی وجہ سے میکال کو برا کہنا شروع کر دیتے اور ان دونوں فرشتوں کو یہود اور مسلمانوں کے خاص محافظ فرشتہ قرار دیکر ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑا کر دیا جاتا اس لئے اس غلطی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے میکال کا نام بھی علیحدہ لے دیا کہ ایسا نہ ہو کوئی شخص یہود کی ضد سے اسکو برا کہنے لگے جو اُسکا دشمن ہوگا خدا تم اُس کا بھی دشمن ہوگا + میکال کے معنی ہیں خدا کی مانند جسکی وجہ تسمیہ معلوم ہوتی ہے کہ اس فرشتہ کا کام زیادہ تر صفت ربوبیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے اُسے میکائیل کہا گیا یعنی خدا کی مانند دیکھو انجیل باب ۱۲ آیت ۷ و باب ۱۲ آیت

بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ

اس کا سوائے اطاعت سے نکل جانیوالوں کے کیا (ایسا نہیں ہوتا کہ) جب کوئی عہد باندھا انہوں نے تو پھینکدیا اُسکو ایک گروہ نے

مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ

انہیں سے بلکہ زیادہ تر ان میں سے ایمان نہیں لاتے اور جب آیا ان کے پاس رسول

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اسکی جو انکے پاس ہے۔ تو پھینکدیا ایک گروہ نے ان لوگوں میں سے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

جنھیں کتاب دیگئی تھی۔ اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے لہ گویا وہ جانتے ہی نہیں

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ

اور انہوں نے پیروی کی اسبات کی جسکے پیچھے پڑے رہتے تھے شیطان لوگ سلیمان کی بادشاہت میں۔ اور نہیں کفر

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ

کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا وہ سکھلاتے تھے لوگوں کو سحر

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ

اور اس چیز کی (پیروی کی) جو اُتاری گئی تھی بابل میں دو ملکوں ہاروت اور ماروت پر

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

اور وہ نہیں سکھلاتے تھے کسی کو بھی اس وقت تک کہ کہدیتے ہم صرف فتنہ ہیں۔

فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

پس تو کفر مت کر پس سیکھتے تھے ان سے وہ بات جسکے ساتھ تفریق کرتے تھے درمیان مرد کے

ته وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۔ آیات بینات سے مراد وہ تمام نشانات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثابت کرنیکے لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے انہیں سے سب سے بڑا نشان قرآن کریم کا بے نظیر ہونا ہے۔ فاسقون کا صحیح ترجمہ بدکار نہیں ہے جیسا بعض مترجمین نے کیا ہے بلکہ اس کا لفظی ترجمہ اطاعت سے نکل جانیوالے کے ہیں اور اس جگہ یہ لفظ بنی اسرائیل کے لئے اس بات کیطرف اشارہ کرنیکے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ جب ان لوگوں نے اسرائیلی نبیوں کی بات نہ مانی اور ان کی اطاعت سے روگردان ہو گئے تو اب ان نشانات کو یہ کہاں مانینگے +

سلہ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ یعنی ایک جماعت نے باوجود اس بات کو معلوم کرلینے کے کہ یہ نبی ان پیشگوئیوں کا پورا کرنیوالا ہے جو خدا تعالیٰ نے اُن کتابوں میں بیان فرمائی تھیں جو ہمارے پاس ہیں اُس کو نہ مانا اور الٰہی فرمان کو اسطرح

پس پشت ڈال دیا گویا اُن کو اس کا علم ہی نہیں حالانکہ اُنہیں مندرجہ ذیل حوالجات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنا چاہیئے تھا۔

پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۱-۱۲-۱۷ و باب ۱۸ آیت ۵-۸-۱۹-۲۰ و باب ۲۱ آیت ۲۰ و باب ۲۵ آیت ۴-استثنا باب ۱۸ آیت ۱۷-۲۲ و باب ۲۳ آیت ۲-غزل الغزلات باب ۵ آیت ۱۰-۱۶-یسعیاہ باب ۵ آیت ۱۰-۱۶-یسعیاہ باب ۵ آیت ۵-۲۲-دانیال باب ۳-متی باب ۲۱ آیت ۴۲-۴۴-حبقوق باب ۳ آیت ۳ و باب ۷ آیت ۱ و باب ۱۵ آیت ۲۶-مرقس باب ۱۶ آیت ۲۶-حجی باب ۱۱ آیت ۷-زبور باب ۴۵ آیت ۳-۴-متی باب ۲۱ آیت ۳۳-مرقس باب ۱۲ آیت ۱-لوقا باب ۲۰ آیت ۹-یسعیاہ باب ۵ آیت ۵-یوحنا باب ۱ آیت ۲۰ و باب ۱۲ آیت ۴۷ و باب ۱۴ آیت ۱۵-۱۷ و باب ۱۶ آیت ۱۲۔

۵۳ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ-

تلاوۃ جس سے تتلوا مضی کا صیغہ ہے مختلف معنوں میں آتا ہے جن میں سے ایک پیچھے چلنے کے ہوتے ہیں-تاج العروس جلد ۱۰ تَلَوْتُهٗ تُلُوًّا تَبِعْتُهٗ.... وَذٰلِكَ يَكُوْنُ بِالْجِسْمِ وَ تَارَةً بِالْاِقْتِدَاءِ فِي الْحُكْمِ۔

(ب) علٰی علاوہ اور معنوں کے فی کے معنوں میں بھی مستعمل ہے (مغنی جلد اول صفحہ ۱۱۷) جیسے کہ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۸۴)

(ج) مُلك - بادشاہت۔

(د) سحر - ہر ایک جھوٹ یا فریب یا خفیہ اشارات جن کی غرض اصل مطلب کو لوگوں کی نظر سے چھپانا ہوتا ہے سب سحر میں شامل ہیں۔

(ہ) مَلَك - اصل معنی اس کے فرشتہ کے ہیں لیکن مجازاً خوبصورت یا نیک انسان پر بھی بولا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف کی نسبت آتا ہے کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (سورہ یوسف آیت ۳۲) یعنی یوسف نہیں مگر ایک ملک۔ اس جگہ ان دو ملک کا یہ کام بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو کچھ سکھاتے تھے اس لئے ملک اصل معنوں میں نہیں جا سکتا کیونکہ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ فرشتے عام طور پر انسانوں کو نہیں ملتے جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۵ و ۹۶) یعنی لوگوں کو ہدایت کے قبول کرنے سے سوائے اس بات کے کسی چیز نے نہیں روکا کہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ نے آدمی کو رسول کر کے بھیجا ہے تو کہہ کہ اگر زمین میں آدمیوں کی بجائے فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم فرشتہ ہی کو رسول کر کے بھیجتے یعنی جبکہ انسان بستے ہیں تو انسان ہی رسول آئیگا - اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا ہے

۴ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ - (سورہ انبیاء ۲۱ آیت ۸) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے لوگوں کی طرف کسی کو نہیں بھیجا لیکن انسانوں کو کہ انکی طرف وحی کی جاتی تھی پس اگر تم لوگ واقف نہیں تو اُن سے پوچھو جن کے پاس علم ہے۔ ان دونوں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ملائکہ انسانوں کی طرف اس طرح نہیں بھیجے جاتے کہ وہ انہیں رہیں اور کچھ سکھائیں پڑھائیں بلکہ جیسا کہ دیگر مقامات قرآن سے ثابت ہے وہ صرف انبیاء و صلحاء پر کلام الٰہی لیکر نازل ہوتے ہیں (یا شاذ و نادر دوسرے لوگوں کو بھی نظر آجاتے ہیں) پس چونکہ آیت زیر غور میں ان دو ملک کا کام یہ بتایا ہے کہ وہ دنیا میں رہتے تھے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اس لئے اس جگہ ملک سے مراد وہ انسان ہی لینے پڑینگے جو کہ اپنی نیکی اور تقوی کی وجہ سے يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ میں شامل ہیں یعنی جو ان کو حکم دیا جائے اُسپر چلتے ہیں اور اس کے خلاف نہیں کرتے اور چونکہ ملائکہ کی بھی یہی صفت ہے اس لئے اُن کا نام بھی ملک رکھا گیا چنانچہ اس آیت میں بتایا بھی یہی گیا ہے کہ وہ دونوں خدا تعالیٰ کے احکام کے ماتحت کام کرتے تھے۔

اور اگر ملک کا لفظ اس جگہ اپنے اصل معنوں میں لیا جائے تب ملک کے سکھانے سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ ملک بعض اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو سکھاتے تھے اور وہ آگے لوگوں کو سنا دیتے تھے۔

(و) هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ - یہ دونوں صفاتی نام ہیں ہاروت ہرت سے نکلا ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں

(تاج العروس جلد اول) پس ہاروت کے معنی پھاڑنے والے کے ہیں - اور ماروت مرت سے نکلا ہے جس کے معنی توڑ دینے کے ہیں (تاج العروس جلد اول) پس ماروت کے معنی ہوئے توڑنیوالا ان ناموں سے یہ بتایا گیا ہے کہ ان نبیوں کی بعثت کی غرض بعض آدمیوں یا جماعتوں کی عزت یا حکومت کو پھاڑنا اور توڑنا تھی +

(ز) فِتْنَةٌ - وہ آزمائش جس کے ذریعہ سے کسی انسان کی حالت کا اظہار ہو جاتا ہے یا ایک ایسی دریاتی راہ جس کے ذریعہ سے کسی انسان کی نیکی یا بدی کی حالت کا اظہار ہو جاتا ہے +

تشریح آیت - اس آیت کے متعلق بہت سے ایسے بے سروپا قصے لکھے گئے ہیں کہ جن کا ثبوت نہ تو قرآن کریم سے ملتا ہے اور نہ احادیث سے بلکہ وہ قصے قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہیں اس لئے ان قصوں کی بنا پر اس آیت کی تفسیر کرنا بالکل درست نہیں یہ قصہ ہی لغو ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور کسی بیرونی شہادت کی بھی اس کی تفسیر کے لئے ضرورت نہیں یہ آیت خود اپنی آپ تفسیر کر دیتی ہے چنانچہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک ایسے کام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے جس میں وہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں بھی لگے ہوئے تھے اور بابل کی قید کے ایام میں بھی - اور اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت میں جو لوگ اس کام میں مشغول تھے وہ حضرت سلیمان کے مخالف اور آپ کو کافر کہنے والے تھے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سلیمان کافر نہ تھا وہ لوگ خود کافر تھے ان تمام باتوں سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جگہ ان خفیہ سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت سلیمان کے ایام حکومت میں اُن کے مخالف اُن کے خلاف کیا کرتے تھے اور جن کے ذریعہ سے وہ آپ کی حکومت کو توڑ دینا چاہتے تھے اور بتایا گیا ہے کہ اسوقت بھی یہ لوگ انہیں تدابیر کو اختیار کر رہے ہیں لیکن اُنکو کامیابی نہ ہوگی - چونکہ یہ آیت بہت سے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لئے اس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے - یہود نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی حکومت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور باوجود اہل عرب کی مخالفت کے اُن کا قدم پیچھے نہیں ہٹتا تو اُنہوں نے دوسری طرف ہاتھ مارنے شروع کئے - چونکہ اسوقت دو ہی بڑی حکومتیں تھیں ایک مجوسیوں کی اور ایک مسیحیوں کی اور موخرالذکر سے اُن کو عداوت تھی اور اُس کے ملک میں اُن کو ہر طرح تکلیف تھی اس لئے صرف مجوسیوں کی حکومت رہ جاتی ہے جس پر یہود کو؎

؎ کچھ بھروسا ہو سکتا تھا کہ وہ اُن کی باتوں کی طرف توجہ کریگی اور جہاں اُن کو کسی قدر رسوخ بھی حاصل تھا کیونکہ اُس وقت کی مسیحی حکومتوں کے ظلم سے تنگ آکر یہود زیادہ تر حکومت مجوس کے ماتحت ہی رہتے تھے اور اُن کو وہاں بہت مذہبی آزادی حاصل تھی خصوصاً جسٹینین (۵۲۷-۵۶۷ء) کے وقت سے تو مسیحیوں کے ماتحت اُن پر بہت ہی ظلم ہونے شروع ہو گئے اور سوائے فارس کے اور کوئی جائے پناہ اُن کے لئے نہ رہی اور اُن کا مذہبی سنٹر بجائے جوڈا یا یروسلم کے بیبلونیا ہو گیا (ہچنسن ہسٹری آف دی نیشنز صفحہ ۵۵۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تو وہ بالکل مسیحیوں سے تنگ آ چکے تھے پس آپ کے وقت میں اگر کسی قوم پر یہود اپنی مدد کا بھروسہ کر سکتے تھے تو وہ حکومت فارس ہی تھی جہاں اُن کے ہم مذہب بہت بارسوخ تھے اور اُن کا رئیس اٹل آرچ یعنی پرنس آف کیپٹیوٹی (شہزادہ قید) شاہان ایران کے دربار میں خاص عزت کے مقام پر بٹھایا جاتا تھا - چنانچہ جب یہود اور سب طرف سے مایوس ہو گئے تو اُنہوں نے مختلف ذرائع سے دربار ایران کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکسانا شروع کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خسرو ثانی نے اپنے یمن کے گورنر کو لکھا کہ عرب کے اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے سامنے حاضر کر دیں لیکن جب گورنر یمن کے قائم مقام آپ کی خدمت

۴ روانہ ہوا بلکہ اُس کا
باعث وہی غلط خبریں
ہو سکتی ہیں جو اُنکو عام
طور پر پہنچائی گئیں اور
جس کے پہونچانے والے
سوائے یہود کے کوئی
اور نہ تھے اور آیت
زیر غور میں یہود کی
اسی کارروائی کی طرف
اشارہ فرمایا ہے اور
بتایا ہے کہ تمہارا یہ
خیال غلط ہے کہ ہم
اس طرح کامیاب
ہو جائینگے اور اُن کو
توجہ دلائی ہے کہ اس
سے پہلے دو دفعہ وہ
خفیہ سازشیں کر چکے
ہیں پہلی دفعہ تو حضرت
سلیمان کے خلاف
جبکہ بعض باغی اُن
کے خلاف منصوبے
کرتے تھے اور اُن کو
کافر کہہ کر لوگوں کو
اُن کے خلاف بھڑکاتے
تھے حالانکہ سلیمان کافر نہ
تھے کافر وہ لوگ تھے
جو اُن کا مقابلہ کرتے تھے اور اُن پر الزام لگاتے تھے اور اُن کے خلاف خفیہ سوسائیٹیاں قائم کرتے تھے جن
میں لوگوں کو ایسے اشارات سکھائے جاتے تھے جن کا مطلب ظاہر میں اور ہوتا تھا لیکن باطن میں اُن
کے معنی اور ہی ہوتے تھے

میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کل ملنا اور
دوسرے دن فرمایا کہ ہمارے خدا نے تمہارے
خدا کو مروا ڈالا ہے چنانچہ اُنہوں نے گورنر یمن
کو جا کر یہ واقعہ سنا دیا اور کچھ دنوں کے انتظار کے
بعد حاکم یمن کے پاس خسرو کے بیٹے شیرویہ
کا خط بھی پہنچ گیا کہ ہم نے اپنے باپ کو بوجہ
اُس کے ظلم کے قتل کر دیا ہے اور تم ہماری
طرف سے سب امراء سے اطاعت کا عہد لو
اور جو حکم عرب کے باشندہ کی نسبت ہمارے
باپ نے دیا تھا اُسے منسوخ سمجھو اور جب تک
کوئی نیا حکم نہ آئے اُس کے متعلق کوئی کارروائی
نہ کرو - طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۸۳ و ۱۵۸۴ - ۶
بعض مورخین نے جن میں خود طبری بھی شامل
ہے اس واقعہ کا محرک اُس خط کو لکھا ہے
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو
تبلیغ اسلام کے طور پر لکھا تھا لیکن دونوں
واقعات کی تاریخیں ملانے سے معلوم ہوتا
ہے کہ اُن کا یہ خیال غلط ہے اور اصل بات
یہی ہے کہ اِس خط کے پہنچنے سے پہلے اِس کے پاس
آپکے خلاف رپورٹیں کی گئی تھیں جن پر اُس نے آپ
کے خلاف کارروائی کی چنانچہ اِس واقعہ سے
سر ولیم میور جیسا متعصب مصنف بھی انکار
نہیں کر سکا جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب لائف
آف محمد صفحہ ۳۰۸ پر لکھا ہے کہ کسریٰ کے
افسر آپ کے خط کے پہنچنے سے پہلے روانہ

ہوئے ہوئے تھے - چنانچہ تاریخی شہادت
اِس خیال کی تائید کرتی ہے کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر محرم ۷ھ کو
مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں جیسا کہ زرقانی جلد ۳
صفحہ ۲۵۴ پر لکھا ہے اِنَّ بَعْثَةَ المُلُوكِ
اِنَّمَا كَانَ بَعْدَ الْعَوْدِ مِنْهَا فِي شَهْرِ
الْمُحَرَّمِ سَنَةَ سَبْعٍ كَمَا يَأْتِي
یعنی آپ کا بادشاہوں کی طرف خطوط بھیجنے
کا واقعہ پہلی محرم ۷ھ کو ہوا ہے جو کہ اِس
تاریخ کے لحاظ سے جو ہسٹوریننز ہسٹری آف
دی ورلڈ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہجرت کی مقرر کی ہے (جلد ۸ صفحہ ۱۱۸)
۴ مارچ ۶۲۸ء بنتا ہے اور خسرو ثانی جس نے
آپ کے پکڑنے کے لئے آدمی بھیجے تھے ۲۵ فروری
۶۲۸ء کو پکڑا گیا ہے اور ۲۸ فروری کو قتل
کیا گیا ہے دیکھو ہسٹوریننز ہسٹری آف دی
ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۹۵ جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلعم کا خط اِس
بات کا محرک ہوا کہ خسرو ثانی آپکی
گرفتاری کا حکم بھیجے کیونکہ نبی کریم صلعم کا قاصد خسرو
کے قتل کے بعد مدینہ سے مداین کی طرف جو کہ
اُن دنوں میں ایران کا دارالخلافہ تھا روانہ ہوا -
اس لئے اس کے اس حکم کے بھیجنے کا باعث وہ
خط نہیں ہو سکتا جو اس کے قتل کے بعد مدینہ سے گیا

تھے۔ لیکن اس سازش کا نتیجہ ان کے حق میں ہی نکلا تھا کہ یہود کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور آخر کمزور ہوتے ہوتے ایسے کمزور ہوئے۔ کہ ایک وقت زبردستی بابل کی طرف جلاوطن کئے گئے۔ حضرت سلیمان کے خلاف خفیہ سازشوں اور منصوبوں اور دھوکہ دینے والے اشارات میں کارروائی کرنے والے لوگوں کا جو ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس کے لئے دیکھو سلاطین باب ۱۱ آیت ۱ تا ۶۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی نسبت بت پرستی کا الزام لگایا جاتا تھا۔ اور لوگوں میں اس خبر کو مشہور کیا جاتا تھا۔ آپ کے اندرونی دشمنوں کا حال اسلاطین باب ۱۱ آیت ۱۴ و ۲۳ و ۲۶ سے ظاہر ہے۔ آپ کے خلاف خفیہ سازشوں کا حال ۲ تاریخ باب ۱۰ آیت ۳ و ۴ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی بنی اسرائیل نے آپ کے خطرناک دشمن یربعام کو مصر سے بلا بھیجا۔ اور آپ کے بیٹے کے تخت نشین ہونے سے پہلے اس سے بعض مطالبات منظور کروانے چاہے۔ جنہیں حضرت سلیمان پر الزام لگائے گئے۔ خفیہ اشارات کا پتہ اسلاطین باب ۱۱ آیات ۲۹ تا ۳۲ سے پتہ لگتا ہے۔ جس میں ایک چادر کے دس ٹکڑوں کو بنی اسرائیل کی دس قوموں سے مشابہت دیگئی ہے۔ اور یربعام کو بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی دس قومیں تیرے ساتھ ہیں۔ اور سلیمان کے خلاف۔ چنانچہ سلیمان کی وفات پر ان دس قوموں نے اس کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیا اور جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے یا تو حضرت سلیمان پر الزام کفر لگایا جاتا تھا یا اب یربعام نے بادشاہ ہوتے ہی مختلف بتوں کے لئے مندر بنوانے شروع کئے۔ اور کفر اختیار کر لیا۔ دیکھو ۲ تاریخ باب ۱۱ آیت ۱۵۔

اسکے علاوہ ایک اور ثبوت بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت میں ایک خفیہ سوسائٹی آپکے خلاف کام کر رہی تھی۔ اور وہ ایک پرانی روایت ہے جو پرانے فری میسنوں میں مشہور تھی۔ اور جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان کے تعمیر کردہ معبد کا بڑا کاریگر ہیرام اپنی ذہانت کی وجہ سے حضرت سلیمان کا محسود تھا۔ انھوں نے ایک دفعہ خفیہ طور پر ابلتے ہوئے تیل کے ٹینک (تالاب) کھلوا کر اُسے ہلاک کرنا چاہا لیکن اس کے دادا قابیل کی روح نے اس کو بچا لیا اور پیشگوئی کی کہ آخر کار اس کی جماعت اپنے دشمن پر غالب آجائے گی۔ لیکن اس کے بعد پھر سلیمان نے اُسے قتل کروا دیا۔ اسکی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے چند خفیہ اشارات بھی مقرر کر رکھے تھے۔ جو اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایک آنہ کے طور پر تھے۔ دیکھو سیکرٹ سوسائٹیز آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۱ تا ۱۰۔ اسی کتاب سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکسیپٹڈ میسنز کے دور سے پہلے کی راجوں میں وہی اشارات استعمال کئے جاتے تھے۔ جو کہ سلیمان کے وقت معماروں میں تھے۔ اسی طرح یہ بھی کہ اس وقت نئے ممبر کے داخلہ کے وقت ہیرام کا واقعہ نئے ممبر کو کچھ زبانی اور کچھ ایکٹ (عمل) کر کے بتایا جاتا تھا۔ غرض گو یہ روایت ساری کی ساری قابل قبول نہیں۔ لیکن اس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت کو خفیہ سوسائٹیوں کے ساتھ کچھ تعلق ضرور ہے اور ان کے وقت میں اس کام کا بہت رواج تھا دوسرا موقعہ قرآن کریم نے بابل کا ذکر بیان فرمایا ہے کہ اس وقت بھی بنی اسرائیل نے خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعہ کام لیا تھا لیکن اس وقت ان کے سردار کوئی دشمن انبیاء نہ تھے بلکہ وہ انبیاء تھے جو خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کی رہائی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اور ان کا کام بنی اسرائیل کے دشمنوں کو پھاڑنا اور توڑنا تھا یہ جن لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے پہلے ان کو کہہ دیتے تھے کہ دیکھو ہم لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش کے طور پر ہیں ہمارے ذریعے سے نیکوں اور بدوں میں فرق کیا جائے گا۔ پس ہماری بات کا انکار نہ کر دینا کہ یہ کفر ہو گا۔ اور وہ اپنی تعلیم میں مرد اور عورت کو جدا کر دیتے تھے یعنے مردوں کو تو اپنے ساتھ شامل کرتے۔ لیکن عورتوں کو شامل نہ کرتے۔ (اور یہ ایک قدیم رسم ہے جو اکثر خفیہ سوسائٹیوں میں چلی آتی ہے کہ وہ اپنے اندر عورتوں کو شامل نہیں کرتیں) لیکن وہ لوگ یعنے بنی اسرائیل اپنی ان خفیہ تدابیر سے صرف ان کو نقصان پہنچاتے تھے۔ جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ انکے خلاف کوشش کرو۔

قرآن کریم نے اس بیان میں اسوقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جبکہ بنی اسرائیل کو بخت نصر بادشاہ قید کر کے بابل لے گیا تھا۔ اور وہاں ان کو ایک مدت تک غلامی میں رکھا گیا تھا۔ لیکن جب سائرس فارس اور میڈ کے بادشاہ کا زور ہوا تو اس کے ساتھ انہوں نے

وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور اس کی بیوی کے۔ اور وہ نہیں تھے ہرگز نقصان پہنچانیوالے اسکے ذریعہ کسی کو بھی مگر اللہ کے اذن کے ساتھ

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

اور یہ سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان پہنچائیگی انہیں۔ اور نہیں نفع دیگی انہیں۔ اور البتہ تحقیق یہ جان چکے

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ

ہیں کہ جس نے اسے خریدا نہیں ہے اسکے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ اور یقیناً بری ہے

مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۳ وَلَوْ اَنَّهُمْ

وہ چیز جس کے بدلے میں انہوں نے بیچ دی ہیں اپنی جانیں۔ کاش یہ جانتے ہوتے اور اگر یہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا

ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور اللہ کی طرف سے بہتر بدلہ ہوتا۔ کاش یہ

يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ ع ۱۲

جانتے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور

قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۵

کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

کہ اتاری جائے تم پر کوئی بھی بھلائی تمہارے رب سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ۲
خفیہ سمجھوتا کیا۔ اور اسکے
حملہ آور ہونے پر اندر
سے اس کی مدد کی جسکی
وجہ سے وہ بہت جلد
بابل پر قابض ہو گیا۔
جسکے انعام میں اس نے
بنی اسرائیل کو ان کے
ملک کی طرف واپس جانے
کی اجازت دی۔ اور
معبد کی تعمیر میں بہت کچھ
مدد دی (دیکھو ہسٹورینز
ہسٹری آف دی ورلڈ
جلد ۲ صفحہ ۱۲۶)
یہ بیان کرنے کے بعد
کہ بنی اسرائیل آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت
میں بھی انہی باتوں کی پیروی
کر رہے ہیں۔ جن کی پیروی کا
بعض باغیوں نے حضرت
سلیمان کے وقت کی تھی
اور جن کی پیروی دو نبیوں
کے ماتحت انہوں نے
بابل میں کی تھی یہ بتانا بھی
ضروری تھا کہ اس وقت
انکی کوششوں کا نتیجہ
کیا ہوگا۔ کیونکہ دونوں
موقعوں پر دو مختلف نتیجے پیدا ہوئے تھے۔ پہلی سازش جو ایک نبی کے خلاف کیگئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بنی اسرائیل کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ ایسے ذلیل ہوئے کہ وطن سے بے وطن کئے گئے۔ اور دوسرے موقعہ پر جب خدا تعالیٰ کے دو نبیوں کے ماتحت انہوں نے وہی تدابیر اختیار کی تھیں تو جلا وطنی سے اپنے وطن واپس آگئے تھے۔ اور ان کا دشمن تباہ ہوا تھا۔ اسلئے یہ بتلانے کے لئے کہ اب جو یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوشش کر رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلیگا۔ آیا سلیمان کے وقت کی کوششوں کے مطابق یا بابل کے وقت کی کوششوں کے مطابق فرمایا۔

فوائد صفحہ ہذا لہ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ یعنے اور یہ لوگ وہ کچھ سیکھتے ہیں۔ جو ان کو ضرر دے گا نفع نہیں دیگا۔ یعنے یہ بابل کی طرح اب کامیاب نہ ہوں گے بلکہ نقصان اٹھائیں گے۔ چنانچہ اس دفعہ کی

ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ کسریٰ بھی ہلاک ہوا اور وہ خود بھی حضرت عمر خلیفہ ثانی کے وقت عرب سے جلا وطن کئے گئے جو نتیجہ کہ بالکل اس نتیجہ کے مطابق تھا جو حضرت سلیمان کے خلاف سازش کرنے کا ہوا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔ یعنے یہ لوگ جانتے ہیں کہ جو شخص خفیہ منصوبہ کرتا ہے وہ کبھی خدا تعالیٰ کا پیارا نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک خفیہ تدابیر اور خفیہ سوسائٹیاں ناپسند ہیں۔ اور بابل کا واقعہ مستثنےٰ ہے کیونکہ وہاں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوا جو کچھ ہوا ؛

ترتیب و ربط

آیت نمبر ۹۸ میں بتایا کہ یاد رکھو اس کلام کی دشمنی درحقیقت کلام بھیجنے والے کی دشمنی ہے۔ اور نمبر ۹۹ میں بتایا کہ خدا تعالیٰ کی دشمنی گویا تمام اسباب روحانی و جسمانی کی دشمنی ہے۔ جو انسانی ترقی کے ممد و معاون ہیں۔ اسلئے یہ نہ سمجھو کہ قرآن مجید کا انکار ایک معمولی بات ہے۔ بلکہ یہ خالق اسباب قوموں کو ترقی و تنزل دینے والے سے جنگ ہے نمبر ۱۰۰ میں بتایا کہ قرآن مجید کا انکار بلاوجہ ہے اس کے زبردست دلائل ہیں۔ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲ میں بتایا گیا اپنے انبیاء سے عہد کر چکے ہیں کہ اس عہد کے رسول کو مانینگے اور پھر نہیں مانتے۔ نمبر ۱۰۳ میں دکھایا ہے کہ صرف انکار ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اسکے ہلاک کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبے کر رہے ہیں۔ جنہیں سے بعض بادشاہوں سے خفیہ خط و کتابت ہے یہ سمجھتے ہیں کہ اسطرح یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ حالانکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے کہ جو نبی موسیٰ کا مثیل ہوگا۔ اس کا مقابلہ کرنیوالا ہلاک ہوگا۔ پس اگر یہ وہ ہے تو پھر اسکے مقابلہ میں کوئی بادشاہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ نہ تم لوگ۔ اگر وہ نہیں تو پھر تمہاری کوشش فضول ہے کیونکہ حسب استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ - ۱۹ وہ خود ہی ہلاک ہو جائے گا۔ نمبر ۱۰۴ میں بتایا کہ ایمان لانا اور شیوۂ اتقا اختیار کرنا اس کی مخالفت سے بچنا اللہ کے نزدیک ثواب کا کام ہے

لہ رَاعِنَا ۔ یہود لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کرتے جن میں ادب کا لحاظ نہ ہوتا۔ اور ان کی غرض اس سے یہ تھی کہ مسلمان بھی اس کی نقل کریں۔ اور آہستہ آہستہ ان کے دلوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا رعب جاتا رہے۔ اور وہ اخلاص جو انکی ترقی کا اصل باعث تھا کم ہو جائے۔ مسلمان بھی اپنی سادگی سے ان الفاظ کی نقل کرتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ یہود کے فریبوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ ایسے الفاظ سے ہمیشہ پرہیز لازم ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ سورہ حجرات میں بھی ادب کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

راعنا کا لفظ باب مفاعلہ سے ہے۔ اور اسکے معنے ہیں۔ آپ ہم پر مہربانی کی نظر کریں تو ہم آپ سے مہربانی کا سلوک کریں گے اور یہ کلام برابر والوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس میں ایک قسم کی جدائی اور غربت بھی پائی جاتی ہے۔ نیز یہ لفظ راعن سے بھی بن سکتا ہے۔ جسکے معنے احمق ہیں۔ منادیٰ ہو کر راعنا ہوا جسکے معنے ہوئے او احمق۔ اس لئے اس سے مسلمانوں کو روکا گیا اور فرمایا کہ تم اُنْظُرْنَا کہو جس کے معنے ہیں کہ ذرا ہمارا بھی انتظار کیجئے۔ یعنی ہمیں بھی اپنی بات کے سمجھنے کا موقعہ دیجئے یا یہ کہ ہم پر نگاہ فرمائیے۔ ہماری عرض سنئے۔ اور پھر یہ بھی حکم دیا کہ ایک تو ادب کے الفاظ استعمال کرو۔ دوسرے رسول کی بات پر کان دھرا کرو۔ اور غور سے سنا کرو تاکہ اُنْظُرْنَا کہنے کی ضرورت ہی نہ رہے ؛

اسمعوا کے یہ معنے ہیں کہ یہ ہمارا حکم مان لو نافرمانی نہ کرو ؛

سہ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنے یہود وغیرہ تو چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح راہ حق سے بھٹک کے ان انعامات سے محروم ہو جاؤ جو تمہارے لئے مقدر ہیں۔ پس انکی باتوں پر غور نہ کیا کرو کہ کہیں دھوکے سے تم کو ہلاکت کے گڑھے میں تو گرانا نہیں چاہتے ؛

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵ مَا نَنْسَخْ

اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتاہے ۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے جو بھی آیت

مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

ہم مٹاتے ہیں یا اسے فراموش کراتے ہیں ہم لاتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی کیا تو نہیں جانتا

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

کہ اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے ۔ [۱] کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ

آسمانوں اور زمین کی اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوست

وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ

اور نہ کوئی مددگار ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جس طرح کہ

مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

موسیٰ سے سوال کئے گئے پہلے ۔ اور جو شخص بدل لے کفر کو ایمان سے ۔ تو تحقیق

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

وہ بھول گیا درست راہ کو ۔ [۱۳] چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب میں سے

لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا

کہ پھر بنا دیں تمہیں تمہارے ایمان کے لانے کے بعد کافر اپنے

مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

دلی حسد سے بعد اس کے کہ کھل چکا ہے ان پر حق ۔

[۱] مَا نَنْسَخْ ۔ نسخ کے معنے مٹانے کے ہیں چنانچہ تاج العروس میں ہے نسخ ازال نسخ شيئا تبطله واقام شيئا مقامه ۔ یعنے ایک چیز کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز کو رکھ دیا ۔ اس آیت سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ کر دی گئی ہیں ۔ لیکن یہ نتیجہ نہایت غلط اور خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس آیت میں آیات قرآنیہ کا کہیں ذکر نہیں بلکہ پچھلی آیات میں یہود کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ایسی ایسی شرارتیں کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ تم پر کسی قسم کی خیر نازل ہو اور سب سے بڑی خیر الہام الٰہی ہے پس اس آیت میں کوئی ایسا ہی ذکر ہو سکتا ہے جو پچھلی آیات کے متعلق ہو کوئی نیا مضمون بلاتعلق نکال لینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا ۔ اور وہ مضمون یہی ہے کہ یہود تو پسند نہیں کرتے کہ تم پر کوئی خیر نازل ہو ۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسپر چاہتاہے ۔ فضل کرتا ہے ۔ پس اس نے تم پر خیر نازل کر دی ہے یعنی قرآن کریم ۔ لیکن چونکہ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ پہلے شرائع کے ہوتے نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب یہ دیا ۔ کہ ان کتب کے بعض حصص اس قابل تھے کہ منسوخ کر دئے جائیں ۔ اور بعض ایسی باتیں تھیں کہ مرور زمانہ سے لوگوں کو بھول گئی تھیں ۔ اور آہستہ آہستہ کتب ساویہ سے محو ہو گئی تھیں ۔ انکا دوبارہ بیان کرنا مناسب تھا ۔ پس ایک حصہ کو ہمنے منسوخ کر دیا ۔ اور اس سے بہتر تعلیم اس کتاب میں بیان کر دی ہے ۔ اور وہ تعلیم جو بھول گئی تھی ۔ اس کو پھر اسی طرح بیان کر دیا ہے ۔

ف ۔ اہل کتاب اس پر اعتراض نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں نئی شریعت کی خبر موجود ہے ۔ دیکھو کتاب یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۳۱ ۔ دیکھ وے دن خداوند کہتا ہے ۔ میں اسرائیل کے گھرانے اور یہود کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھوں گا

اس عہد کے موافق نہیں جو میں نے ان کے باپ دادا سے کیا۔ پھر دیکھو عبرانیوں باب ۸۔ آیت ۸۔ یسعیاہ باب ۴۲ ❖

یہی معنے ہیں جو سیاق آیت کے مطابق اور الفاظ قرآن کریم کے ماتحت ہیں۔ ورنہ وہ معنے جو بعض لوگوں نے کئے ہیں۔ اور جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ہرگز درست نہیں نہ تو الفاظ قرآن کریم اُنکے متحمل ہیں۔ اور نہ سیاق آیت ان پر دال ہے۔ اور نہ عقل انکی تائید کرتی ہے۔ اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہیں مروی ہے۔ قرآن کریم سب کا سب قابل عمل ہے۔ چنانچہ اپنی وفات کے دن تک آپ قرآن کریم کے تمام احکام کے عامل رہے۔ اور اس پر عمل کرواتے رہے۔ اور قرآن کریم بھی پکار پکار اپنے محفوظ ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ جیسا کہ آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (سورہ ۱۵۔ آیت ۱۰) سے ظاہر ہے۔ اگر قرآن کریم کی بعض آیات کو منسوخ قرار دیا جائے۔ تو حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ اور جس کے جی میں آئے۔ جو حصہ چاہے منسوخ کر سکتا ہے پس ان تمام دلائل کی موجودگی میں یہ خیال کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ کہ قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ ہیں۔ اس وقت جو قرآن دنیا میں موجود ہے۔ اس میں سے ایک آیت بھی منسوخ نہیں۔ اور اس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں۔ جس کے مٹانے کے لئے قیاساً ہمیں کسی نسخ کے جواز کا فتوےٰ دینا پڑے۔ وہ اپنی موجودہ صورت میں کامل اور بے عیب ہے۔ اور اسلام کے تمام مخالفین ملکر بھی اگر اس میں کوئی اختلاف ثابت کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اور ہم اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحم کے ماتحت دعوےٰ سے کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص جو کوئی علمی حیثیت رکھتا ہو یا کوئی جماعت اگر قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنا چاہے۔ تو ہم اس کا جواب بفضل خدا پوری طرح سے دے سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں نسخ کے قائل لوگوں کے رد کے لئے یہ بات بھی کافی ہے۔ اور ان کا ظنیات کے پیچھے پڑنا اسبات سے بھی ظاہر ہے کہ مختلف لوگوں نے پانچ سو سے لیکر پانچ آیتوں تک کے منسوخ ہونے کا فتوےٰ دیا۔ اور دونوں تعدادوں کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ باوجود اسکے کہ ہم موجودہ قرآن کے بعض حصص کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہم اس بات کو بالکل خلاف عقل نہیں پاتے۔ کہ ایسا نسخ قرآن کریم میں بیان کردہ احکام کے علاوہ دیگر احکام میں ہوا ہو یا ایک وقت ایک حکم دیا گیا ہو۔ اور پھر اس کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیدیا گیا ہو۔ لیکن کوئی منسوخ شدہ حکم قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے ایسے نسخ میں کوئی حرج نہیں۔ ابتدا جبکہ اسلام کے احکام تیار ہو رہے تھے۔ اگر بعض وقتی مجبوریوں کی وجہ سے یا بعض نئی باتوں کی خاطر اگر بعض وقتی احکام دے کر منسوخ کر دئے گئے ہوں اور انکی بجائے ہمیشہ قائم رہنے والے احکام کو قرآن کریم میں اُتارا گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس میں خدا تعالےٰ پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ کہ اس کے علم میں نقص ہو بلکہ یہ اسکے علم کے کمال پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ بوجہ ابتدائی حالت کے لوگ ابھی فلاں حکم کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کو آہستہ آہستہ اس کے لئے تیار کیا جائے یا یہ کہ ابھی منافق اور مومن میں تمیز نہیں ہوئی۔ فلاں فلاں آزمائشی حکم سے منافقوں کے نفاق اور مومنوں کے ایمان کو دنیا پر ظاہر کر دیا جائے۔ بائبل میں بھی احکام میں نسخ کی مثالیں ملتی ہیں ❖

ؔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ یعنے زمین و آسمان کی حکومت اللہ تعالےٰ کے ہی اختیار میں ہے۔ پس جبکہ زمین کی بادشاہتوں میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ نالائقوں سے چھین کر ان سے بہتر لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت دیدیتا ہے۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر حکومت دنیا میں ہو رہی ہے تو دینی معاملات میں اس کا ہاتھ کون باندھ سکتا ہے۔ وہ آسمانی بادشاہت بھی جسکو چاہتا ہے سپرد کرتا ہے۔ اور بہتر سے بہتر دین لا سکتا ہے۔ جس طرح بہتر سے بہتر حکومتوں کو وجود میں لاتا ہے۔ اس آیت میں یہ بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کہ مسلمانوں کو آسمانی حکومت کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی مل جائے گی۔ یعنے اے مسلمانوں اپنے دشمنوں کے فریب میں نہ آنا۔ اس وقت اگر کوئی تمہارا دوست ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہے ورنہ سب دنیا تمہاری مخالف ہو رہی ہے ❖

ؔ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ۔ یہود مسلمانوں میں گستاخی کا مادہ پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کرتے کہ آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوال کرتے۔ اور اس بہانے سے مسلمانوں کو بھی بہت سے سوال کرنے کا شوق دلاتے جس سے ان کی غرض یہ تھی۔ کہ گستاخ ہو کر ان انعامات سے محروم ہو جائیں۔ جن کا ان سے وعدہ تھا یا یہ کہ کسی وقت ٹھوکر کھا کر اسلام سے برگشتہ

سو ہیں۔ اور یہ ان کی کوشش بھی نیک نیتی کی بنا پر نہیں بلکہ حسد کا نتیجہ ہے۔ بنی اسمٰعیل کی ترقی ان سے دیکھی نہیں جاتی۔

(ب) حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ سے یہ مراد ہے کہ یہ حسد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے نتیجہ سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے دل کے خیالات سے ہی یہ حسد پیدا ہو گیا ہے۔

ف۔ مسلمانوں کے متعلق اہل کتاب کی جس خواہش کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے قرآن کریم کے اور بہت سے مقامات میں بھی اس کا بیان ہوا ہے۔ جیسے کہ

ہو جائیں۔ اس لئے مسلمانوں کو سوالات کرنے سے روک دیا گیا۔ لیکن سوال کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اصول دین کے دریافت کرنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو کبھی نہیں روکا گیا۔ بلکہ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ مسلمان کثرت سے امور دینیہ کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ پس سوالات سے مراد لغو سوال ہیں۔ جن کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ اور جن کی طرف اشارہ کرنے کے لئے كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى کے لفظ بڑھا دئے ہیں یعنے ایسے سوالات مت کرو۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ سے کئے گئے۔

حضرت موسےٰ سے جو سوال کئے گئے تھے ان کا حال قرآن کریم سے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ نساء کی آیت ۱۵۴ میں ایک سوال کا پتہ چلتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً۔

یعنے اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو آسمان سے ایک کتاب ان پر نازل کر دیتے بھی لکھائی آسمان سے نازل ہو جائے) تحقیق انہوں نے موسےٰ سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہمیں خدا تعالےٰ منہ در منہ دکھا دے (تب ایمان لائیں گے۔)

اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ موسےٰ سے کس قسم کے سوالات کئے گئے تھے اور جن کے مشابہ سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو روکتا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ کی آیات ۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲ میں بنی اسرائیل کے چند سوالات کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کئے۔ اور جن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پس اس جگہ مسلمانوں کو جن سوالات کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ امور دینیہ کی تحقیق کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے مراد ایسے سوالات ہیں جیسے حضرت موسےٰ سے کئے گئے۔ اور جو بجائے کسی نفع کے گستاخی کے مرتکب بنا دیتے ہیں اور حق سے انسان کو دُور کر دیتے ہیں۔ اور ضد اور ہٹ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

(ب) وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ یعنے جب ایک شخص کو ایک بات کا حق ہونا معلوم ہو جائے تو پھر اسے سوالات کرنے سے اور ایسی شرائط کے لگانے سے جن کا کوئی فائدہ نہیں سوائے گمراہی میں پڑنے کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

۱۱۰ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یعنے یہ اہل کتاب تو ان تدابیر سے تم کو اسلام سے پھیرنا چاہتے

سورہ آل عمران نمبر ۳ آیت ۶۹ میں فرمایا ہے۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ کہ اہل کتاب کا ایک فرقہ چاہتا ہے۔ کہ تمہیں بدراہ کرے۔ اور وہ بدراہ نہیں کرتے۔ مگر اپنی جانوں کو۔ اور اسی سورت کی آیت ۱۰۰ میں مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۔ کہ مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فرقہ کی اطاعت کرو گے۔ تو تمہیں مومن ہونے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

پس تم معاف کرو اور اعراض کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا حکم - یقیناً اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ۞ ۱۱۰ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا

بڑا قادر ہے ؂ اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ - اور جو کچھ نیکی تم

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اپنے لئے آگے بھیجو گے پاؤ گے اُسے اللہ کے پاس - یقیناً اللہ جو تم کرتے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ ۱۱۱ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ

ہو اُسے دیکھنے والا ہے ؂ اور انہوں نے کہا ہرگز کوئی نہیں داخل ہوگا جنت میں - سوائے ان

كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

کے جو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یہ انکے جھوٹے خیالات ہیں کہہ لاؤ اپنی

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ۱۱۲ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

دلیل اگر تم سچے ہو ؂ ہاں جس کسی نے سپرد کر دیا اپنا آپ

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ

اللہ کے - اور وہ محسن ہو پس اسکے لئے ہے اس کا اجر اسکے رب کے پاس - اور نہیں خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ ع ۱۱۳ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ

ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ؂ اور کہا یہودنے نہیں ہیں

النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

نصارٰے کسی بات پر اور کہا نصارٰے نے نہیں ہیں یہودی

ثلثة ارباع

(ج) فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا یعنے تم ان کی ان حرکات پر ان سے لڑنہ پڑنا بلکہ درگزر سے کام لو - حتی کہ خدا تعالے خود کوئی فیصلہ کی راہ نکال دے چنانچہ ایسا ہی ہوا - اور یہود مدینہ نے زبانی باتوں سے گذر کر سیاسی طریق سے مسلمانوں کو دُکھ پہنچانا چاہا - اور قتل اور خون تک سے پرہیز نہ رکھا تب ان سے جنگ کی اجازت ہوئی - اور خدا تعالے کے فضل سے مسلمانوں کی قلیل جماعت کے ہاتھوں سخت ذلیل ہوئے ؛ ف - عفو اور صفح میں یہ فرق ہے - کہ عفو سزا کے ترک کو کہتے ہیں - اور صفح کے معنے منہ پھیر لینے کے ہیں - اور ان دونوں لفظوں کو جمع کر کے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ یہود کی ان حرکات پر ان کو کوئی سزا نہ دیں - بلکہ یوں بھی سختی سے پیش نہ آئیں - اور بکلی اعراض کریں ؛

ع ۱۳ ۹

؂ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ - - بَصِيْرٌ - چونکہ انسانی فطرت بار بار کی تکلیف کو دیکھ کر بدلہ لینے کی طرف مائل ہو جاتی ہے - اور بعض دفعہ کی شرارت کو انسان برداشت نہیں کر سکتا - اور مسلمانوں کو کامل درگذر کا حکم ہوا تھا - جس پر عمل کرنا عام لوگوں کو مشکل ہوتا ہے - اس لئے فرمایا کہ تم اس مدعا کو حاصل کرنے کے لئے عبادت الٰہی میں ایک طرف مشغول ہو جاؤ تو دوسری طرف بنی نوع انسان کی بہتری کی فکر میں لگ جاؤ - تو اللہ تعالے خود تم کو صبر کی طاقت دیدیگا - اور اگر صبر کرنے سے تمہارا کسی قسم کا نقصان ہو سکتا ہے - تو اس کو بھی وہ پورا کر دے گا - اور تمہارے اعمال ضائع نہ ہوں گے - بلکہ اللہ تعالے کی طرف سے ان کا نیک بدلہ پاؤ گے ؛

؂ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ - یہودی اور مسیحی مذہب صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا - اور جس طرح

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے آئے تھے نہ سب دنیا کو۔ اسی طرح حضرت مسیح بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو ایک جگہ میں جمع کرنے آئے تھے نہ کہ کل دنیا کو

گو مسیح کے بعد لوگوں نے اس کے حکم کے خلاف انجیلی تعلیم کو سب دنیا کے لئے وسیع کر لیا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح سر سے پیر تک ایک اسرائیلی نبی تھا۔ اور اسکی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنی اسرائیل کی حالت کو سنوارنا اور چونکہ دنیا کی دیگر مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق ہے اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے ہدایت کا کوئی دروازہ ضرور کھلا رکھا ہوگا۔ پس یہود اور مسیحی مذہب کا یہ دعوے کہ انکے باہر نجات نہیں۔ ایک غلط دعوے تھا۔ کیونکہ اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ خدا تعالیٰ صرف بعض خاص قوموں کو نجات دیتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے خدا تعالیٰ کا تعلق نسلوں سے نہیں بلکہ دلوں سے ہے۔ اسلئے فرمایا:۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ۔ کہ اگر سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ صرف دعویٰ سے کوئی بات ثابت نہیں ہو جاتی۔ برہان سے مراد دلیل شرعی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد جو ان کی کتاب میں موجود ہو۔ جیسے فرمایا، اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ (بقرہ ۲ آیت ۹۱) اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ۔ سورۃ ن ۶۸ آیت ۳۸ و ۳۹ اسلام پر اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے کہ اول تو اسلام قومی مذہب نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خود قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف ایک رسول بھیجا گیا ہوں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود اپنی نسبت فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء خاص خاص اقوام کیطرف بھیجے گئے تھے۔ اور میں سب دنیا کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ پس عالمگیر مذہب کے بعد کسی اور مذہب کے کھلا رہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نجات ہر ایک شخص کے لئے عام کر دی گئی جو چاہے اُسے حاصل کرے۔ برخلاف پہلے مذاہب کے کہ وہ صرف اپنی قوم کے لئے ہدایت تھے۔ اس لئے مختلف اقوام کو مختلف مذاہب کی ضرورت تھی۔ دوسری وجہ اس اعتراض کے اسلام پر نہ پڑنے کی یہ ہے۔ کہ اسلام ہرگز اسبات کا قائل نہیں کہ دوزخ ابدی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ بلکہ اسلام اسبات پر زور دیتا ہے۔ کہ جنت کے انعامات غیر ختم ہونیوالے ہیں۔ اور دوزخ صرف ایک شفاخانہ ہے۔ جب گنہگار اپنے زنگوں سے پاک ہو جائینگے۔ جنت میں داخل کر دیئے جائینگے۔ اور ان نیک اعمال کی جزا پائینگے۔ جو انہوں نے دنیا میں کئے تھے اور دنیا میں کوئی انسان نہیں جس نے کچھ نیک اعمال کئے ہوں ✦

۵ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ وجہ کے معنے توجہ یعنی الشیٔ اور منہ کے ہوتے ہیں۔ اور اَسْلَمَ لَهٗ کے معنے ہیں کامل طور پر سپرد کر دینے کے۔ اس آیت میں اہل کتاب کے دعوے

کا مقابلہ ہے کہ نجات کے لئے یہودی اور نصاری مخصوص ہیں۔ قرآن کریم نے یہ اصل پیش کیا ہے کہ یہودی یا مسیحی ہونا کوئی چیز نہیں نجات موقوف ہے انسان کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینے پر اور احکام شریعت کو کامل طور پر بجا لانے پر جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ نجات نہیں پا سکتا اور جو ایسا کرتا ہے نجات پا لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مختلف وقتوں میں مختلف مذاہب بھیجے ہیں۔ پس نجات کو یہودیت اور مسیحیت کے ساتھ مخصوص کر دینا کسطرح جائز ہو سکتا ہے۔ ان تمام مذاہب کے وہ پیرو جنہوں نے اپنی خواہش اور ارادہ چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کی وہ نجات پا گئے۔ خواہ وہ ان دونوں مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب کے ہوں۔ جبکہ نجات فضل الٰہی اور رضائے الٰہی سے وابستہ ہے۔ تو جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریگا۔ نجات پا جائیگا۔ اور رضاء الٰہی کے حاصل کرنے کا یہی طریق ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کیطرف سے آئے اُسے قبول کرے یہ نہ کہے میں فلاں بات کو قبول کرونگا۔ اور فلاں کو نہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا۔ یا جیسا کہ آج کل کے مسلمان کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرستادہ نبی وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اور یہ عذر کرتے ہیں۔ کہ جب ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا تو اور کسی کو قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے۔ اس کے قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ نادان انسان کا کیا حق ہے کہ وہ قادر مطلق خدا کے انتخاب یا عمل پر اعتراض کرے ✦

محسن کے جو معنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئے ہیں وہ یہ ہیں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ یعنی محسن تو تب ہو سکتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس معرفت سے کرے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اگر یہ حالت نہ پیدا ہو تو کم سے کم اسقدر معرفت تو ہو کہ تیری عبادت اس خلوص کے ساتھ ہو کہ گویا خدا تعالیٰ تجھکو دیکھتا ہے اس چھوٹے سے فقرہ میں جس معرفت کی طرف انسان کو آپ نے بلایا ہے اس کا اندازہ ہر ایک شخص اپنی کچھ مدت کی عبادت پر نظر کرکے کر سکتا ہے۔ اسلام صرف رسمی ایمان پر ہی خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسے ایمان کی طرف بلاتا ہے جس میں انسان اس درجہ کو حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کا جلال ہر وقت اسکی آنکھوں کے سامنے رہے اور قدیم الایام کے انبیاءؑ اور بزرگوں کی مانند وہ اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھے اور اس کی آنکھوں کی بصارت اس قدر تیز ہو جائے کہ وہ اس نور کو جو سب نوروں کا خالق ہے دیکھنے کے قابل ہو جائے اور یہ اسلام کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو دیگر مذاہب میں نہیں ہے۔ اسلام اسی دنیا میں خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جانے کو اب بھی ممکن قرار دیتا ہے اور ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتا ہے اور اس کے بغیر کامل نجات کو محال قرار دیتا ہے۔

ترتیب و ربط

یہود کے اس منصوبہ کا ذکر کرکے جو وہ غیر سلطنتوں سے کرتے تھے اب نمبر ۱۰۵ و ۱۰۶ میں ان کے دوسرے منصوبہ کا ذکر کرتا ہے جو وہ خود مسلمانوں میں بدامنی اور پھوٹ ڈالنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمان گستاخی میں مبتلا ہو کر انعامات خاصّہ سے محروم ہو جائیں نمبر ۱۰۷ میں بتایا کہ ہم اگر کسی کلام کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر لاتے ہیں پس یہود سوچیں کیا موسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ پر جو کلام نازل ہوتا تھا اس کے اثر اور اشاعت کو کوئی قوم روک سکی تھی جو اب یہ روک لیں گے۔ نمبر ۱۰۸ میں بتایا کہ یہ کلام بادشاہ زمین و آسمان کیطرف سے نازل ہوا ہے اس کی مخالفت کا نتیجہ خطرناک ہوگا۔ نمبر ۱۰۹ و ۱۱۰ میں یہود کی تیسری تدبیر کا ذکر ہے جو وہ رسول اللہؐ کے تباہ کرنے کے لیے کرتے تھے۔ وہ یہ کہ نہایت لغو اور بیہودہ سوالات کرتے تاکہ مسلمان بھی ان کی دیکھا دیکھی اس مرض میں گرفتار ہو جائیں۔ اور آہستہ آہستہ دین الٰہی کی عظمت انکے دلوں سے مٹ جائے۔ خدا نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ دیکھو یہ لوگ حضرت موسیٰؑ سے ایسے سوالات کرکے ہلاک ہو چکے ہیں اب تمہیں غافل اور گستاخ اور کافر بنانا چاہتے ہیں۔ نمبر ۱۱۱ میں ان کے شر سے بچنے کی تدبیر بتائی کہ عبادت میں لگ جاؤ۔

م اور مخلوق کی ہمدردی کرو۔ نمبر ۱۱۲ میں مسیحیوں کا ذکر بھی کر دیا (جو کہ موسوی مذہب کی ایک شاخ تھی مگر یہودیوں سے بالکل الگ ہو چکے تھے۔) اور فرمایا کہ جب خدا نے ایک نیا عہد باندھا ہے اور اس کی کتابوں میں اس کی خبر ہے تو اب اس سے منہ موڑ کر صرف یہودی یا عیسائی کہلانے سے کیونکر نجات ہو سکتی ہے۔ نمبر ۱۱۳ میں ان کے خیالات کو رد فرما کر نجات کا حقیقی ذریعہ بتایا جو خدا کی فرمانبرداری ہے۔

۵ وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ اسلام کی مخالفت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور قرآن کریم پر غور کرنے سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ دشمن کی خوبی کا اقرار کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتا ہے مگر اس کے برخلاف وہ انسانی طبیعتیں جو علم صحیح اور عمل صحیح کے ماتحت درست نہیں ہو چکی ہوتیں وہ حد سے زیادہ محبت اور حد سے زیادہ دشمنی کی طرف مائل رہتی ہیں ان کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ دوست کا عیب ان کو نظر نہیں آتا۔ اور عداوت ایسی ہوتی ہے کہ کسی دشمن کی خوبی ان کو نظر نہیں آتی مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے جھگڑتے اور بحث کرتے ہیں تو اپنے مخالف کی کوئی خوبی تسلیم کرنے کے لیئے تیار نہیں ہوتے بلکہ اس میں تمام دنیا کے عیب جمع پاتے ہیں ایک دوسرے کو قطعی غلطی پر خیال کرتا ہے اور اس کو کسی بات میں بھی حق پر نہیں سمجھتا حالانکہ کوئی ایسا انسان یا ایسا مذہب خیال کرنا جس میں سرے سے کوئی خوبی نہ ہو عقلاً محال ہے۔ جو عیب دار سمجھے جاتے ہیں ان کے عملوں پر غور کیا جائے تو انہیں بھی

کوئی نہ کوئی نیکی ضرور ملے گی اور مختلف مذاہب پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اندر بعض صداقتیں رکھتا ہے اور سچے مذہب کے صرف یہی معنے ہیں کہ جو دوسرے کی نسبت زیادہ خوبیاں رکھتا اور نقصوں سے پاک ہے ورنہ تھوڑی بہت صداقت تو ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ عام طور پر اس اصل کو نہیں سمجھا جاتا جس کا نتیجہ سخت مذہبی عداوت ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اسلام اس کم حوصلگی بلکہ غلط بیانی کا سخت مخالف ہے اور اپنی صداقت کے دعوے کے ساتھ اس بات کا بھی معترف ہے کہ ہر ایک مذہب اپنے اندر کچھ خوبیاں رکھتا ہے اور مختلف مذاہب کے پیرووں کو نصیحت کرتا ہے کہ آپسمیں ایک دوسرے پر اندھا دھند حملہ نہ کیا کریں بلکہ انکی خوبیوں کو بھی دیکھا کریں اور بلا غور و تحقیق مذہبی تعصب کی بنا پر یہ خیال نہ کر لیا کریں کہ دوسرا مذہب سرے پاؤں تک غلط تعلیم ہی دے رہا ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ بالا میں یہود و مسیحیوں کو ملامت کی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اسقدر سخت عداوت رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی کسی خوبی کے قائل نہیں بلکہ تعصب مذہبی سے اندھے ہو کر فریق مخالف کو سراسر غلطی پر خیال کرتے ہیں حالانکہ اور کچھ بھی ہو تو دونوں ایک ہی کتاب کے پڑھنے والے ہیں پس اس ایک خوبی میں تو دونوں مشترک ہیں اگر قرآن کریم کی اس تعلیم پر لوگ عمل کریں تو دنیا میں اسی وقت امن قائم ہو سکتا ہے کیونکہ تمام مذہبی جھگڑوں کی بنیاد اسی غلط فہمی پر ہے لوگ مخالف مذہب پر غور کرنے سے پہلے اس کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور بے رحمانہ حملوں سے بھی باز نہیں رہتے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے پیرووں کے دلمیں بھی اس حملہ آور کے مذہب کی نسبت بغض پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح ٹھنڈے دل سے مختلف مذاہب پر غور کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا اور بلا غور کیئے کے تمام مذاہب کے پیرو صرف دشمنوں کی روایات کی بنا پر دوسرے مذاہب کے عقائد کو بعید از عقل و مجموعہ توہمات اور اس کے احکام کو ناقابل عمل اور دنیا کے امن کے مخل خیال کر لیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان مذاہب سے نفرت کرنے لگتے ہیں لیکن اگر ہمدردانہ غور ہو تو ہر ایک مذہب میں بہت کچھ خوبیاں اور کسی قدر کمزوریاں نظر آئیں گی سوائے اس ایک سچے مذہب کے جو سب نقصوں سے پاک ہے پس اس غور کا لازمی نتیجہ باہمی صلح اور آشتی ہوگا۔ ایک دوسرے مذہب پر ناجائز حملہ کرنے کی عادت اسقدر پڑ گئی ہے کہ اس زمانہ میں وہ ایک شغل خیال کیا جاتا ہے ۞

کھا حالانکہ اس کے نتائج بحیثیت مجموعی کل دنیا کیلئے نہایت خطرناک ہیں پادری سیل اور ریورنڈ ویری کے ترجمہ اور تفسیر کو دیکھکر حیرانی ہوتی ہے کہ شروع سے لیکر آخر تک قرآن کریم پر اعتراض ہی کرتے چلے گئے ہیں اور انکا مطالعہ کرنیوالا حیران ہوتا ہے کہ جس جگہ قرآن کریم بائبل کے خلاف کہتا ہو وہاں تو لکھتے ہیں کہ دیکھو یہ بات تو غلط ہے کیونکہ بائبل کے خلاف ہے پس قرآن کریم جھوٹا ہوا اور جو بات بائبل کے مطابق ہو اس پر لکھتے ہیں کہ دیکھو بائبل کی چوری کی اور یہ طریق استدلال ایسا زبردست ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کا جھوٹا ثابت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں بہر حال قرآن کریم میں کچھ وہ باتیں ہوں گی جو بائبل کے علاوہ ہیں اور کچھ اس کے مطابق ہوں گی دونوں صورتوں میں ان مصنفین کے نزدیک اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا ہے العجب ثم العجب۔

فوائد متعلقہ صفحہ ۱۱۱ - كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ صرف یہود و نصاریٰ میں ہی عیب نہیں بلکہ ہر مذہب کے لوگ جو علم صحیح سے بے بہرہ ہیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حملے کرتے ہیں ۞

عَلٰی شَیۡءٍ ۙ وَّ ہُمۡ یَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ

کسی بات پر۔ حالانکہ وہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے

مِثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ۚ فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا

ان کی بات کی طرح پس اللہ فیصلہ کریگا ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا جس میں

فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ

وہ اختلاف کرتے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو روکے اللہ کی

اللّٰہِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ وَ سَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ

مسجدوں سے کہ یاد کیا جائے ان میں اس کا نام۔ اور کوشش کرے انکی ویرانی کیلئے۔ ان لوگوں کیلئے

مَا کَانَ لَہُمۡ اَنۡ یَّدۡخُلُوۡہَاۤ اِلَّا خَآئِفِیۡنَ ۬ؕ لَہُمۡ فِی

(لائق) نہیں تھا کہ داخل ہوتے ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے

الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰہِ

دنیا میں رسوائی ہے۔ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے [1] اور اللہ

الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ٭ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ

ہی کا ہے مشرق اور مغرب پس جدھر تم منہ پھیروگے ادھر ہی اللہ کی توجہ ہوگی

اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۙ

یقیناً اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے [2] اور انہوں نے کہا اللہ نے بنالیا ہے ایک بیٹا

سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

وہ تو پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسکے فرمانبردار ہیں

[1] وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ۔ اس آیت میں ان تمام قسم کی زیادتیوں اور تعدیوں کو جو ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کے عبادت خانوں یا عبادات کے متعلق کرتے ہیں یکقلم موقوف کر دیا گیا ہے۔ اور سب مذاہب کے پیرووں کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ عبادت خانوں اور عبادتوں کے متعلق اپنے دلوں اور اپنے حوصلوں کو وسیع کریں کیونکہ موجودہ طریق عمل نہایت ظالمانہ اور جابرانہ ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔

وہ ظالمانہ طریق جو عبادتخانوں یا عبادت کے متعلق زمانہ نزول قرآن کے وقت برتے جاتے تھے یا اب بھی برتے جاتے ہیں اور جن سے قرآن کریم منع فرماتا ہے یہ ہیں۔ اول یہ کہ اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر فتح پاتا تو اس کے عبادتخانوں کو گرا دیتا یا مقفل کر دیتا یا اس مذہب کے پیرووں کو انہیں عبادت نہ کرنے دیتا۔ دوم یہ کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اپنی اپنی مساجد میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو عبادت سے روکتے اور ان میں دوسروں کو داخل ہونے تک کی بھی اجازت نہ دیتے۔ یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بڑے زور سے رائج تھیں اور مختلف مذاہب کے پیرووں کی عادت میں داخل ہوگئی تھیں اور اس زمانہ میں یہ عیب نہیں بلکہ حق اور ضروری سمجھی جاتی تھیں اور تاریخ عالم بتاتی ہے کہ یہ اس زمانہ کی ایجاد نہ تھی بلکہ ہمیشہ سے دنیا انہی امور کی خوگر چلی آتی تھی۔ اس لئے کسی انسان کی طبیعت انپر گھبراتی نہ تھی اس زمانہ میں بھی ایک یا دوسری شکل میں یہ سب باتیں دنیا میں رائج ہیں اور گو علوم کی ترقی نے عبادتخانوں کو گرا دینا یا انکو بند کر دینا بعض ممالک سے اٹھا دیا ہے (گو

بعض ممالک میں اس کا اب تک رواج ہے) لیکن اپنی عبادت گاہوں میں دوسرے مذاہب کو عبادت کرنے کی اجازت نہ دینا تو اس زمانہ میں بھی ایک عام بات ہے ایک مسیحی گرجا میں ایک مسلمان کو اور ایک یہودی گرجا میں ایک مسیحی کو اور ایک ہندوؤں کے مندر میں ایک مسیحی کو اور ایک پارسیوں کے صومعہ میں ایک ہندو کو اپنی عبادت کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی اور اگر کوئی ایسا کرے تو یورپ کے علوم و فنون سے آگاہ ممالک سے لے کر افریقہ کے نیم وحشی قبائل تک کے لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے بلکہ بعض تو اپنے عبادتخانوں میں دوسرے کو داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دیتے قرآن کریم اس ظالمانہ کارروائی سے روکتا ہے اور بتاتا ہے کہ گو خیالات متفرق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں اختلاف ہے لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کو اس شہنشاہ کے نام لینے اور اس کی عبادت کرنے سے روکنا یا مساجد میں کسی کو نہ آنے دینا اور اس طرح ان کو ویران کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا بلکہ ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ ہر ایک مذہب کے پیروؤں کو خواہ مفتوح ہوں یا فاتح اپنی مساجد کے استعمال کی کامل آزادی ہونی چاہیئے اور اگر ایک مذہب کے عبادتخانہ میں دوسرے کسی مذہب کا کوئی انسان اپنے طریق پر خدا تعالیٰ کا نام لینا چاہے اور اس کی عبادت کرنا چاہے تو اسکو روکنا نہیں چاہیئے کیونکہ مساجد ایک ایسا مقام ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں پس ان میں انسان کو ڈر کر کام کرنا چاہیئے اور جو لوگ اس بات کی پروا نہ کرینگے اور اس عمل میں غلو سے کام لیں گے اس دنیا میں بھی ان کو عذاب دیا جائیگا اور آخرت میں بھی وہ سزا سے نہیں بچ سکتے۔

ف۱ یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن کریم نے مختلف مذاہب کے معبدوں کے احترام اور ان کی عبادت کے متعلق دی ہے کسی اور مذہب کی تعلیم کو اس سے ملا کر دیکھو اور مقابلہ کرو کہ وہ کونسی تعلیم ہے جو ایک طرف تو عقل اور فہم کے بالکل مطابق ہے اور دوسری طرف دنیا میں امن و امان قائم کرنے والی ہے اس تعلیم کے ہوتے ہوئے اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ایک متعصب مذہب ہے مگر یہ اعتراض تبھی قابل قبول ہو سکتا ہے کہ اس سے بڑھکر عمدہ اور لطیف تعلیم دنیا میں کسی اور مذہب کی طرف سے پیش کیجائے۔ ورنہ زبانی اعتراض تو ہر مذہب کے لوگ دوسروں پر کر سکتے ہیں دعویٰ بلا دلیل بجائے نفع دینے کے عقلمندوں کی نظر میں آدمی کو ذلیل کر دیتا ہے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ وسعت حوصلہ جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے اس کا مقابلہ کوئی مذہب نہیں کر سکتا یہی مساجد کا حکم ہے اس میں کس طرح تمام مذہبی لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا انسان جس نے اسپر عمل کیا ہے وہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نجران کے مسیحیوں کو اپنی مسجد میں گرجا کرنیکی اجازت دی۔

ف۲ بالآخر مسلمانوں کو بھی نصیحت کی جاتی ہے کہ اپنے اعمال پر غور کریں کہ کیا وہ اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں جو قرآن کریم دیتا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا یا اس کے خلاف اپنے خود ساختہ اصول پر اسوقت سوائے احمدی جماعت کے اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کونسا فرقہ ہے جو اپنے عمل سے دنیا کو اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو صلح و آشتی پھیلانیکا ذریعہ ہے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اسوقت مسلمان کہلانیوالے لوگ دوسرے مذاہب کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر قدم رکھ رہے ہیں اور غیر مذاہب تو الگ رہے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو اپنی مسجد میں نماز کی اجازت نہیں دیتا مساجد خوف خدا کے اظہار کی جگہ کی بجائے جھگڑوں اور فسادوں کا مقام بنگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم ہی کوئی نہیں جو مساجد میں ذکر الٰہی سے روکتا ہے اگر وہ غور کریں تو ان کو اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام اور اس کے مخالفوں کے اختلاف میں حق پر کون ہے قرآن کریم میں مَنْ اَظْلَمُ تین گروہوں کے متعلق ہے ایک جو جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرے دوسرے وہ جو ایسے شخص کا منکر ہو اور آیات اللہ کی تکذیب کرے تیسرے جو مساجد سے روکے اب غیر احمدیوں اور مسیح موعودؑ کا اختلاف ہے اور سوال یہ ہے کہ آیا مسیح موعودؑ نے جھوٹا دعوائے نبوت کیا ہے (نعوذ باللہ) یا غیر احمدی ایک سچے نبی کے منکر ہیں دونوں میں سے ایک مَنْ اَظْلَمُ میں ضرور شامل ہے

سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے؟ اس تیسری آیت نے اس سوال کا جواب دیدیا۔ مساجد سے روکنے والے غیر احمدی ہیں۔ پس اس آیت نے اِنَّ مَنْ اَظْلَمُ کا فیصلہ لگا دیا۔ اور مسیح موعود کی صداقت پر گواہی دیدی۔

عہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ وجہ کے معنے عربی میں تین ہیں اول منہ دوم توجہ سوم عین الشیء۔ سو اس آیت کا ترجمہ تین طریق پر ہو سکتا ہے اول یہ کہ جس طرف تم پھروگے اسی طرف اللہ کا منہ ہے یعنی وہ خبردار اور دیکھنے والا ہے دوم یہ کہ جس طرف پھروگے اسی طرف اللہ کی توجہ پاؤگے سوم یہ کہ جس طرف پھروگے وہیں اللہ کو پاؤگے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو جو سب سے زیادہ مذہبی تعصب کے سبب سے دکھ پا رہے تھے اور ہر ایک مذہب کے لوگ ان پر حملہ آور تھے اور انکو اپنی مساجد میں داخل ہونے نہ دیتے تھے تسلی دی ہے کہ لوگوں کے تعصب سے گھبراؤ نہیں اسوقت تم بوجہ کمزوری دکھ پا رہے ہو لیکن چونکہ مشرق و مغرب خدا تعالیٰ کا ہی ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم جس طرف رخ کروگے اسکی مدد اور نصرت تمھارے ساتھ ہوگی اور اپنی قدرت سے وہ تم کو دنیا میں غلبہ دیگا پس اس درمیانی تکلیف سے گھبراؤ نہیں۔

ع۳ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا..... كُنْ فَيَكُوْنُ مسیح علیہ السلام کے پیرو ان پر ایک مدت کے بعد جب روم و یونان کے لوگ انہیں داخل ہونے شروع ہوئے اپنے مذہب کو ان ممالک کے رائج خیالات کے مطابق کرنے کیلئے مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور تثلیث کی تعلیم دینی شروع کی اور اس میں انکو اس بات سے اور بھی مدد مل گئی کہ محاورہ یہود کے مطابق مسیح کی نسبت ابن اللہ کا لفظ انجیل میں موجود تھا لیکن درحقیقت یہ ایک خلاف منشاء مصنف معنی تھے کیونکہ یہود میں ابن اللہ کے معنے خدا کا پیارا یا اس کے نبی کے تھے اور یہ لفظ متفرق مقامات میں دوسروں کیلئے استعمال ہوا ہے مسیح کی خصوصیت نہیں لیکن بہرحال یورپ کی طاقتور اقوام کی ہمدردی کے حاصل کرنے کیلئے اس لفظ کے ایسے معنے کر دیئے گئے جو دراصل درست نہ تھے۔ قرآن کریم اس خیال کا سخت مخالف ہے اور بار بار مسیحیوں کو اس ناقص تعلیم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس نے مختلف مقامات میں مختلف دلائل سے اس خیال کی غلطی کو ظاہر کیا ہے اس جگہ بھی اس خیال کی لغویت کے متعلق کئی دلائل دیئے ہیں اول دلیل یہ دی ہے کہ سُبْحٰنَهٗ۔ وہ تمام نقصوں سے پاک ہے اور ولد ماننے سے اسمیں نقص ماننا پڑتا ہے کیونکہ ولد یا ابن اگر اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہو تو اسکے معنے یہ ہیں کہ وہ انسان جو اسکے نطفہ سے پیدا ہوا اور اس میں کئی نقائص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے پڑتے ہیں اول اسمیں شہوت کا وجود ماننا پڑتا ہے دوم بیوی کی طرف احتیاج۔ تیسرے خرق کیونکہ بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اگر حقیقی معنوں میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا تب مسیح کو بوجہ ابنیت الوہیت کا حقدار نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ ابنیت بھی الوہیت کا

۴ مستحق بناتی ہے جبکہ حقیقی معنوں میں ہو۔ دوم مسیح کی خصوصیت نہیں مجازی معنوں میں ابن کا لفظ مسیح کے سوا دوسروں کی نسبت بھی استعمال ہوا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جب ایک سے زیادہ اشخاص کیلئے ایک لفظ استعمال کیا گیا ہو اور سب کی نسبت حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہو تو بلا وجہ ایک کی نسبت اس لفظ کی کوئی اور تشریح کیجاوے اور دوسروں کی نسبت اور۔ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہوگی جو جائز نہیں فرض الوہیت کے ثبوت کیلئے اگر ابنیت اپنے حقیقی معنوں میں ہو تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ میں نقائص تسلیم کرنے پڑتے ہیں جو کہ خلاف عقل ہیں کیونکہ علاوہ اسکے کہ خدا تعالیٰ نقائص سے پاک ہے اس سے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ خدا تعالیٰ مخلوق اور فانی ہے کیونکہ نقص کے لیئے حدوث اور فنا ضروری ہیں علاوہ ازیں ابن کا ہونا اسکی پاکیزگی کے اسوجہ سے بھی خلاف ہے کہ قانون قدرت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ توالد اور تناسل بلکہ زیادتی کا سلسلہ انہی اشیاء میں جاری ہے جو فنا ہوتی ہیں اور جو اشیاء کہ اسوقت تک کہ انکی حاجت ہے فنا نہیں ہوتیں انمیں یہ سلسلہ نہیں جیسا کہ انسان مرتا ہے اسکی نسل بھی پیدا ہوتی ہے درخت خشک ہوتے ہیں انہیں بھی زیادتی کا ایک سلسلہ جاری ہے حیوانات مرتے ہیں انہیں بھی تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ زمین اور ستارے اپنی مقدرت کے ایام تک فنا سے بچے ہوئے ہیں ان میں توالد تناسل یا زیادتی بھی نہیں۔ پس اگر ابن اللہ کا وجود تسلیم کیا جاوے تو اللہ تعالیٰ میں فنا بھی ماننی پڑیگی۔

۲ دوسری دلیل ابنیت کے بطلان میں یہ دی کہ اللہ تعالیٰ کو ابن کی ضرورت ہی نہیں اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ کسی کو ابن بناتا۔ اب نقائص سے تو وہ بری ہے آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسکے قبضہ میں ہے کسی نئے ملک کے فتح کرنے کا وہ محتاج نہیں سب کچھ اسی کا ہے پس کسی جتھے کا محتاج نہیں کہ بیٹے بنا کر اپنی حکومت بڑھائے

۳ تیسری دلیل یہ کہ سب اشیاء اسکی فرمانبردار ہیں انسان بیٹوں کے اسلیئے محتاج ہوتے ہیں کہ اپنی جائداد کا انتظام نہیں کر سکتے اسلیئے جوان بیٹوں کی ضرورت پڑتی ہے [illegible] ضرورت نہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا

بغیر کسی نمونہ سابق کے بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب ارادہ کر لیتا ہے کسی بات کا

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝١١٧ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

تو بس کہدیتا ہے اسے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ؎۱ اور کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا آتا ہمارے پاس کوئی نشان۔ اسی طرح کہا ان لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ

جو ان سے پہلے تھے ان کی بات کی طرح ایک دوسرے سے مشابہ ہو گئے انکے دل۔ تحقیق

بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝١١٨ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں آیتیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ؎۲ یقیناً ہم نے بھیجا ہے تجھے حق دیکر

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝١١٩

بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا۔ اور تو نہیں پوچھا جائے گا دوزخ والوں کی بابت ؎۳

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور ہرگز خوش نہیں ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ ہی نصاریٰ۔ جب تک کہ تو پیروی کرے

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

ان کے دین کی۔ کہہ یقیناً اصل ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے ؎۴ اور اگر تو پیروی کرے گا

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ان کی خواہشوں کی۔ اس کے بعد جو آیا تیرے پاس علم۔ نہیں ہو گا تیرے لئے اللہ کی طرف سے

؎۱ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اگر کہو کہ ابتدائے خلق میں اس کو حاجت تھی کہ پیدائش کے کام میں اس کا کوئی مددگار ہو تو یہ بھی درست نہیں۔ خدا تعالیٰ ہی سب اشیاء کا خالق ہے اس لیئے کسی بیٹے کا محتاج نہیں اور جب وہ کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرے تو کہتا ہے کہ یوں ہو جا اسی طرح ہو جاتا ہے آخری دلیل میں ان مسیحی فرقوں کے اس خیال کا رد کیا ہے جو مسیح کو خالق ارض و سما خیال کرتے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی خالق ہے کیونکہ اسکی طاقتیں وسیع ہیں اور اس میں پیدا کرنیکی طاقت موجود ہے پس اس میں اس طاقت کے ہوتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ دنیا کی پیدائش کے لیئے اس نے مسیح کو پیدا کیا ایک لغو خیال ہے اور یا تو خدا تعالیٰ کو معذور ماننا پڑتا ہے یا ایک بلا ضرورت کام کا فاعل جو دونوں صورتیں جائز نہیں۔ بدیع کا لفظ اس آیت میں قابل تشریح ہے عربی زبان میں بدع کے معنے ہیں اَنْشَأَهٗ وَبَدَاَهٗ یعنی کوئی ایسی چیز پیدا کی کہ اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔ اسی شخص نے اس کے وجود میں لانے میں ابتداء کی ہے یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ اسلام کل مادہ اور ارواح کو مخلوق اور حادث بتاتا ہے نہ کہ ازلی غیر حادث۔

؎۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ جب کسی شخص سے کوئی جواب بن نہ آئے تو وہ آگے سے ایسا عذر تلاش کرتا ہے جس پر بحث ختم ہو کر اس کا پیچھا چھوٹے سچے نبیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے یہ طریق اختیار کیا جاتا رہا ہے جب انکے مخالفوں کو ان سے بحث کرنے

میں ندامت ہوئی ہے فوراً انہوں نے ایسے مطالبات پیش کر دیئے ہیں کہ جن کی نسبت انکو یقین ہو کہ ایک یا دوسری وجہ سے انکا پورا ہونا ناممکن ہے کبھی تو سنت اللہ کے خلاف کسی بات کا مطالبہ کر دیتے ہیں کبھی کسی دیر میں ہونے والی بات کو فوراً پورا کر دینے کا مطالبہ کرتے ہیں کبھی ایسے امر کا مطالبہ کرتے ہیں جو خلاف شان الٰہی ہوتا ہے اور علاوہ اس قسم کے مطالبات کے یہ جواب بھی دیا کرتے ہیں کہ اچھا ہم لوگ جھوٹے ہیں تو عذاب الٰہی کیوں نہیں آیا۔ ہم پر عذاب الٰہی نازل ہو تب ہم مانیں گے ورنہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سلوک میں دوسرے نبیوں سے مستثنٰے نہ تھے بلکہ جس قدر آپکا درجہ بلند تھا اسی قدر آپ کے دشمنوں نے زیادہ غیر معقولیت کے ساتھ معاملہ کیا جب انکو کوئی جواب نہ آتا تو قسم قسم کے سوال کرتے جن میں سے دو اس جگہ بیان کیئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ اگر سچے ہو تو خدا تعالیٰ ہم سے خود کلام کرے اور ہم سے کہے کہ یہ شخص سچا ہے اسکو مان لو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی نبی کے زمانہ میں یہ نہیں کیا کہ ملک کے ہر ایک آدمی کو الہام کیا ہو کہ فلاں شخص سچا ہے بے شک یہ تو ہو جاتا ہے کہ بعض اشخاص کو نبیوں کا حق پر ہونا خدا تعالیٰ بتا دیتا ہے مگر سب لوگوں کا بتانا اس کی سنت کے خلاف ہے اور جن کو بتاتا ہے ان کی شہادت سے لوگ فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ ان پر بھی لوگ الزام لگا دیتے ہیں کہ یہ بھی منصوبوں میں شامل ہیں پھر سب کو الہام ہونا اس لیئے بھی بے فائدہ ہے کہ ایمان تبھی مفید ہوتا ہے جبکہ انسانی کوشش سے حاصل ہو اگر خدا تعالیٰ سب پر نازل ہو تو پھر ایمان کا کوئی فائدہ نہیں اور انسان کی پیدائش کی اصل غرض فوت ہو جاتی ہے اور دوسری مخلوق اور انسان میں کچھ فرق نہیں رہتا پس فرمایا کہ جاہل لوگ سنت اللہ کے واقف نہیں اور نہیں جانتے کہ ایمان کس صورت میں نافع ہوتا ہے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے کلام کرے حالانکہ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو پہلے ان نبیوں سے بھی ہوتا رہا ہے جن کو یہ مانتے ہیں لیکن انہوں نے اسے پورا نہ کیا پھر یہ اس نظیر کے موجود ہوتے ہوئے اس رسول سے کیوں ایسا مطالبہ کرتے ہیں درحقیقت انکے دل پہلے انبیاء کے منکرین کے دلوں کے مشابہ ہو گئے ہیں

دوم مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی آیت دکھاؤ اس کا جواب یہ دیا کہ ایسی آیات تو ہم دکھا چکے ہیں جن سے اگر کوئی فائدہ اُٹھانے والا انسان ہو تو فائدہ اُٹھا سکتا ہے لیکن جن لوگوں نے ضد سے کام لینا ہو اور ہٹ پر قائم رہنا ہو ان کا کوئی علاج نہیں۔

ف اسجگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ۴

۴ قرآن کریم میں جہاں تو آیت کا لفظ اللہ تعالیٰ۔ اسکے نبی۔ اور مومنوں کی طرف سے استعمال کیا گیا ہے تو اسکے معنے عام ہوتے ہیں یعنی کوئی نشان جو کسی صداقت پر دلیل ہو خواہ وہ عذاب ہو خواہ انعام خواہ کوئی ایسا نشان ہو جو ان دونوں قسموں سے نہ ہو اور صرف ایک علامت کے طور پر ہو لیکن جب کفار کے منہ سے یہ لفظ بیان کیا گیا ہے تو اس کے معنے ہمیشہ عذاب کے ہوتے ہیں یعنی کفار عذاب کا نشان مانگتے ہیں اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ نبیوں کے منکر عام طور پر عذاب الٰہی کا ہی مطالبہ کرتے چلے آئے ہیں اسوقت بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر اکثر یہی سوال کیا کرتے ہیں کہ اگر وہ سچا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا گویا ان لوگوں کے نزدیک عذاب ہی صرف ایک نشان ہے جو کسی کی صداقت ثابت کر سکتا ہے غرض کفار کی طرف سے آیت کا سوال جب مذکور ہو تو اس کے معنے عذاب کے ہوتے ہیں جیسا کہ سب وہ آیات جن میں یہ مطالبہ کفار کی طرف سے ہوا ہے اس بات پر شاہد ہیں مثال کے طور پر چند آیات کے حوالہ دئے جاتے ہیں جن پر غور کرنے سے ہر ایک شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے (انعام نمبر ۶ آیت ۳۹ و طٰہٰ نمبر ۲۰ آیت ۱۳۴ تا آیت ۱۳۶)
اس جگہ بھی کفار کی طرف سے جو آیت کا مطالبہ ہے اس کے معنے بھی عذاب کے ہیں۔ کفار طلب کرتے ہیں

کیلیئے کیا گیا ہے اس بات کے بتانے کیلیئے کہ اللہ تعالی کسی انسان کا بیجا لحاظ نہیں کرتا اگر حق کے خلاف کوئی شخص کام کرے اور خدا کے حکموں کے خلاف انسانوں کی خواہشات کے مطابق عمل کرے تو اسکو کسی کی پرواہ نہیں خواہ وہ کوئی ہو پس ہر ایک شخص کو اس معاملہ میں نہایت محتاط رہنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ تباہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ جب ہم اس رسول کی نسبت یہ حکم دیتے ہیں تو دوسرا انسان کیا حیثیت رکھتا ہے کہ اسکا لحاظ کرینگے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ انکی نسبت یہ کہا جائے کہ شائد وہ بھی خدا تعالی کے حکم کے خلاف کریں اللہ تعالی قرآن کریم میں آپ کی نسبت بیان فرماتا ہے کہ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران آیت ۳۱) یعنی کہ اے رسول اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالی تم سے محبت کرنے لگیگا اور اسی طرح فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ع۳۳ آیت ۲۲ تمہارے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نیک نمونہ ہے یعنی اگر نیک اور پاک ہونا چاہتے ہو تو اس شخص کے اعتقاد و اقوال و اعمال کی پیروی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نقص سے پاک تھے آپکو مخاطب صرف امت کی تنبیہ کے لیئے کیا گیا ہے چنانچہ توریت میں بھی اس طریق کو اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ استثناء باب ۱۸ آیت ۲۱ و ۲۲ میں لکھا ہے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈر۔

کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا اس کا اول جواب تو یہ دیا کہ عذاب تو تم صداقت کے معلوم کرنے کے لیئے مانگتے ہو اور ایسے آیات بہت ظاہر ہو چکے ہیں جو اس رسول کی صداقت ثابت کرنے کے لیئے کافی ہیں بشرطیکہ تمھاری نیت ماننے کی ہو اور صرف ضد اور تعصب سے کام نہ لیتے ہو باقی رہا عذاب کا آنا سو اس کے متعلق بھی گھبراؤ نہیں وہ بھی آجائیگا۔

۳ھ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا - اس آیت میں انکے عذاب کے مطالبہ کو قبول کرکے جواب دیا ہے کہ اے رسول جب تو سچا رسول ہے تو ضرور ہے کہ تیرے دشمنوں پر عذاب آئے کیونکہ رسول سب بشیر و نذیر ہوتے ہیں ان کا بڑا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالے کے احکام کے ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب کی خبر دیدیں پس اس سنت کے مطابق تیرے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے بھی سلوک ہوگا عذاب کے آنے سے ہم انکار نہیں کرتے عذاب بھی ضرور آئیگا چنانچہ سب دنیا جانتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور مخالف اسی دنیا میں سخت رسوا اور ذلیل کیئے گئے حالانکہ دنیاوی حالات ان لوگوں کی تائید میں اور آپکی مخالفت میں تھے۔

۴ھ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ میں اصل وجہ اختلاف کی بتائی کہ یہود و نصاریٰ تو اس وقت تک تم سے خوش نہ ہونگے جب تک تم ان کی بات نہ مان لو اور یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ تم کو اللہ تعالی نے خود صداقت کی طرف ہدایت فرمائی ہے پھر جبکہ یہ لوگ رسمی ایمان رکھتے ہیں اور ان کے ایمان کی بنا نسلی تعصبات پر ہے نہ کہ دلائل و براہین پر۔ اپنے دین پر صرف اپنا دین سمجھ کر قائم ہیں اور باوجود صداقت کے پیش کرنے کے اسے قبول نہیں کرتے تو جو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہے مشاہدہ کے بعد صداقت کو کب چھوڑ سکتا ہے پس انکو کہدے کہ ان رسمی ایمانوں کو ترک کرو اور خدا تعالی کیطرف سے جو ہدایت ثابت ہو جائے اسے قبول کرو کہ اصل ہدایت وہی ہے جو خدا تعالی کیطرف سے آئے نہ وہ جو انسان تجویز کرے۔

(ب) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم میں گو بظاہر مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں لیکن مراد آپکی جماعت کے لوگ ہیں اور آپ کو مخاطب صرف زور دینے کے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۲۰ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ

کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار جن کو ہمنے کتاب دی ہے۔ وہ پیروی کرتے ہیں اسکی

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

جیساکہ اسکی پیروی کرنی چاہیے یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اسپر اور جو شخص انکار کرے اسکا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۲۱ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا

پس وہی خسارہ پانے والے ہیں ط۵ اے اسرائیل کی اولاد یاد کرو

۱۲۲

نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

میری نعمت جو مینے عطا کی تمہیں اور یہ کہ مینے فضیلت دی تمہیں جہانوں پر

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ

اور ڈرو اس دن سے کہ نہیں کام آئیگا کوئی کسی کے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائیگا

۱۲۳

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

اس سے کوئی معاوضہ اور نہ نفع دیگی اسے کوئی سفارش اور نہ انکی مدد کی جائے گی۔ سکتہ

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ

اور جب امتحان لیا ابراہیم کا اسکے رب نے چند حکموں سے۔ بس اسنے پورا ادا کیا انہیں۔ فرمایا میں

جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ

بنانے والا ہوں تجھے لوگوں کا امام۔ اس نے کہا اور میری نسل میں سے بھی! فرمایا

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ

نہیں پہنچتا میرا عہد ظالموں کو سکتہ ع۵ اور جب ہمنے بنایا اس گھر (کعبہ) کو سکتہ

ع ۹
۱۴

ل اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اس آیت نے اس بات پر اور بھی روشنی ڈالدی ہے کہ اوپر کی آیت میں اصل مخاطب مسلمانوں کی جماعت ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ مومن کا کام یہ نہیں کہ حق کھل جانے پر بھی لوگوں کی اہواء کی پیروی کرے بلکہ مومن تو اس کتاب پر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملی ہے۔ پورے طور پر عمل کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگ بلا خوف لومۃ لائم صداقت کی اتباع کرتے ہیں وہی اصل مومن بھی کہلا سکتے ہیں اور ایسے شخص جو صداقت کو سمجھکر پھر اس کو ترک کر دیں۔ اور اھواء الناس کی پیروی کریں وہ نقصان اٹھانے والے ہی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے اس جگہ مسلمان مراد ہیں۔ جیساکہ مضمون سے ظاہر ہے قتادہ رئیس التابعین کا بھی یہی قول ہے۔ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کے معنے اتباع کرتے ہیں اسکی پوری پوری۔ لفظ تلا انہی معنوں میں سورۃ الشمس میں استعمال ہوا ہے جہاں فرمایا ہے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا (آیت ۳ ع ۹) اور قسم ہے چاند کی جو سورج کی اتباع کرتا ہے۔ یہ معنے حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمر سے مروی ہیں اور عکرمہ اور عطاء اور مجاہد اور ابی رزین اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

(ب) اگر آتیناھم الکتاب سے مراد اہل کتاب لئے جائیں جو عالم باعمل ہیں تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ جو بھی پہلی کتاب کا غور سے مطالعہ کریں گے۔ ضرور ہے کہ وہ قرآن کریم کو بھی مانیں کیونکہ یہ ان کی کتابوں کی پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالا ہے۔

اور جن معیاروں سے اُن کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اُن ہی معیاروں سے اُس کی صداقت دیکھ سکتے ہیں۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ میں بتایا کہ اِس کے نہ ماننے سے اُن کی اپنی کتاب کا نقصان ہے کیونکہ جو حصہ قرآن مجید کا اِس کتاب کے موافق ہے وہ ترک کرینگے تو دراصل اُن کی اپنی کتاب اور اپنے ہی ایمان کا خسارہ ہے۔

ترتیب وربط

نمبر۱۱۴ میں یہود و نصاریٰ کی ایک اور بدی بیان فرمائی کہ یہ ایک دوسرے کو ازراہ تعصب وضد بُرا کہتے ہیں اور اُن کی کسی خوبی کے بھی قائل نہیں۔ حالانکہ ایک کتاب کو ماننے کی وجہ سے ان میں کچھ باتیں مشترک بھی ہیں۔ نمبر۱۱۵ میں بتایا کہ ان کا بغض اسقدر بڑھ گیا ہے کہ ایکدوسرے کو عبادت کرتے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مقدس مقامات میں گھسنے نہیں دیتے حالانکہ عبادتخانوں کے معاملہ میں نہایت خوف سے کام لینا چاہئیے۔ نمبر۱۱۶ میں مسلمانوں کو بتایا کہ اُن کی مخالفت سے مت ڈرو یہ مورد غضب اِلٰہی ہو رہے ہیں۔ جدھر تمہاری توجہ اُدھر ہی اسکی توجہ ہے نمبر۱۱۷ میں یہودی مذہب کی شاخ مسیحی کی بُرائی بھی بتادی تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ اُن میں نبی کیوں پیدا نہ ہوا اور کیوں وہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت سے محروم ہیں۔ نمبر۱۱۸ میں ابنیت کے غلط مفہوم کی تین دلائل سے تردید فرمائی۔ نمبر۱۱۹ میں اُن کے دو اعتراضوں کے جواب دیئے اول اس کا کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو خدا بذریعہ الہام ہمیں کیوں آگاہ نہیں کرتا۔ دوم اس کا کہ ہم پر باوجود مخالفت کے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ نمبر۱۲۰ میں بتایا کہ ہر رسول بشیر اور نذیر ہوتا ہے پس عذاب تو ضرور آئیگا۔ نمبر۱۲۱ میں اصل وجہ مخالفت کی بتائی کہ اُن کی خواہشات کے مطابق تمہاری تعلیم نہیں۔ اِس کا جواب دیا ہے کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر خدا قائم کرے پس جو ہدایت کو دیکھکر پھر گمراہی کی طرف جُھکیگا وہ سزا پائیگا۔ نمبر۱۲۲ میں فرمایا وہ مخلصین جماعت جو اہل قرآن کہلائینگے مستحق ہیں وہ اُن کے خوش کرنیکے لئے کبھی تعلیم اسلام کو نہیں بیچینگے۔ سچے مومن بھی ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو باطل کی طرف نہ جُھکیں یہی انعامات کے وارث ہونگے۔

۱۲۳ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ۔ اِس پارہ کی آیت ۴۹ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے لیکن اِس جگہ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ہے اور اِس آیت میں الفاظ اور ترتیب میں فرق کر دیا گیا ہے اور بجائے اِس کے لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ فرمایا ہے اِس میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ پہلے موقعہ پر شفاعة کا ذکر عدل سے پہلے اِس لئے کیا گیا ہے کہ اِنسان بالطبع اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں پہلے ایسا طریق اختیار کرتا ہے جس میں کچھ خرچ نہ ہو اور اگر بغیر بدلہ کے کام نہ چلے تب بدلہ دینے پر راضی ہوتا ہے اِس لئے پہلے مقام پر اِس طبعی ترتیب کو اختیار کیا گیا اور شفاعة کا ذکر عدل سے پہلے کیا لیکن چونکہ اسکے بعد بنی اِسرائیل کی بہت سی غلطیوں کو بیان کیا گیا ہے خصوصاً انبیاء سے جو انہوں نے مقابلہ کیا ہے تو اب شفاعت پر اُن کو زیادہ گھمنڈ نہیں ہو سکتا بلکہ یہی خیال ہو سکتا ہے کہ کوئی بدلہ لیکر چھوڑ دے تو شفاعة کی طرف سے اُن کو ایک حد تک نا اُمیدی ہو چلی تھی اِس لئے اِس جگہ عدل کو پہلے رکھا ہے اور شفاعة کو بعد میں اِسی طرح مایوسی کے کمال کو ظاہر کرنے کے لئے یؤخذ کی جگہ عدل کے ساتھ یقبل کا لفظ رکھا گیا کیونکہ یؤخذ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں کہ کوئی دے تو لیلے یا یہ کہ وہ نہ دے مگر خود اُس سے لیلے اور یقبل کا صرف یہی مفہوم ہے کہ وہ دے تو لیلے پس یقبل میں یہ اشارہ کیا کہ وہ تو چاہینگے کہ بدلہ لیا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ نہیں قبول کریگا اِسی طرح شفاعة کے لئے پہلی آیت میں لا یقبل کا لفظ رکھا ہے اور اِس جگہ لا تنفعہا کا اِس میں یہ حکمت ہے کہ لا یقبل جیسا کہ ابھی بتایا گیا یہ دلالت کرتا ہے کہ ایک دے تو دوسرا نہ لے اور لا تنفعہا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ شفاعة پیش کرے یا نہ کرے بلکہ اگر اِس کے بغیر پیش کرنے کے کوئی شفاعت کرے اور وہ قبول نہ ہو تو اُس کے لئے لا تنفعہا کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ پس اب جبکہ بنی اِسرائیل کے سامنے اُن کی تاریخ ابتداء سے انتہا تک پیش کر دی گئی تو اُن کے دل میں بالطبع اب یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ ہم انبیاء سے سفارش کروائینگے جیسا کہ اِس ذکر سے پہلے ہو سکتا تھا ہاں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ہمارے انبیاء باوجود ہماری سرکشیوں کے سفارش کر دینگے اِس لئے اِس خیال کے رد کے لئے لا تنفعہا اِس مقام پر رکھا گیا کہ اگر وہ شفاعت کر بھی دیں تب بھی قبول نہ ہوگی۔ یہ آیت اور ایسی تمام آیات جو قرآن کریم میں مختلف مقامات میں بہ تغیر الفاظ و ترتیب آتی ہیں قرآن کریم کے بے نظیر کلام ہونیکا ایک بہت بڑا ثبوت ہیں کیونکہ جب غور کیا جائے تو وہ خفیف سے لفظی یا ترتیبی تغیرات جو بظاہر معمولی معلوم ہوتے ہیں عظیم الشان معانی اور انسانی فطرة کی نہایت لطیف تشریح پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ه وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ - ابتلیٰ کے معنے ہیں - اسکا حال معلوم کیا یا اسکی خوبی یا بدی کو ظاہر کیا - اسجگہ دوسرے معنے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں - جیسا کہ مفردات راغب برحاشیہ نہایہ کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے - فَاِذَا قِيْلَ فِي اللّٰهِ تَعَالٰى بَلٰى كَذَا وَاَبْلَاهُ فَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنْهُ اِلَّا ظُهُوْرُ جَوْدَتِهٖ وَرَدَاءَتِهٖ دُوْنَ التَّعَرُّفِ لِحَالِهٖ وَالْوُقُوْفِ عَلٰى مَا يُجْهَلُ مِنْ اَمْرِهٖ اِذْ كَانَ اللّٰهُ عَلَّامَ الْغُيُوْبِ وَعَلٰى هٰذَا قَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ - کلمات جو کلمہ کی جمع ہے قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسجگہ اسکے معنے حکم کے ہیں (کلمہ حکم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے دیکھو مفردات راغب کلمہ کے نیچے) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کئی احکام دئے - انہوں نے انکو کما حقہ پورا کیا جس کے بدلے میں ان کو اللہ تعالیٰ نے امام (اَلْمُؤْتَمُّ بِهٖ اِنْسَانًا كَانَ يُقْتَدٰى بِقَوْلِهٖ اَوْ فِعْلِهٖ اَوْ كِتَابًا یعنی جسکی اتباع کیجاوے خواہ انسان ہو کہ اس کے قول یا فعل کی اتباع کی جاوے یا کتاب ہو مفردات راغب صفحہ (۲۵) بنادیا اور قوموں کا پیشوا کیا جس پر انہوں نے درخواست کی کہ میری اولاد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہو - اس پر حکم ہوا کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچیگا یعنے میں اس بات پر عہد کرتا ہوں کہ تیری اولاد سے بھی امام بنائے جاوینگے لیکن جو ان میں سے ظالم ہونگے ان میں سے امام نہ بناؤنگا بائبل سے اس واقعہ کا تفصیلی حال تو معلوم نہیں ہوتا لیکن پیدائش باب ۱۷ آیت ۹ و ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیم سے اسکی نسل کے بڑھانے اور بابرکت کرنیکا عہد کیا تھا اور آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد انہی کے لئے تھا جو خدا کے عہد کی نگاہ داشت کریں - اس آیت میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے گو زیادہ واضح اور مفید الفاظ میں ہے

ه وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا - مثابہ کے معنے ہیں ثواب کی جگہ اور مقام رجوع - جس کی طرف لوگ بار بار لوٹ کر آویں - امن کے معنی ہیں طمانیت نفس اور زوال خوف - مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے کعبہ کو ثواب کی جگہ اور قوموں کا مرکز اور لوگوں کے لئے طمانیت نفس اور زوال خوف کا باعث بنایا ہے اور ہمیشہ یہ ایسا ہی رہیگا - حضرت ابراہیم کے ساتھ اس وعدہ کا علم بائبل سے ہمیں نہیں معلوم ہوتا - لیکن قرآن کریم کی اس شہادت کی صداقت بعد کے واقعات نے دیدی ہے مکہ کو جائے ثواب قرار دیدیا گیا خیر اسکی عزت کے قائل لوگوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن دوسرے لوگ اسکے مرکز خاص وعام ہونیکی خبر کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرسکتے ہیں - وہ کونسی طاقت تھی جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس مقام کو میں نے مرجع خاص وعام بنا دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے اور کوئی اس بات میں روک نہیں ہوسکیگا - اگر یہ قول کسی انسان کا تھا - تو آج تیرہ سو سال سے کیوں اسکی صداقت ظاہر ہو رہی ہے - اسوقت جبکہ یورپ میں ایک خطرناک جنگ شروع ہے - اور ترک بھی جنگ میں شامل ہیں اور جرمن کا ساتھ دے رہے ہیں - مکہ کا حج بدستور ہو رہا ہے محاربین کے بلاد میں سے وہ کونسا شہر ہے کہ جس کی طرف جانے کی مخالف فریق نے اپنے ملک کے لوگوں کو اجازت دی ہے؟ صلوٰۃ جس کی زیارت سے وہ لوگ نہ روکا جاتا ہو کیا یہ تعجب کے قابل بات نہیں کہ انگلستان ترکی کیساتھ برسر پیکار ہے لیکن ہندوستانی حجاج جو برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ پرورش پارہے ہیں مکہ کے حج کے لئے روانہ ہورہے ہیں بیشک یہ ایک عجیب واقعہ ہے اور اس قول کی صداقت پر شاہد ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کیا گیا - مثابہ کے علاوہ مکہ کی نسبت ایک اور بات بھی بتائی گئی ہے اور اسکا امن والا اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ ہونا ہے - اس خبر کی صداقت بھی تیرہ سو سال سے ظاہر ہو رہی ہے اس عرصہ میں حکومتوں کے بعد حکومتیں بدلیں اور ملکوں کے بعد ملک برباد ہوئے لیکن مکہ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ اور مقام امن ہی رہا - یوروشلم جو مسیحیوں اور یہودیوں کا متبرک مقام ہے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور ہردوار اور بنارس جو ہنود کے متبرک مقام ہیں اول مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اب مسیحیوں یعنی انگریزوں کے قبضہ میں ہیں اسی طرح گیا جو بدھوں کا متبرک مقام ہے اول مسلمانوں کے قبضہ میں رہا اور اب انگریز اس پر قابض ہیں لیکن مکہ مقام امن ہے - کوئی غیر حکومت اس پر چڑھ کر نہیں گئی - اور لڑائی اور جھگڑوں کا میدان بننے سے محفوظ رہی ہے اس عرصہ میں شاذ و نادر مکہ پر بھی جنگ ہوئی ہے - لیکن حملہ آور جماعتیں بہ سبب مسلمان ہونے کے اور مکہ کا ادب رکھنے کے باعث تکلیف نہیں ہوئیں - اور اس شہر کے امن میں کوئی خلل نہیں آیا اب اس خطرناک جنگ میں بھی برطانیہ نے دوسری حکومتوں سے عہد لیا ہے کہ باوجود ترکوں سے جنگ کرنیکے مکہ کو وہ میدان جنگ نہیں بنائینگے کیا یہ خدا تعالیٰ نہیں جس نے اس قدرت نمائی کا ثبوت دیا ہے - بیشک بائبل اور احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پتہ لگتا ہے کہ ایک قوم اس پر حملہ آور ہو کر اسکے امن کو دور کرنا چاہیگی لیکن خدائے قادر نے قبل از وقت خبر دیدی ہے کہ وہ ہلاک کر دی جائے گی اور اپنے کئے کی سخت سزا پائیگی اور جلد اپنی سزا کو پہنچے گی +

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

مرجع لوگوں کے لئے اور امن اور بناؤ ابراہیم کے مقام میں

مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

نماز گاہ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک و صاف کرو

بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝١٢٦

میرا گھر طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کیلئے سلہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اسے شہر امن والا اور

ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ

رزق دے اسکے رہنے والوں کو پھلوں سے اسکو جو ایمان لایا اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

آخر کے دن پر فرمایا جس نے کفر کیا بس میں فائدہ پہنچاؤ نگا اسے (بھی) پھر میں

اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٢٧ وَاِذْ

بے بس کر کے لیجاؤں گا اسے جہنم کی طرف اور وہ برا ٹھکانا ہے ۵۲ اور جب

يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ

بلند کر رہے تھے ابراہیم گھر کی بنیادوں کو اور اسمٰعیل۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٢٨

اے ہمارے رب قبول فرما ہم سے یقیناً تو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ۵۳

سلہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم کعبہ کے پاس ایک خاص جگہ ہے جہاں طواف بیت کے بعد دو سنت پڑھنے کا حکم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے بعد اس جگہ پر شکر کے طور پر نماز پڑھی ہے جس سنت کو جاری رکھنے کے لئے تمام مسلمانوں کو وہاں بعد طواف دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ب) مُصَلّٰی کے معنے عبادت اور دعا کی جگہ یعنی عبادت اور فرمانبرداری کے جس مقام پر حضرت ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اسپر تم بھی کھڑے ہو

(ج) عہدنا۔ حکم کو کہدیا

(د) طہرا پاک کرو بتوں اور بت پرستوں سے

۵۲ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا انبیا کی طبیعت بھی کیسی فرمانبردار ہوتی ہے حضرت ابراہیم نے جب اپنی اولاد کے امام بنائے جانے کی درخواست کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ نیک امام بنائے جائیں گے دوسروں کو ہم امام نہیں بنا سکتے۔ تو حضرت ابراہیم نے دوسری دفعہ اہل مکہ کے لئے فراخی رزق کی دعا کرتے ہوئے یہ شرط لگا دی کہ جو نیک اور مومن ہوں ان کو رزق دیجئے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق ہم کافر و مومن سب کو دیتے ہیں اس میں ایمان کی شرط نہیں ہاں جو شریر ہوگا وہ اپنے کئے کی سزا سنت اللہ کے مطابق الگ پائیگا

۵۳ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ الخ یہ ایک بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے کہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے ہوئی ہے یا اس سے پہلے بھی اس جگہ کوئی

خاص مقام موجود تھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک حضرت ابراہیم ہی اس گھر کے بانی ہیں۔ اور بعض کے خیال میں یہ مقام ابتدائے دہر سے چلا آتا تھا۔ اور حضرت ابراہیم نے صرف مٹے ہوئے نشانوں کو قائم کیا۔ اگرچہ دونوں خیالات کی تائید میں مختلف دلائل دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ایک مجموعی نظر ڈال کر یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کے اس جگہ ایک مکان تعمیر کرنے سے پہلے کوئی نہ کوئی مقام ضرور تھا۔ اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اسی کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ بیت اللہ کی نسبت آتا ہے۔ کہ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔ یعنے سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے تجویز کیا گیا۔ یعنے دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ ہی ہے۔ ایک اور جگہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی ایک دعا آئی ہے۔ جو انہوں نے حضرت اسمٰعیل اور انکی والدہ کو مکہ میں چھوڑتے ہوئے کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ (سورہ ۱۴ آیت ۳۸) یعنی اے رب میں نے اپنی اولاد میں سے ایک حصہ (یعنے اسمٰعیل ع) کو ایک ایسی وادی میں جو بلا کھیت کے ہے۔ تیرے پاک گھر کے پاس آباد کیا ہے اس دعا سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیم سے پہلے موجود تھا۔ گو آپ کے زمانہ میں گر چکا تھا۔ بخاری کی ایک حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس ایک لمبی روایت میں حضرت ہاجرہ کے گھر سے نکالے جانیکا واقعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت ابراہیم ان کو مکہ میں چھوڑ کر چلے تو فَقَالَتْ یَا اِبْرَاھِیْمُ اَیْنَ تَذْھَبُ وَتَتْرُکُنَا بِھٰذَا الْوَادِی الَّذِیْ لَیْسَ فِیْهِ اَنِیْسٌ وَّلَا شَیْءٌ فَقَالَتْ لَهٗ ذٰلِکَ مِرَارًا وَجَعَلَ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْھَا فَقَالَتْ آللّٰهُ اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَتْ اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا ثُمَّ رَجَعَتْ فَانْطَلَقَ اِبْرَاھِیْمُ حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ الثَّنِیَّةِ حَیْثُ لَا یَرَوْنَهٗ اسْتَقْبَلَ بِوَجْھِهِ الْبَیْتَ ثُمَّ دَعَا بِھٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ وَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ یعنی حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ آپ ہمیں اس وادی میں کہ جہاں نہ کوئی دوست وغمگسار ہے نہ کوئی کھانے پینے کی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں اور بار بار حضرت ابراہیم سے یہ بات کہی۔ لیکن وہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ آخر انہوں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا خدا تعالےٰ کے حکم سے ایسا کیا ہے حضرت ابراہیم نے کہا کہ ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہ نے کہا کہ تب خدا ہمکو کبھی ضائع نہ کریگا (اس ایمان اور سارہ کے ایمان کا مقابلہ کرو جس نے خدا کے وعدہ کو سن کر ہنس دیا۔ اور شک کیا۔ اور پھر اپنے شک کو غلط بیانی سے چھپایا) پھر وہ واپس لوٹ آئیں۔ اور حضرت ابراہیم نے ایک موڑ پر کھڑے ہو کر جہاں سے کہ وہ ان کے نظر سے پوشیدہ تھے۔ اپنا منہ کعبہ کی طرف کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔ کہ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ الخ جو اوپر گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کے وہاں جانے سے پہلے بھی کوئی نشان کعبہ کا تھا۔ اور وہ آپ سے پہلے بھی متبرک مقام خیال کیا جاتا تھا کیونکہ تب ہی تو انہوں نے اس طرف منہ کر کے خاص طور پر دعا کی اسی طرح اور بھی بہت سے ثبوت ہیں۔ لیکن اسجگہ ان کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ جو کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اس سے ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے مطابق کعبہ ایک قدیم متبرک مقام ہے۔ اور تاریخ بھی اسکے خلاف شہادت نہیں دیتی۔ کیونکہ جس قدر تاریخ سے پتہ چلتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ مقام ایک نہایت قدیم مقام ہے۔ جیساکہ خود سر میور نے بھی لائف آف محمدؐ میں اقرار کیا ہے۔ پس یہ بیان نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ غیر اقوام کے لئے بھی حجت ہے۔

(ب) رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اس دعا کے نقل کرنے سے ہمیں بتایا ہے کہ خواہ کیسا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو۔ اور کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا انسان کیوں نہ اسکا بانی ہو۔ پھر بھی اللہ تعالےٰ سے اس امر کی قبولیت کے لئے دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ کبھی اچھے کام بڑے نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔ جن کا پہلے علم نہیں ہوتا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
اے ہمارے رب اور بنا ہمیں فرمانبردار اپنا اور ہماری نسل میں سے ایک اپنی فرمانبردار جماعت
لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
(بنا) اور دکھا ہمیں ہماری عبادت کے طریق اور مہربان ہو ہم پر۔ یقیناً تو بڑا مہربان
الرَّحِيْمُ ۱۲۹ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
رحیم ہے لہ اے ہمارے رب اور کھڑا کر ان میں ایک رسول ان میں سے جو پڑھے
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط
ان پر تیری آیات اور سکھلائے انہیں کتاب اور حکمت اور پاکیزہ کرے انہیں
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۱۳۰ ع وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ
یقیناً تو ہی غالب حکمت والا ہے کہ اور کون اعراض کرتا ہے ابراہیم کے
اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي
دین سے سوائے اس کے جس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ اور یقیناً ہم نے برگزیدہ کیا
الدُّنْيَا ج وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۱۳۱ اِذْ
دنیا میں اُنکو اور یقیناً وہ آخرت میں صالحین میں سے ہے سہ جبکہ
قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ لا قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
فرمایا اسے اسکے رب نے تو فرمانبردار ہو جا۔ اس نے کہا میں فرمانبردار ہو چکا رب العالمین کا کہ
وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ
اور وصیت کی اِسبات کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو، اور یعقوب نے اے میرے بیٹو۔ یقیناً اللہ نے

لہ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا۔
مَنَاسِكَ جمع منسک
یعنے عبادت اور ہر ایک
چیز جو اللہ تعالے
کا حق ہے کُلُّ حَقٍّ
لِّلّٰهِ۔
(ب) تُبْ عَلَيْنَا۔
تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
کے معنے ہیں رَجَعَ
اللّٰهُ عَلَيْهِ بِفَضْلِهٖ
ع ۱۵ ۲ یعنے اللہ تعالیٰ نے
اپنے فضل کے ساتھ
اسکی طرف رجوع کیا
کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔
یہ تمام واقعات جو پچھلی
آیات میں بیان کئے
گئے ہیں ان کی صداقت سے
مسیحی مورخین نہایت
سخت معترض ہیں اور
صرف اس بنا پر کہ
بائبل میں ان واقعات
کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ
یہ دلیل جیسی کمزور ہے
اسے ہر ایک دانا انسان
سمجھ سکتا ہے۔ اس بات کے ماننے سے تو مسیحیوں کو بالکل انکار نہیں ہو سکتا کہ کتاب پیدائش میں
ابراہیم کا اپنی بیوی ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسمٰعیل کو جنگل میں چھوڑ آنے کا ذکر موجود ہے اور اس جگہ پانی کا
نہ ہونا اور لڑکے کا پیاس سے تڑپنا اور خدا تعالیٰ کا ایک پانی کا کنواں ان کے لئے ظاہر کرنا بھی مذکور ہے
(پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۴ تا ۲۰) اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک شخص جس نے اپنے لڑکے کو جنگل میں
چھوڑ اسے ضرور ہے کہ کبھی نہ کبھی ان کو ملنے بھی جائے اور ان کی خبرگیری کرے خصوصاً ابراہیم جیسا
رحم دل انسان، اور بائبل میں ہاجرہ کے ساتھ جو اس موقعہ پر گذرا اسکا ذکر ہونا بھی دلالت کرتا ہے
کہ ابراہیم پھر ان لوگوں سے ملنے گئے ہیں اور ان کے حالات معلوم کئے ہیں۔ پس بائبل کی درج میں

حضرت اسمٰعیل کا نہایت مختصر حال دیا گیا ہے۔ اور اس کی جوانی اور بقیہ عمر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا شہادت پر ان امور کا فیصلہ کرنا بالکل خلاف عقل ہے۔ بنو اسحاق بنو اسمٰعیل کو بلاوجہ اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ خود بائبل سے ظاہر ہے۔ وہ اگر حضرت اسمٰعیل کا کوئی ذکر ہوتا بھی تو اس کو مٹانے کی کوشش کرتے۔ کجا یہ کہ ان کی زندگی کے سب خیالات کو جمع کرتے

ف اس آیت میں جس پر یہ نوٹ لکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم کی ایک دعا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل مکہ میں ایک رسول مبعوث ہو۔ اور اس کے چار کام ہوں۔ اوّل وہ ان دلائل کو لوگوں کے سامنے پیش کرے جن سے ان کو امور ایمانیہ پر یقین حاصل ہو دوم۔ ان کو شریعت سکھائے۔ سوم۔ احکام شریعت کی حکمتوں سے بھی ان کو آگاہ کرے کیونکہ جب تک کسی انسان کو یہ معلوم نہ ہو۔ کہ میں جو کام کرتا ہوں اس کی کیا ضرورت ہے اور اسکے کرنے میں کیا فائدہ ہے ہے تب تک اسے شوق و لذت سے نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اس میں تردد رہتا ہے جیسا کہ مسیحیوں کے ساتھ ہوا کہ انہوں نے شریعت کی غرض نہ سمجھنے کی وجہ سے شریعت کو لعنت ہی قرار دیدیا۔ غرض حضرت ابراہیم نے اس نبی کے لئے یہ بھی دعا کی ہے کہ وہ شریعت کے ساتھ احکام شریعت کا فلسفہ بھی ان کو سکھائے۔ چہارم۔ یہ کام ہو۔ کہ وہ لوگوں کو پاک کرے۔ آیات کے معنے دلائل کے ہیں۔ کتاب کے معنے احکام شریعت یا کتابت کے ہیں۔ اور حکمت کے معنے ہر چیز کے فلسفہ کے ہیں۔ اسجگہ شریعت کا فلسفہ مراد ہے یُزَکِّیْهِمْ تزکیہ سے نکلا ہے۔ جس کے معنے پاک کرنے اور بلند کرنے کے ہیں۔

ترتیب و ربط

آیت نمبر ۱۲۳ و ۱۲۴ میں یہ بتانے کے لئے کہ جو مضمون شروع کیا گیا تھا۔ وہ ختم کیا جاتا ہے۔ پھر اسی مضمون کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جو آیت نمبر ۴۸ میں تھے۔ اور فرمایا کہ دیکھو ہمنے اپنا عہد پورا کیا اور تمہیں لوگوں پر فضیلت دی۔ مگر اس کے مقابلہ میں تمنے جو شکر کیا وہ یہ ہے پس اب نبی تم میں نہیں آسکتا۔ ایمان لاؤ۔ ورنہ عذاب الٰہی جب نازل ہوتا ہے۔ تو نہ شفاعت کام دیتی ہے نہ تاوان۔ نمبر ۱۲۵ میں بتایا۔ کہ نبوت سے بنی اسرائیل کو محروم کرنا بھی اسی عہد کے مطابق ہے۔ جو ابراہیم سے ان کی اولاد کے متعلق کیا گیا۔

نمبر ۱۲۶ و ۱۲۷ میں اس سوال کا جواب دیا جو بنی اسرائیل کو نبوت سے محروم رکھنے پر پیدا ہوا تھا۔ کہ اب نبی کس قوم سے پیدا ہونا چاہئے فرمایا کہ بنو اسمٰعیل سے۔ چنانچہ اسکے لئے تعمیر کعبہ کا واقعہ یاد دلایا۔ جس میں حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ حضرت اسمٰعیل بھی تھے۔ اور دونوں نے بہت بہت دعائیں کی تھیں۔ جو رائیگاں نہیں جاسکتیں نمبر ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ میں ان دعاؤں کا ذکر ہے اور اس نبی کے کاموں کی تفصیل جس کے مبعوث ہونیکی دعا کی گئی۔ اور ان دعاؤں کو بیان کرکے اس بات کیطرف اشارہ فرمایا ہے کہ بنو اسحاق کی ترقی کے علاوہ بنو اسمٰعیل کی ترقی کے لئے بھی حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔ پس جب بنو اسحاق اپنی بداعمالیوں سے نبوت کے انعام سے محروم کئے گئے۔ تو ان کے بعد بنی اسمٰعیل حقدار تھے۔ پس آنے والا نبی بنو اسمٰعیل میں سے ہونا چاہئے تھا۔ اور انہی میں سے آیا ہے اسجگہ ایک ضروری مسئلہ کا بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ بنی اسحاق کے بعد بنی اسمٰعیل میں سے نبی ہونا چاہئے تھا۔ قرآن کریم میں تعمیر کعبہ اور حضرت اسمٰعیل کی نسبت حضرت ابراہیم کی دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اس پر مسیحی مصنفین کی طرف سے دو اعتراض ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس بات کا ثبوت بائبل سے نہیں ملتا۔ کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کی نسبت بھی حضرت ابراہیم سے کوئی وعدہ تھا۔ اور دوسرے یہ کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے۔ کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کی نسبت کوئی وعدہ تھا تو اسکا کیا ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے۔ گو ان سوالات کے جواب ایک بڑی تفصیلی بحث چاہتے ہیں۔ لیکن اس جگہ ترتیب کے مضمون کو کامل کرنے کے لئے مختصراً اس کے متعلق لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سو اوّل ہم پہلے سوال

کا رواج ہمیشہ رہا ہے
جو اسباط کا ثبوت ہے کہ
وہ حکم نہ صرف اسمٰعیل کے
لئے بلکہ اسکی اولاد کیلئے بھی
سمجھا گیا تھا باقی رہا آیت ۲۱ کا
مطلب سو دوسرے حالات
کو ملا کر اس آیت کا یہ مطلب
ہوسکتا ہے (اگر آیت واقعہ
میں الہامی ہے اور اسمیں
بنو اسحاق نے اپنے مطلب
کیمطابق تغیر نہیں کرلیا)
کہ اس ابدی عہد کی ابتدا
بنو اسحاق سے شروع ہوگی
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ابدی
عہد ابتدا میں بنو اسحاق سے ہی
پورا ہوا۔ پس اسلئے کہ وہ
عہد جو حضرت ابراہیم کی
اولاد کے متعلق تھا۔ ابتدا میں
حضرت اسحاق کی ہی نسل
سے پورا ہوا۔ خدا تعالٰے
نے کہا کہ میں اپنا نیا عہد
اسحاق کے ساتھ پورا کرونگا
یعنی پہلے اسی کے نسل سے
وہ پورا ہونا شروع ہوگا
اور ان معنوں کے سوا
اس آیت کے اور کوئی
معنے نہیں بن سکتے +

کو لیتے ہیں۔ اس کے متعلق پہلے تو یہ دیکھنا چاہئیے کہ بائبل کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور آپکی نسل سے بنو اسحاق کو نفرت تھی۔ اور اسکا باعث بھی ظاہر ہے اور وہ یہ کہ انکی دادی سارہ کو ہاجرہ اور اسمٰعیل سے نفرت تھی جس کا اثر بچوں میں جانا بعید از قیاس نہیں۔ ان کی نفرت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ حضرت ابراہیم بیگناہ ہاجرہ اور معصوم اسمٰعیل کو ایک دور دراز مقام پر چھوڑ آنے پر مجبور ہوئے پس بائبل جو انسانی دست اندازی کا تختہ مشق بنی رہی ہے۔ اس میں حضرت اسمٰعیل اور انکی اولاد کی نسبت کوئی صریح پیشگوئی کا تلاش کرنا بھی اول تو خلاف انصاف ہے۔ اور اگر بائبل میں حضرت اسمٰعیل اور انکی اولاد میں سے بعض کے نبی ہونیکا ذکر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور دوسرے جس طرح بائبل کی شہادت پر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ بنو اسحاق سے کوئی وعدہ تھا۔ اسی طرح قرآن کریم کی شہادت پر یہ قبول کرنا ہوگا کہ حضرت اسمٰعیل اور انکی اولاد کے متعلق بھی خدا تعالٰے کے بڑے بڑے وعدہ تھے۔ دوسرا جواب ان کے اعتراض کا یہ ہے کہ بائبل بھی ایسے اشارات سے خالی نہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی نسل بھی خاص انعامات کی وارث ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو الفاظ حضرت اسحاق کی اولاد کے متعلق مستعمل ہیں۔ وہی حضرت اسمٰعیل کے متعلق ہیں جس طرح اسحاق کی اولاد کو بڑھانے اور ان میں سے بادشاہ پیدا کرنے کا وعدہ پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۶ میں

اسی طرح حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے بڑھانے اور انمیں سے شہزادہ پیدا کرنیکا وعدہ ہے۔ پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰۔ پس جس قسم کے انعامات کے وارث اسحاق کی اولاد ہوگی۔ اسی قسم کے انعامات کا وارث بنو اسمٰعیل کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اسحاق کی نسبت اس باب کی آیت ۲۱ میں لکھا ہے کہ ابراہیم کی کوننٹ (وعدہ) اسحاق سے پوری ہوگی۔ پس معلوم ہوا۔ کہ نبی اسی نسل سے ہونگے تو یہ دلیل بھی معقول نہیں۔ کیونکہ اسحاق کی پیدائش سے بھی پہلے خدا تعالٰے نے ابراہیم سے عہد کیا تھا۔ اور اس میں یہ شرط لگائی تھی۔ کہ اس عہد کی علامت ختنہ ہوگی۔ پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۱۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کا بھی ختنہ کیا۔ اگر وہ عہد صرف اسحاق اور اسکی نسل سے ہوتا۔ تو حضرت ابراہیم خود اپنا ختنہ کر لیتے کیونکہ ان سے عہد تھا اپنے غلاموں کا کرواتے کیونکہ انکی نسبت حکم تھا حضرت اسحاق کا کرواتے کیونکہ ان سے اس عہد نے پورا ہونا تھا۔ تیرہ سال لڑکے اسمٰعیل کا ختنہ کس سبب سے کروایا۔ کیا صرف اسکی ایک ہی وجہ نہیں کہ اسکی نسل سے بھی اس عہد نے پورا ہونا تھا۔ آپکا حضرت اسمٰعیل کے ختنہ کرانا ایک صاف ثبوت ہے اسباط کا کہ حضرت اسمٰعیل بھی آپکی اس اولاد سے تھے۔ جس کے ساتھ وہ عہد پورا ہونا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنو اسمٰعیل میں ختنہ

اب دوسرے سوال کو لیتے ہیں۔ جو یہ ہے۔ کہ اگر حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے کوئی وعدہ ثابت بھی ہو۔ تو اس کا کیا ثبوت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کی ہی اولاد سے ہیں۔ اول جواب تو یہ ہے کہ کسی خاص قوم کے کسی خاص انسان کی اولاد سے ہونے کا حقیقتاً ایک ہی ثبوت ہوتا ہے۔ اور وہ اس قوم کی روایات ہیں۔ دنیا میں کل قوموں اور کل خاندانوں کے کسی خاص شخص یا خاص قوم سے متعلق ہونیکا اسکے سوا اور کیا ثبوت ہوتا ہے۔ کہ وہ قوم ایسا بیان کرتی ہے کل اقوام کے دعووں کا فیصلہ صرف ان کے بیان پر ہوتا ہے۔ پھر اس معاملہ میں کیوں عربوں کے بیان کو تسلیم نہ کیا جائے۔ جبکہ قریش کا دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا تھا کہ وہ حضرت اسمٰعیل کی

اولاد سے ہیں۔ اور کل عرب اس بات کو تسلیم کرتے تھے۔ خود کعبہ میں حضرت اسمٰعیل کا بُت بنا کر رکھا ہوا تھا تو پھر قریش کے بنی اسمٰعیل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے حضرت اسمٰعیل کوئی ایسی بڑی دنیاوی شہرت بھی نہ رکھتے تھے کہ خیال کیا جائے۔ کہ عرب کی بعض اقوام نے اس عزت میں حصہ لینے کے لئے اپنے آپ کو انکی طرف منسوب کر دیا۔ غرض۔ ایک قوم کا دعویٰ جو صدیوں سے چلا آتا تھا۔ کسی طرح ردّ نہیں کیا جا سکتا جبکہ جھوٹ کا کوئی محرک بھی نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرا ثبوت قریش کے بنو اسمٰعیل ہونے کا یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹے طور پر بنو اسمٰعیل بن گئے تھے تو اصل بنو اسمٰعیل ضرور ان کے اس قول کو ردّ کرتے لیکن کسی قوم کا ان کے دعوے کو ردّ کرنا ثابت نہیں۔ سوم۔ پیدائش باب ۲۱ میں لکھا ہے۔ کہ میں اسمٰعیل کو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ اگر قریش آپکی اولاد نہیں تو وہ بڑی قوم کونسی ہے جس کا وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ پیشگوئی چاہتی ہے کہ وہ قوم شناخت بھی ہو۔ ورنہ اسکے پورا ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ پس چونکہ قریش ہی اس بات کے مدعی ہیں۔ انکا دعوےٰ تسلیم کرنا پڑیگا۔ غرض دونو اعتراض درست نہیں۔ اور اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے بھی بڑے بڑے انعامات کے وعدے تھے۔ پس بنو اسحاق کے بدعمل ہو جانیکے بعد تو خصوصیت سے بنو اسمٰعیل کا حق تھا۔ کہ انہیں وہ نبی مبعوث ہو۔

۵۳ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۔ سفہ نفسہ کے معنے لسان العرب جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۱ پر لکھے ہیں۔ اَهْلَكَ نَفْسَهٗ وَ اَوْبَقَهَا۔ یعنے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم جبکہ اہل کتاب کے مسلمہ بزرگ ہیں۔ تو ان کے طریق سے پھرنا گویا اپنی جان کو آپ ہلاک کرنا ہے۔ وہ دنیاوی لحاظ سے بھی ایک بڑے دانا انسان سمجھے جاتے تھے۔ اور دنیاوی عزت انکو حاصل تھی۔ اور دینی لحاظ سے بھی بڑے نیکو کاروں میں سے تھے۔ پس ان کے طریق کو اختیار کرنا انسان کے لئے نجات کا باعث اور چھوڑنا ہلاکت کا باعث ہے۔

۵۴ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۔ حضرت ابراہیم کا طریق یہ بیان فرمایا۔ کہ جب انکو خدا تعالےٰ نے کہا کہ تو مطیع و فرمانبردار ہو جا۔ انہوں نے اسکے جواب میں کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یعنے میں نے اپنے آپکو خدا تعالےٰ کے بکلی سپرد کر دیا یعنے وہ تو خدا تعالےٰ کے احکام کی ایسی عزت کرتے تھے کہ خدا تعالےٰ نے انکو فرمانبرداری کا حکم دیا۔ تو انہوں نے حکم سے بڑھکر جواب دیا کہ میں تو اپنے آپکو بالکل حضور کے ہی سپرد کر دیتا ہوں۔ خواہ مجھ سے کچھ ہی معاملہ کریں مجھے کچھ عذر نہیں۔

۵۵ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۔ یعنے حضرت ابراہیم نے بھی اپنے بیٹوں کو ایسے ھ ہی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ اور یعقوب نے بھی تاکید کی کہ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ یعنے موت تک اس بات سے مُنہ نہ پھیرنا اور اللہ تعالےٰ کے احکام سے مُنہ نہ پھیرنا موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اس نصیحت میں انہوں نے اپنی اولاد کو یہ بتایا ہے کہ تم پر کوئی وقت ایسا نہ آوے کہ جب تم اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار نہ ہو۔

ف۔ اس آیت اور اس سے پچھلی آیت کے متعلق ایک خاص بات یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کے بیان کیمطابق اسلام نام ہے کامل فرمانبرداری کا۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا کامل فرمانبردار ہو وہ مسلم ہے اس لئے ہر ایک وہ مذہب جو اسلام سے پہلے گزرا ہے۔ ان معنوں کے رُو سے اسلام کہلائیگا۔ یعنے اُسی مذہب پر چل کر اس وقت اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری نصیب ہوتی تھی۔ جب ایک مذہب موقوف ہو کر نیا مذہب آئیگا تو اب وہ اسلام ہو جائے گا۔ اور اسکا ماننے والا مسلم ہوگا۔ ہاں پہلے مذاہب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب میں یہ فرق ہے کہ وہ حقیقتاً تو اسلام تھے لیکن انکا نام اسلام نہ رکھا گیا تھا پہلے مذاہب اور اسلام میں اس امتیاز کرنیکی وجہ یہ ہے کہ وہ مذہب مکمل نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک مذہب نے ایک بعد میں آنے والے مذہب کے ذریعہ سے منسوخ ہونا تھا۔ اور اگر انکا نام اسلام رکھا جاتا۔ تو اسماء مذاہب میں گڑبڑ واقع ہو جاتی۔ پس جب وہ مذہب بھیجا گیا۔ جو اپنے کامل ہونیکی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تھا۔ تو اس کا نام بھی اسلام رکھدیا گیا۔ تاکہ اسکا نام ہی اسکی غرض پر روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہو

اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ۱۳۲

چن لیا ہے تمہارے لئے اس دین کو۔ پس تم ہرگز نہ مرو مگر جبکہ تم فرمانبردار ہو ۵۱

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال

کیا تم موجود تھے جب آئی یعقوب کو موت جب اس نے کہا

لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰهك

اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد انہوں نے کہا کہ ہم عبادت کرینگے تیرے معبود

والٰه اٰبائك ابرٰهم واسمٰعیل واسحٰق الٰها

اور تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی

واحدا ونحن له مسلمون ۱۳۳ تلك امة قد خلت

ایک ہی معبود کی اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ۵۲ یہ ایک جماعت تھی جو فوت ہو چکی

لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا

اسی کیلئے ہے جو کچھ کمایا اس نے اور تمہارے لئے ہے جو کچھ کمایا تم نے۔ اور تم سے سوال نہیں کیا جائیگا اسکی بابت

یعملون ۱۳۴ وقالوا کونوا هودا او نصٰری

جو وہ کرتے تھے ۵۳ اور انہوں نے کہا کہ تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ

تهتدوا قل بل ملة ابرٰهم حنیفا و

ہدایت پا جاؤگے تو کہہ (نہیں) بلکہ (ہم) ابراہیم کے دین کی (اتباع کرتے ہیں) جو حنیف تھا اور

ما کان من المشرکین ۱۳۶ قولوا اٰمنا بالله

نہیں تھا وہ مشرکوں میں سے ۵۴ تم کہو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر

۵۲ ام کنتم شہداء فرمایا کہ یعقوب تو مرتے وقت بھی ایک خدا کی پرستش کی تاکید کرتے گئے ہیں پھر ان کی نسل آج اپنی ہوا و ہوس کے پیچھے کیوں پڑ رہی ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا ایک خدا کی پرستش کا وعدہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں حضرت موسٰی کی کتب سے ثابت ہے کہ ابتدائے عالم سے لیکر حضرت موسٰے تک برابر ایک خدا کی پرستش ہوتی آئی ہے اور سب نبی خدا کی پرستش پر زور دیتے آئے ہیں اور بت پرستوں اور مشرکوں کو برا بھلا کہتے آئے ہیں تثلیث کا مسئلہ رومیوں یسیحیوں نے اخذ کیا ہے اور پھر بیجا تاویلوں سے عہد عتیق کیطرف اسکو منسوب کر دیا ہے۔ ۵۳ تلك امة قد خلت عام طور پر لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کے اعمال ہمارے کام آجائیں گے اور اگر وہ نیک اور پاک تھے تو ہم بھی انکی کیساتھ جگہ پائینگے اسکی تردید فرمائی۔ کہ ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ تمہارے باپ دادا کیسے اعمال کرتے تھے کہ انکے مطابق تم سے سلوک کیا جائے بلکہ یہ سوال ہوگا کہ تم کیا کرتے تھے ۵۴ وقالوا کونوا هودا او نصٰری دنیا میں جسقدر مذہب پیدا ہوئے ہیں ان سب میں آخر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شاید اسی مذہب میں شامل ہو کر نجات ہو سکتی ہے اور ہدایت ہوتی ہے لیکن یہ ایک غلط خیال ہے اصل نجات کا باعث فضل الٰہی ہے اور فضل الٰہی کے جذب کرنیکا ذریعہ طاعت ہے پس جبتک کہ کسی مذہب میں شامل ہو کر اطاعت الٰہی ہوتی تھی تب ہی نجات ہوتی ہے تو کوئی نجات نہیں کسی نام یا کسی مذہب کی خصوصیت نہیں اصل تو خدا تعالی کی فرمانبرداری ہے اسلئے فرمایا کہ یہودی اور نصاری

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

اور اسپر جو اُتارا گیا ہے ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اور اسحٰق اور یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد کی طرف۔ اور جو دیا گیا موسیٰ

وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اور عیسیٰ اور جو دیا گیا کل نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم نہیں تفریق

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝١٣٨ فَاِنْ

کرتے کسی ایک میں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ؎ پس اگر وہ

اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ

پھر جائیں تو وہ صرف عداوت ہی میں ہیں پس کافی ہوگا تجھے انکے مقابلہ میں اللہ

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٣٩ ط صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ؎ اللہ کا رنگ لو اور اللہ

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝١٤٠

سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنیوالے ہیں ؎

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

تو کہہ کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ کے بارہ میں۔ حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے ؎

بقیہ فوائد متعلقہ صفحہ ٣٦

کہ ہدایت پانا چاہو تو ہمارے مذاہب میں داخل ہو جاؤ۔ یہ ایک غلط دعویٰ ہے حضرت ابراہیم کو جو حکم ملا انہوں نے اسکو قبول کیا یہی دین ابراہیم ہے اور اسی کی پیروی ہر اس قوم پر فرض ہے جو ابراہیم کی بزرگی کی قائل ہو حضرت ابراہیم شرک سے بالکل بیزار تھے اور ایک خدا کی پرستش کرتے تھے۔ اب ان مذاہب میں قسم قسم کے شرک داخل ہو گئے ہیں یہود اپنے علماء کے اقوال کو آسمانی کتابوں کی طرح مانتے ہیں۔ جو ایک شرک ہے۔ مسیحی مسیح اور روح القدس کو خدائی میں حصہ دار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم کے ان حالات میں بھی جو بائبل میں موجود ہیں شرک کی ان تعلیموں کا کوئی نام و نشان معلوم نہیں ہوتا۔ اگر مسیح یا روح القدس بھی الوہیت رکھتے تھے تو ابراہیم کے وقت میں بھی وہ ضرور ایسے ہی تھے مگر وہ سوائے اس خدا کے جسکو مسیحی اصطلاح میں خدا باپ کہلاتا ہے اور کسی خدا کا نام نہیں لیتے وہ ایک ہی خدا کی پرستش میں مشغول نظر آتے ہیں۔

لفظ حنیف جو اس جگہ استعمال ہوا ہے اسکے اصل معنے ایکطرف جھکنے کے ہیں اسی وجہ سے حنیف کے دو معنے ہو سکتے ہیں وہ جو ضلالت کیطرف جھک گیا ہو اور وہ جو حق کی طرف جھک گیا۔ سیاق و سباق عبارت سے اس لفظ کے صحیح معنوں کا پتہ لگ سکتا ہے۔ چونکہ اسجگہ یہ لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اس کے معنے یہ ہیں کہ جو حق کی طرف جھکا ہوا تھا۔ حنیف کے معنے ابوالقلابہ نے جو ایک بہت بڑے مفسر اور تابعین میں سے ہیں۔ اس شخص کے کئے ہیں جو خدا تعالےٰ کے سب نبیوں کو مانے اور کسی کا انکار نہ کرتا ہو اور اگلی آیت سے ان معنوں کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انہیں سب انبیاء کے ہی ماننے کا ذکر ہے

ہ کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح دیگر انبیاء جو دوسری اقوام میں آئے انکو بھی مانتے ہیں اور کسی نبی کی نبوت کے منکر نہیں۔ اور کسی قوم کو خدا تعالےٰ کے نبیوں سے خالی نہیں جانتے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ سب نبیوں کو درجہ میں برابر مانتے ہیں کیونکہ خود اسی سورت میں یہ امر بھی بیان کیا ہے کہ بلحاظ درجہ کے نبیوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ رسول ہیں۔ کہ انمیں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے پس فرق نہ کرنیسے ان کے ماننے میں فرق نہ کرنا مراد ہے۔ درجوں کا فرق نہیں۔

مسیحی مصنف اس آیت پر ایک اعتراض اکثر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اسمٰعیل کی نبوت کا کیا ثبوت ہے ؟ حالانکہ اگر وہ غور کریں تو یہی سوال اُلٹ کر انپر پڑتا ہے اسحٰق کی نبوت کا کیا ثبوت ہے جو ثبوت اسحٰق کی نبوت کا ہے وہی اسمٰعیل کی نبوت کا ہے موسیٰ اپنے دادا اسحاق کی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا اسماعیل کی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بائبل نے بخل سے کام لیکر حضرت اسمٰعیل کی نبوت کا ذکر نہیں کیا۔ اور قرآن کریم جو کبھی کسی صداقت کا انکار نہیں کرتا۔ اسنے نسلی تعصبات سے کام نہ لیکر دونوں بزرگوں کی بزرگی کا اقرار کیا ہے بنی اسرائیل کے پاس اسحٰق کی نبوت کا اسکے سوا کیا ثبوت ہے ؟ کہ ایک سچے نبی نے جس کی نبوت انکے خیال میں دلائل سے ثابت ہے اسحاق کی نبوت کا اقرار کیا ہے یہی دلیل ایک مسلمان دیگا کہ اسمٰعیل کی نبوت کا یہ ثبوت ہے کہ ایک سچے نبی نے جس کی نبوت دنیا کے کل انبیاء کی صداقت کے دلائل سے زیادہ دلائل کیساتھ ثابت ہے اسے نبی فرمایا ہے (یہ مبالغہ کا کام نہیں۔ بلکہ ہم خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم کے ماتحت علی الاعلان یہ دعوےٰ کرتے ہیں۔ کہ جسقدر

(ب) وَالْاَسْبَاطِ۔ سبط کی جمع ہے اور سبط کے معنی اصل میں پھیلاؤ کے ہوتے ہیں اسی وجہ سے لمبے بالوں کو سبط کہتے ہیں۔ سخی آدمی کو سبط الکفین کہتے ہیں کیونکہ اسکا ہاتھ ہر ایک حاجتمند تک پہنچ جاتا ہے بیٹے کے بیٹے کو سبط کہتے ہیں۔ کیونکہ جب بیٹوں کے بیٹے ہو جائیں تو نسل کا پھیلاؤ شروع ہو جاتا ہے پس اسباط کے معنے پوتوں کے ہونگے یا اور بھی عام کر کے انکی نسل کے جو حضرت یعقوب کے خاندان کے پھیلانے کا باعث اور ذریعہ ہوئی۔ اس آیت میں مسلم کے معنوں کی اور تشریح کر دی۔ اور وہ یہ کہ مسلم وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے سب نبیوں کو مانے جو معلوم ہیں۔ ان کی نبوت کا نام لیکر اقرار کرے اور جو معلوم نہیں ہیں انکی نبوت پر مجملاً ایمان لائے یعنے یہ یقین کرے کہ ہر قوم و ملت میں ضرور کوئی نبی آیا ہوگا ہم سب کو سچا تسلیم کرتے ہیں اور انکی پیش کردہ تعلیموں کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مانتے ہیں۔ پس جو شخص اپنے زمانہ یا اس سے پہلے زمانہ کے سب نبیوں کی نبوت کا اقرار کرے اور کسی نبی کا انکار نہ کرے وہ مسلم ہے کیونکہ کل نبیوں کی نبوت کا اقرار کرانیکے بعد اللہ تعالےٰ نے یہ فقرہ فرمایا ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہم اسکے فرمانبردار ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اقرار کے بعد انسان مسلم بنتا ہے اور جیسا کہ پہلے بھی مختلف نوٹوں میں بتایا گیا ہے یہ صرف اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ وہ دنیا کے سب انبیاء کی صداقت کا اقرار کراتا ہے۔ ہر مذہب والے صرف اپنے ملک کے نبیوں کی صداقت تو منواتے ہیں۔ اور دوسرے ممالک کے انبیاء کی صداقت کے منوانےکی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اسلام سب کی صداقت کا اقرار کراتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں نبی بھیجے ہوں اور ہندو ایران کے لوگوں میں نبی مبعوث نہ کئے ہوں۔ ہاں عبارت کو عام فہم کرنیکے لئے ان انبیاء کا نام لے دیتا ہے جو ان اقوام میں مسلم ہیں۔ جنکا براہ راست تعلق اسلام سے تھا۔ اور دوسرے انبیاء کا مجملاً ذکر کر دیتا ہے۔

ف۔ اس آیت کے متعلق میں مسلمانوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے جو سب نبیوں کو مانے وہی مسلم ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آنیوالے مسیح کو نبی اللہ قرار دیتے ہیں اور پہلے نبیوں نے بھی اسے نبی ہی کہا ہے اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں مسیحیت موعودہ کا وعدہ پورا کیا ہے تو ہر ایک شخص کا جو اسلام سے اپنے آپکو وابستہ کرتا ہے فرض ہے کہ ہوشیار ہو جائے اور بے توجہی سے انکے دعویٰ کو نہ دیکھے کیونکہ بے توجہی سے اسلام جیسے قیمتی شے کے ہاتھ سے جانیکا اندیشہ ہے مسلم وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے نبیوں کو مانے اور خدا تعالےٰ نے مسیح موعود کی نبوت کو اس سے مستثنےٰ نہیں کیا۔ پس مقام خوف ہے۔

(ج) لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ اس جملہ کے یہ معنے ہیں کہ ہم اس بات میں فرق نہیں کرتے کہ فلاں نبی ہے اور فلاں نبی نہیں۔ بلکہ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور انکی نسل سے جو نبی گزرے خصوصاً موسیٰ اور عیسےٰ کو جو کچھ ملا اسے خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور ان نبیوں کی

بنی دنیا میں مانے جاتے ہیں۔ انکی صداقت کے ثبوت کے لئے جو دلائل بھی دیئے جاتے ہوں۔ جو واقع ہیں دلائل ہوں بھی تو ان سب سے زیادہ دلائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں دیئے جاسکتے ہیں۔ اور اسکے لئے ہم تمام مذاہب کے پیروؤں کے مطالبات کو پورا کرنیکے لئے تیار ہیں الا ماشاء اللہ) اصل بات یہ ہے کہ مسیحی مصنفوں کو حضرت اسمٰعیل کی نبوت کے ماننے میں سوائے اسکے کوئی عذر نہیں کہ ان کا ذکر بائبل میں نہیں۔ حالانکہ بائبل سے ثابت ہے۔ کہ انکو سارہ کے حسد کی وجہ سے وطن چھوڑ کر دوسری طرف جانا پڑا تھا۔ اور جبکہ وہ بنی اسرائیل سے دور ایک اور ملک کو چلے گئے تھے۔ تو ان کے حالات کا بائبل میں نہ ہونا کوئی تعجب کے قابل بات نہیں۔ بائبل میں کسی واقعہ کا نہ ہونا اس واقعہ کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے جس سے کسی انسان کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ عدم ذکر عدم واقعہ کو مستلزم نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ حضرت ابراہیم سے خدا تعالےٰ نے انکی اولاد کے حق میں بڑے بڑے وعدہ کئے تھے خصوصاً حضرت اسمٰعیل کے حق میں بڑے بڑے وعدے تھے۔ جن میں اول خود انکا نام اسمٰعیل ہے۔ جس کے معنے خدا نے سن لی کے ہیں۔ پس جو لڑکا خدا تعالےٰ کی طرف سے قبولیت دعا کا نتیجہ ہو۔ وہ کس شان کا لڑکا ہوگا (پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۱)

اسی طرح حضرت ابراہیم نے خدا تعالےٰ سے دعا کی کہ کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے (پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸) اور خدا تعالےٰ نے کہا کہ اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دونگا۔ اور اسے بہرہ مند کرونگا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤنگا۔ (پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰) ان دونوں آیات کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ اسمٰعیل خدا تعالیٰ کا برگزیدہ ہو۔ کیونکہ اسکے لفظ ہیں تیرے حضور زندہ رہے اور تیرے حضور کے معنے سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتے کہ نیک ہو اور تجھ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ اگر یہ مطلب نہ ہوتا۔ تو حضرت ابراہیم کا اسقدر کہہ دینا کافی تھا۔ کہ وہ زندہ رہے۔ کیونکہ جسقدر لوگ زندہ رہتے ہیں۔ سب خدا کے حضور ہی زندہ رہتے ہیں۔ اس سے غائب نہیں ہوتے پس تیرے حضور کے لفظ بڑھانیکا اسکے سوا کوئی مطلب نہیں کہ تیرے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں سے ہو جس دعا کو خدا تعالیٰ نے قبول کیا اور کہا کہ میں نے تیری سنی۔

۵۲ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ یعنی اگر یہود و نصاریٰ بھی اس ایمان پر پختہ ہوجائیں کہ بجائے ورثہ میں لئے ہوئے مذہب کے خدا تعالےٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہر ایک ہدایت کو قبول کریں تب تو وہ ہدایت پر ہیں۔ اور اگر اس اصل کی پیروی نہ کریں تو فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ۔ وہ تم سے جدا ہیں۔ اور تم ان سے جدا یعنے مذہبی طور سے پھر تمہارا ان سے کوئی جوڑ نہیں۔

۵۳ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً صبغۃ کے معنے دین یا رنگنے کے ہیں۔ اور یہ لفظ اسجگہ مفعول استعمال ہوا ہے جو کہ اس لفظ کے آخر کی زبر سے جو مفعول کا نشان ہے ظاہر ہے عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی کو کسی کام کی ترغیب دلانی ہو۔ تو اس فعل کو جسمیں ترغیب کے معنے پائے جاتے ہیں حذف کر دیا جاتا ہے اور صرف مفعول بیان کر دیا جاتا ہے۔ پس اسکے یہ معنے ہونگے۔ کہ تمکو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کرو۔ یا اپنے آپ کو رنگین کرو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں یعنی اللہ تعالیٰ جس طریق پر انسان کو چلاتا ہے اسی پر چلو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے دین سے کوئی بہتر دین نہیں۔ اور جس رنگ کو وہ چڑھائے۔ اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں چڑھا سکتا۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ خود ساختہ بپتسمہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتا وہ بپتسمہ لینا چاہیئے جو خدا تعالیٰ دیتا ہے۔

۵۴ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ۔ بہت سے مذاہب کے پیرو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہدایت صرف ان کو ملی ہے اور انکے سوا کسی اور قوم کو ہدایت نہیں مل سکتی اسلئے جو خدا تعالےٰ کا پیارا ہو۔ وہ ہماری قوم میں سے ہی ہونا چاہئے۔ اسکا جواب دیا کہ تم لوگ اسقدر نادان ہوگئے ہو کہ خدا تعالےٰ کے بارے میں بھی جو ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ بحث کرنے لگ گئے ہو۔ اور اسکو اپنے لئے خاص کرتے ہو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سب کا رب ہے۔ اور جب سب کا رب ہے تو اسکا احسان اور فضل کسی خاص قوم کے ساتھ خاص نہیں ہوسکتا۔ وہ ہر ایک انسان کے اعمال اور اخلاص کو دیکھتا ہے جس شخص یا جس قوم کے اعمال کو درست اور نیت کو نیک پاتا ہے۔ اسپر اپنا فضل کرتا ہے۔ قومی تعصبات سے خدا تعالےٰ کو جو رب العالمین ہے کیا تعلق ہے +

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ
اور ہمارے ہی لئے ہیں ہمارے اعمال۔ اور تمہارے ہی لئے ہیں تمہارے اعمال۔ اور ہم اسی کے
مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ
مخلص ہیں کیا تم کہتے ہو یقیناً ابراہیم اور
اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ
اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد
كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ
تھے یہودی یا عیسائی تو کہہ کیا تم زیادہ علم رکھتے ہو
اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
یا اللہ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو کہ اس گواہی کو چھپائے
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ ہرگز غافل نہیں اس سے
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا
جو تم کرتے ہو ؎ یہ ایک جماعت ہے جو فوت ہو چکی اسی کے لئے
مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ
جو کچھ اس نے کمایا اور تمہارے ہی لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا اور
لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶
تم سے نہیں سوال کیا جائے گا اس کی بابت جو کچھ وہ کرتے تھے ؞

؎ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
بہت لوگ جن کی نظر وسیع نہیں ہوتی اپنے خیالات پر اسقدر زور دیتے ہیں کہ ہر ایک بزرگ کی طرف بلا ثبوت ان کو منسوب کر دیتے ہیں یہود و نصارے بھی اپنی بحثوں میں اپنے بزرگوں پر جو موسوی مذہب کے ظاہر ہونے سے بھی پہلے کے تھے۔ اپنے مذہب کو ظاہر کرتے تھے۔ تا اس کی خوبی ظاہر ہو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ کیسی حماقت کی بات ہے وہ کتاب جسے تم آسمانی کتاب کہتے ہو (یعنے کتب موسے) وہ تو یہ بتاتی ہے کہ یہ لوگ موسیٰ اور عیسےٰ علیہ السلام سے پہلے گذرے ہیں۔ اور تم ان کو یہودی اور عیسائی قرار دیتے ہو اب بتاؤ کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ اس سوال کا جو کچھ بھی جواب وہ لوگ دیں۔ ان پر حجت ہو گا۔

؎ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ فرمایا وہ جماعت گذر چکی۔ کیوں اپنی غلطیوں میں ان کو شامل کرتے ہو وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ اور تم اپنے اعمال کے۔ بس اس بات میں کیا فائدہ ہے کہ ان کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتے ہو تمہارا اسی قدر ثابت کرنا کافی ہے۔ کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہی درست اور حق ہے۔ پھر سب جھگڑا خود حل ہو جائیگا۔

ترتیب و ربط

پچھلی آیات میں اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ بنو اسحاق کے انعامات نبوت سے محروم ہو جانے کے بعد بنو اسماعیل ہی حقدار انعام تھے کیونکہ ان کے متعلق حضرت ابراہیم کی دعا بھی خصوصاً ایک صاحب شریعت نبی کی بعثت کی۔ اب نمبر ۱۳۱ اور ۱۳۲ میں سمجھایا۔ کہ ملت ابراہیمی کو ترک کرکے بیوقوف نہ ہو جانا۔ جو یہ ہے کہ جو حکم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اُسے قبول کر لیا جائے جو اس طریق کو اختیار نہ کرے گا۔ وہ نقصان اُٹھائیگا۔

نمبر ۱۳۳ میں بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم نہ صرف خود اس طریق پر عامل تھے۔ بلکہ وہ اور ان کی اولاد بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت کرتے چلے آئے ہیں

کہ ہمیشہ خدا کے فرمانبردار رہنا اور جب بھی کوئی مامور آئے اس کے حزب میں داخل ہو جانا۔ نمبر ۱۳۴ و ۱۳۵ میں دکھایا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) سے تو ان کی اولاد نے عہد بھی کیا تھا کہ وہ احد خدا کی پرستش کریں گے۔ اور اس کے کامل فرمانبردار رہیں گے۔ اب تم لوگ اگر سچے اسرائیل ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اس عہد کو پورا کرو اور حضرت یعقوب کی طرح فرمانبرداری کرکے دکھاؤ۔ صرف ان کی اولاد سے ہونا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ہر ایک اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ نمبر ۱۳۶ میں فرمایا۔ دیکھو یہ ضد چھوڑ دو کہ یہودی یا مسیحی ہونے کے بغیر نجات نہیں۔ ابراہیمی طریق اختیار کرو یعنے ہر حکم کو جس زمانہ میں بھی آئے مان لینا اور اس حکم الہٰی کے مقابل میں کسی روک کی پرواہ نہ کرنا۔ نمبر ۱۳۷ میں مسلمانوں کو مخاطب کیا کہ یہ طریق ابراہیمی اختیار کریں یا نہ کریں مگر تم ہمیشہ اس بات کا اقرار کرو کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمبر ۱۳۸ میں بتایا کہ اگر اہل کتاب تمہاری طرح اس عقیدہ پر راضی ہو جائیں تو سُکھ پائیں گے ورنہ نزاع نمبر ۱۳۹ میں تاکید فرماتا ہے خدا تعالےٰ جو رنگ بھی چڑھائے وہ اپنے اوپر چڑھا لو۔ یعنے اسی رنگ میں رنگین ہو جاؤ جو اسکا مامور چاہے۔ نمبر ۱۴۰ میں فرمایا کہ ان اہل کتاب سے کہو کیا تم خدا تعالےٰ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو کہ اس نے تمہیں کیوں اپنے کلام کے لئے چُن لیا۔ یہ اس کا فضل ہے وہ ہمارے اور تمہارے اعمال سے آگاہ ہے پس جو اخلاص سے کام لیگا وہی انعام پائیگا نمبر ۱۴۱ میں فرمایا کہ ان سے پوچھو اگر یہودی یا مسیحی قوم میں نجات ہے تو حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے پوتوں کا کیا حال۔ کیا وہ بھی یہودی تھے یہ تو جھوٹ ہے کیونکہ وہ تمہاری مسلمہ آسمانی کتاب سے پہلے زمانہ میں ہوئے ہیں

نمبر ۱۴۲ میں اسقدر اتمام حجت کے بعد فرمایا کہ یہ نبیوں کا گروہ اپنے زمانہ میں گذر گیا ان نبیوں کے اعمال یا مسیح کا تکلیف پانا کوئی نیکی تمہارے کام نہیں آسکتی تم سے تمہارے اعمال کی نسبت پوچھا جائیگا۔

غور کرو اور اگر اس کو حق پاؤ تو اسے قبول کرو کہ اس تعلیم کا منشاء ہی یہ ہے کہ اس اور اگلی زندگی کو باآرام بنایا جائے اور انسان کو اس عظیم الشان کام کا اہل بنایا جائے۔ جو اس وسیع عالم میں اس کے حصہ میں آیا ہے جیسا کہ خود اسی کتاب نے اپنے نزول کی غرض بیان فرمائی ہے کہ "ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو کسی دنیاوی یا دینی دکھ میں پڑے بلکہ اس کے اتارنے کی غرض یہ ہے کہ جو شخص ہلاکت اور تباہی سے ڈرتا ہو اور سیدھے راستہ کا جویاں ہو یہ اس کے لئے ہدایت ہو جائے یہ اس ذات کا اتارا ہوا کلام ہے جس نے زمینوں اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا ہے جو بلا کسی محنت کے انسان پر رحم فرماتا اور بلا کسی نقص کے اپنے تخت حکومت پر قائم ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے یا جو کچھ ان کے درمیان ہے یا جو زمین کے اندر مدفون ہے سب اسی کا ہے"۔ پس جب کہ یہ کلام انسانی زندگی کو خواہ موت سے پہلے کی ہو یا موت کے بعد کی باآرام بناتا ہے اور انسان کو اس کے فرائض کے پورا کرنے میں مدد دیتا ہے تو اس کا قبول کرنا ہر ایک انسان کا فرض اولین ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب بے تعصب ہو کر لوگ اس پر غور کریں گے تو اس کے قبول کرنے کے سوا ان سے کچھ نہ بن آئے گا کیونکہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ معلوم کرے کہ میرا بھلا فلاں بات میں ہے تو کوئی روک اس کے حاصل کرنے میں اس کے حائل نہیں ہوتی اور اسی یقین سے پُر ہو کر ہم قرآن کریم کے اردو ترجمہ کا پہلا پارہ شائع کرتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ جن کے ہاتھوں میں یہ جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے پڑھ چکنے کے بعد ان کے خیالات اسلام کے متعلق بالکل اور ہوں گے بہ نسبت ان کے جو اس کے پڑھنے سے پہلے تھے اور اگر پہلے وہ ان جھوٹی رپورٹوں پر یقین کر کے جو اسلام کے متعلق ان تک پہنچائی گئی تھیں اس سے نفرت کرتے تھے تو اب ان کے دل اس کی محبت سے لبریز ہوں گے۔ اور یہ خدائے تعالیٰ پر مشکل نہیں۔

اس ترجمہ کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے کوئی غلطی نہیں کی کیونکہ بوجہ انسان ہونے کے ہم سے غلطی کا ہونا ناممکن نہیں لیکن ہم نے ایک ایسے طریق کو مد نظر رکھا ہے جس کی وجہ سے غلطی کا خطرہ بہت حد تک کم ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور نوٹ مختلف قصوں اور روایتوں کی بناء پر نہیں کئے گئے بلکہ ان کے تیار کرنے میں اول تو یہ پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جس لفظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے اس کو قرآن کریم نے دوسرے مقامات پر کن معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ اور یہ کہ خود اس آیت کا مضمون اس کے کن معنوں کی تائید کرتا ہے اسی طرح نوٹوں کے متعلق بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ایسے ہی معنے کئے جائیں کہ جن کی تائید خود قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ہوتی ہے اس کے بعد اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معانی کہ قرآن کریم کے الفاظ یا آیات کے ثابت ہوں ان کو مقدم کیا جائے۔ پھر لغت عرب کی مستند کتابوں کی شہادت پر کسی آیت کا ترجمہ یا مطلب بیان کیا گیا ہے۔ اور چوتھے نمبر پر تاریخ کی شہادت ہے جو ان آیات کے معنی کرنے میں لی گئی ہے جو کسی تاریخی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور ان لغو قصوں اور بے بنیاد روایتوں پر اس ترجمہ اور اس کے متعلق نوٹوں کی بنیاد نہیں رکھی گئی جن کے دھوکے میں اکثر مترجم آجاتے ہیں حالانکہ نہ وہ قرآن کریم میں مذکور ہیں اور نہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ گو اس قابل ہوں کہ کسی قصے اور کہانی کی کتابوں میں ان کو جگہ دی جائے لیکن قرآن کریم کے نوٹوں میں ان کا داخل کرنا ظلم عظیم ہے کیونکہ ان کے ذریعہ سے بجائے حق ظاہر ہونے کے حق پر پردہ پڑتا ہے۔ پس ہم نے ان قصوں کو بالکل چھوا تک نہیں اور ہمارے نوٹوں کی بنیاد جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اول خود قرآن کریم۔ دوم حدیث صحیح سوم لغت چہارم تاریخ پر رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو حق پر پہنچنے میں بہت کچھ مدد ملے گی۔

اس کے علاوہ اس ترجمہ کی دوسری خوبیوں کا اندازہ تو ناظرین خود ہی فرمائیں گے لیکن ایک بہت بڑی خصوصیت جو اس ترجمہ میں ملحوظ رکھی گئی ہے وہ تمام آیات کی ترتیب ہے جس میں ہر ایک آیت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس آیت کو پہلی آیت سے کیا تعلق ہے۔ اور یہ ایک ایسا اہم مضمون ہے کہ جس پر آج سے پہلے جہاں تک ہمیں علم ہے کسی نے قلم نہیں اٹھائی اور صرف اردو تراجم ہی اس خوبی سے خالی نہیں بلکہ ابھی تفصیلی بحث عربی تفاسیر میں بھی نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے لوگوں نے قرآن کریم کو بے ربط کتاب کہہ دیا۔ پس یہ ترتیب بیان اپنی قسم کا ایک پہلا کام ہے اور اس کے پڑھنے سے لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن کریم بجائے ایک بے ربط کتاب ہونے کے نہایت باربط ہے کہ جس کا کوئی مضمون بے موقع بیان نہیں ہوا۔

قرآن کریم کے باقی پاروں کی نسبت کہ اس پارہ کے بعد دوسرا پارہ کب نکلیگا ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد وقت میں جو دوسرے پارہ کی تیاری کے لئے ممکن ہو ہمیں اس کے شائع کرنے کی توفیق دے گا۔ اور ہم یہ یقین دلاتے ہیں کہ اپنی طرف سے انشاء اللہ پوری کوشش کیجائیگی کہ جسقدر جلد ہو سکے اس کام کو ختم کیا جائے اور تیسوں پارے مکمل

ہو جائیں جس کے بعد کل قرآن کریم کا دیباچہ شائع کیا جائیگا جو انشاء اللہ اپنے اندر ایسے وسیع مطالب رکھتا ہوگا کہ وہ طول مضامین جن پر قرآن کریم کے نوٹوں میں مفصل بحث نہیں ہو سکیگی اس کے ذریعہ سے صاف ہو جائیں گے اور دنیا کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ اس وقت تک قرآن کریم سے متعلق سخت بے انصافی سے کام لیتی رہی ہے

ہم اس جگہ اُن تمام احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں ہماری مدد کی ہے اور پیشگی طور پر اُن احباب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس ترجمہ کے مفید تر بنانے کے متعلق اپنے مشوروں سے ہمیں ممنون کریں گے اور اُن کا بھی جو اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس کی اشاعت کر کے ہمارا ہاتھ بٹائیں گے گو اس کی اشاعت ہماری خدمت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی خدمت ہے اور حق کی خدمت ہے۔ کیونکہ یہ ترجمہ کسی تجارتی غرض کو مدنظر رکھکر شائع نہیں کیا جاتا بلکہ حق کی اشاعت کے لئے شائع کیا جاتا ہے اور اس کی سب آمد اشاعت اسلام پر خرچ ہوگی۔

یہ تو وہ باتیں تھیں جو ہم انسانوں سے کہنا چاہتے تھے لیکن سب سے ضروری عرضداشت وہ ہے جو اے خدا ہم تیرے حضور پیش کرنا چاہتے ہیں اے ہمارے مولا تو دلوں کا واقف ہے اور نیتوں سے آگاہ ہے تو جانتا ہے کہ ہم نے کس نیت اور کس ارادہ سے یہ کام شروع کیا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ ہم نے کن خواہشات سے اس کام کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے پس تیرے حضور میں ہماری عرض ہے کہ اس کام کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق دے اور ہماری قلموں پر جاری کر کہ ہم وہ بات نہ لکھیں جو صداقت سے خالی ہو اور کلمات ہماری تحریر میں نہ آئیں جن کے اندر خفیف سے خفیف جھوٹ کا شائبہ ہو تو تیری کتاب بھی پاک جس طرح تو پاک ہے لیکن ہمارے علم کمزور اور واقفیت محدود ہے۔ پس اپنے پاک کلام کی سچی ترجمانی کی توفیق تو ہی عطا فرما کہ اس کے بغیر ہماری کوشش بے کار اور محنتیں فضول ہیں اے قادر مطلق خدا اے دلوں کے مالک خدا صداقت کے بیان کرنے کی طاقت عطا کرنے کے علاوہ تو ہمارے کلام میں ایسا اثر بخش کہ وہ صداقت کے طالبوں کے دلوں پر قبضہ کر لے اور ایسا کر کہ ہماری تحریر میں نسلی تعصبات اور ناواقفی کی بیزاریوں کو خس و خاشاک کی طرح اٹھا کر پھینکدیں۔ اے خدا تاریکی نے کل جہان پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ظلمت تمام عالم پر چھائی ہوئی ہے تو اپنی ہدایت کا سورج چڑھا جس کی کرنیں ظلمت کی فوج کو شکست دیں اور نور کی حکومت کو قائم کریں لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس ہدایت نامہ کو جو تو نے اپنی بے انتہا شفقت سے انسانوں کی ہدایت کے لئے اُس انسان کے دل پر جو اپنی پاکیزگی اور صفائی کی وجہ سے اپنے سب پیشروؤں اور بعد میں آنیوالوں پر سبقت لے گیا تھا نازل فرمایا تھا لغو اور بے حقیقت سمجھتے ہیں تو ہماری اس کوشش میں برکت دے تا ہم اُن کی آنکھوں کے کھولنے میں کامیاب ہوں اے رب اس نور سے جس سے تو نے ہم کو حصہ دیا ہے اُن لوگوں کو بھی حصہ دے جو اب تک اس سے محروم ہیں کہ وہ بھی تو آخر تیری ہی مخلوق ہیں اور قابل رحم ہیں اُن کی دنیاوی شان و شوکت کو دیکھ کر لوگ بھول جائیں۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ اُن کے دل بھی خوشی اور حقیقی راحت کے لئے اندر ہی اندر تڑپ رہے ہیں۔ پس تو اپنے فضل سے اُن کو بھی حصہ دے اور جس طرح قرآن کریم کے نزول کے وقت اُس کی صداقت کو تو نے چاروں اطراف عالم میں پھیلایا تھا اب بھی کہ مسیح موعودؑ کی بعثت ثانیہ سے تو نے دنیا کو بابرکت کیا ہے نور اسلام کو دنیا میں پھیلا دے۔ اے ہمارے خدا دنیا کی تکلیف اور اس کا ظلمت میں ہاتھ پاؤں مارنا دل کو دکھی اور خیال کو پراگندہ کر رہا ہے اپنے فضل کی بارش فرما تا ہر ایک جو سعادت رکھتا ہے تیری محبت بھری گود میں آجائے یہ صداقت سے دوری اور سچائی سے نفرت کب تک رہے گی تو سچے وعدوں والا ہے تیرا مسیح بے شک اسی مدعا کے پورا کرنے کے لئے آیا تھا لیکن دل تڑپتا ہے کہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے وہ دن دیکھ لیں کہ تیرے فضل کے ماتحت تیرے رسول مسیح موعودؑ کے خادموں کے ہاتھ سے پھر ایک دفعہ دین اسلام کا بول بالا ہو اور لوگ اس سچے اسلام کو قبول کریں جو مسیح موعودؑ کے ذریعہ پھر دنیا میں زندہ کیا گیا ہے اور جس کے جسم پر سے وہ گرد و غبار جھاڑ دیا گیا ہے۔ جو فیج اعوج کے زمانہ میں مختلف قصوں اور روایتوں کی شکل میں اس پر چڑھ گیا تھا۔ اور ان ممالک کے لوگ بھی جہاں یہ آواز ابھی بلند نہیں ہوئی یا ہوئی تو ہے مگر نہایت کمزوری سے یک زبان ہو کر چلا اٹھیں کہ نشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمداً رسول اللہ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوائے کوئی اور معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اور ہماری آخری بات تو یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں

المشتہر۔ سیکرٹری انجمن ترقی اسلام دارالامان قادیان۔ ۲۴ر دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

صرف ٹائٹل کے صفحے وزیر ہند پریس میں باہتمام بی لاجونتی کیر پرنٹر کے چھپے